اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — جلد سوم

حیدر آباد دکن

قسم اول

نمبر ۱ — ۱۹۰۸ء — نومبر

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدر آباد دکن

قیمت سالانہ مع محصولڈاک قسم اول صہ قسم دوم عہ سکہ انگریزی



ہز ہائنس سید فیصل بن ترکی سلطان مسقط

دکن ریویو

سلسلہ جدیدہ

نمبر ا — نومبر سنہ ۱۹۰۸ع — جلد سوم

تصویر سلطان مسقط

فہرست مضامین

اڈیٹوریل

اس نمبر سے دکن ریویو اپنی نئی زندگی کے تیسرے برس مین قدم رکھتا ہے - اور اگر جنوری سنہ ۱۹۰۴ع سے حساب لگایا جاے جو اس کا سن پیدایش ہے تو اس کی عمر کے چھٹے سال کے آغاز کو صرف ایک مہینہ باقی رہجاتا ہے - اس پانچ سال کے عرصہ مین اس نے اردو زبان کی جو کچھ بھی خدمت کی ہے وہ ارباب ذوق سلیم سے پوشیدہ نہین - اس کے محاسن و معایب پر نقادان فن نے

ہر طرح کی رائیں ظاہر کیں۔ اکثر نے اسے بہ نظر استحسان دیکھا۔ بعض کو اس کے ہنر عیب بنکر نظر آئے
بہر حال اگر میزان ادب میں اس کے پنجسالہ محاسن و معائب تولے جائیں تو محاسن کا پلہ جھکا ہوا نظر آئیگا
جس پر اُسے فخر کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

دکن ریویو کے نامہ نگاروں میں ملک کے بڑے سے بڑے انشا پردازوں کے نام نظر آئیں گے۔ اس کے اوراق کو اپنے گوشہ چشم سے روکش اکسیر بنانے میں حضور آصف جاہ سادس خلد اللہ و افاضہ علی العالمین برہ و احسانہ کی ہنر پروری کرشمہ سنج دکھائی دیگی۔ اس کے سرپرستوں کی فہرست کے لیے یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے سی۔ آئی۔ ای۔ کے سے جلیل القدر امرا کے نام باعث زینت عنوان ہونگے۔ لیکن باایں ہمہ سرمایہ مفاخرت اسے وہ اطمینان نصیب نہ ہوا جو ایک کثیر الاشاعت اخبار ہی کا حصہ ہے۔ اس کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ اس کے پڑھنے والے ہزارہا کی تعداد میں طول و عرض ملک میں پھیلے ہوئے ہوں لیکن حسرت اس تمنا کی سنگ راہ ہوگئی۔

آخر اس قلت اشاعت کی کیا وجہ ہے؟ کیا دکن ریویو کے مضامین نظم و نثر دلچسپ نہیں ہوتے؟ کیا اس کی قیمت اس قدر زیادہ ہے کہ ہر شخص کی اس تک رسائی نہیں ہوسکتی؟ ہرگز نہیں!! مضامین کی خوبی کے ضامن خود مضمون نگاروں کے نام ہیں جو آجکل کی اردو دان دنیا کے علمی آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں اور قیمت کی یہ حالت ہے کہ عہ سالانہ میں محصول ڈاک سمیت ۴۲۰ صفحہ اور ۱۲ اعلیٰ درجہ کی عکسی تصاویر مشاہیر دنیا کی دی جاتی ہیں جس سے زیادہ ارزان نرخ کا ہونا ممکن نہیں اس پر بھی اشاعت اگر نہیں بڑھتی تو سوائے اسکے کہ قسمت کی شکایت کیجائے اور کیا کہا جاسکتا ہے کیونکہ پبلک پر بدمذاقی کا الزام لگانا اپنی فرد قرارداد جرم خود مرتب کرنا ہے جس میں تعلی و خودستائی کے الزام جلی حروف میں لکھے ہوئے نظر آئیں گے۔

خیر! ہم ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا کو فرق استغنا پہ نثار اور اگر ضرورت ہو تو کیے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کی شق اول کو یقین اور شق ثانی کو احتمال کے حوالے کرتے ہوئے پرچہ نکالے جاتے ہیں اس امید پر کہ اگر اب نہیں تو دس بیس پچاس سال بعد جب شاید ہم پیوند زمین ہوچکے ہونگے دکن ریویو کا آئندہ مالک اور ایڈیٹر اخبار بینی اور ادب آشنائی کے بڑھتے ہوئے مذاق کی بدولت اس اطمینان کو دل میں جگہ دے سکے گا کہ ہندوستان کا کوئی بڑا شہر ایسا نہیں جہاں اس کے پڑھنے اور قدر کرنے والے

ہزار دو ہزار موجود نہ ہون سے ۵ اسی امید پہ بیٹھا کرئی سہتا ہون زندان مین   بڑھین گے طوق جب اونکے کٹین گی بیڑیان

لیکن اس پر بہی ہم سے یہ تو نہین ہوسکتا کہ دکن ریویو کے عشق مین جس کے بغیر عمر کٹنی دشوار ہے
خسارہ اور نقصان کے صدمے یہان تک اوٹہائین کہ بقدر لذت آزار بہی طاقت باقی نہ رہے۔ ہمارے
محترم دوست مولوی محمد انشاء اللہ خان صاحب نے جب دو سال ہوئے ہمین یہ مشورہ دیا تہا کہ دکن ریویو
کا ایک نہایت ہی ارزان ایڈیشن بہی نکالا جاے تاکہ ہر طبقہ تک اس پرچہ کی رسائی ہوسکے تو ہم نے
قسم سوم اس خیال سے نکالی تہی کہ گو دکن کی مہنگی چھپائی کی وجہ سے ایک روپیہ آٹھ آنہ سالانہ مین اس وقت
اس ایڈیشن کا خرچ ہی نہین نکل سکتا اور ہر پرچہ کی بابت ۲ ر بطور خسارہ ہمین اپنی گرہ سے دینے پڑتے
ہین لیکن ممکن ہے کہ اس قسم کے دو تین ہزار خریدارون کے بہم پہونچ جانے سے پرچہ اپنا خرچ
خود نکالنے لگے۔ لیکن دو سالہ تجربہ سے ضرب المثل والے اوس اعرابی کی تصویر ہماری آنکھون مین
پہر گئی جو کعبہ کا قصد کر کے ترکستان کی سڑک پر چل پڑا تہا۔ خریدارون کی فہرست پر اس امید مین
کہ تعداد بہت کچہہ بڑہ گئی ہوگی جب نظر ڈالی تو وہی ڈہاک کے تین پات نظر آتے اور جیب کو اس خیال
سے کہ ابھی کچہہ باقی ہوگا جب ٹٹولا تو جھنجی کوڑی بھی نہ ملی۔ اب ناظرین خود انصاف فرماسکتے ہین
کہ کہان تک یہ نقصان برداشت کیا جاسکتا ہے۔

اے نسیم حضرت سلمی خدارا تا بکے   ربع را برہم زنم اطلال را جیحون کنم

اس لیے مجبوراً ہم اس دفعہ سے قسم سوم موقوف کرتے ہین۔ پرچہ کی صرف دو قسمین اول و دوم نکلا کرینگی
قسم دوم کی قیمت چار سالانہ بھی ایسی نہین کہ قدردان ناظرین کی جیبون پر بار ہو۔ ہان جو نا قدردان ہین
اون کے لیے دکن ریویو ۲ ر سالانہ کو بھی مہنگا ہے۔

البتہ اُن ناظرین کے لیے جو اب تک قسم سوم کے خریدار تہے یہ رعایت کی جاتی ہے کہ ایک سال یعنی
اکتوبر ۱۹۰۵ء تک اونہین قسم سوم کی قیمت ادا کرنے پر قسم دوم کا پرچہ ملے گا۔

صدر اعظم دولت آصفیہ نے اون عنایات بے غایات کے اقتضا سے جو ہمیشہ دکن ریویو کے شامل
حال رہی ہین طغیانی کی مدد موسی سے چند دن پہلے ہمین ایک عنایت نامہ بہیجا تہا جسکا ہر ہر لفظ سرچشمہ امتنان
تہا۔ اس عنایت نامہ کا مضمون اکتوبر نمبر ایڈیٹوریل کالم مین بجنسہ درج ہوچکا تہا کہ وہ چھپا چھپایا نمبر ہی نذر
طوفان ہوگیا۔ اور ہمین جلدی مین دوسرا نمبر چھاپنا پڑا۔ اب کسی قدر حواس بجا ہوے ہین اور پرچہ کی ترتیب

پر توجہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ اسلئے ہم بکمال فخر اس عنایت نامہ کے مضمون کو اپنے سال نو کے لیے ایک مبارک فال سمجھ کر درج ذیل کرتے ہین۔ عالیجناب ارشاد فرماتے ہین:۔

"ایک عرصہ سے دکن ریویو کے لیے مین نے کوئی مضمون نہین بھیجا جسکی وجوہ یہ ہین۔ اول مضمون نگاری خود ایک مشکل کام ہے اس کے لیے ہمہ دانی کی ضرورت ہے دوسرے کاروبار سے اتنی فرصت کہان۔ اگر کبھی کچھ فرصت ہو بھی جاتی ہے تو وہ تین حصون پر منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک حصہ افکار کی نذر ہوتا ہے اور دوسرا معاینہ و مطالعہ کتب تصوف کے قربان اور بقیہ شوق نظم کے حوالے۔ نثر کی نوبت کس طرح آئے۔ بہرحال ٹوٹی پھوٹی نظم جو اپنی بیتی یا اپنے خیالات کے اظہار کے لیے ایک عمدہ وسیلہ ہے اس کو ساتھ بھیجتا ہون اگر مناسب ہو تو کسی صفحہ مین جگہ دیجیے۔

"مین نے دو سال کے قبل ایک مثنوی جو اپنے رنگ مین لاجواب ہے (موسوم بہ مثنوی راسخ) طبع کرائی تھی جسکا ایک نسخہ مرسل ہے۔ اب تک یہ شایع نہین ہوئی۔ اگر اس کے دیباچہ کو جو مین نے لکھا ہوا ہے اپنے پرچہ مین جگہ دیدیجیے تو خالی از لطف نہوگا۔ سخن سنج جوہریون کے لیے یہ کتاب ایک بیش بہا ہیرا ہے اس سے میرا مقصود اصلی یہ ہے کہ یہ مثنوی جو اب تک دردِ دل کی طرح چھپی ہوئی رہی آفتاب بن کر پبلک کو اپنا جلوہ دکھادے۔ باقی الحمدللہ خیر صلاح۔"

نظم جو عالیجناب ممدوح نے مرحمت فرمائی ہے۔ "کچھ آپ بیتی کچھ جگ بیتی" کے عنوان سے کسی دوسری جگہ درج کی گئی ہے اور دیباچہ مثنوی راسخ انشاءاللہ العزیز دسمبر کے نمبر مین شایع ہوگا۔

۱۶ نومبر ۱۹۰۸ع کی تاریخ دکن مین ہمیشہ یادگار رہے گی اس دن بتعمیل فرمان کرامت ترجمان حضور آصفجاہ سادس خلداللہ ملکہ۔ بصدارت صدر اعظم دولت آصفیہ باغ عام کے دربار ہال مین ایک عالیشان جلسہ مصیبت زدگان طغیانی رود موسیٰ کی امداد کی غرض سے نہایت وسیع پیمانہ پر ہوا۔ کل امرا و اعیان و اراکین دولت اس جلسہ مین موجود تھے حاضرین کی تعداد دس بارہ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ اس جلسہ کا سب سے اہم رزولیوشن یہ تھا کہ مصیبت زدون کے لئے چندہ فراہم کرنے کی تدابیر اختیار کی جائین جلسہ مین جب فہرست چندہ کھولی گئی تو حضور بندگان عالی کے ایک لاکھ کے شاہانہ عطیہ کی کل مقدار تین لاکھ چودہ ہزار تک پہونچ گئی جس مین عالیجناب صدر اعظم بہادر کی مسلسل توجہات سے بہت کچھ اضافہ کی امید ہے۔ جلسہ مین ایک گوشوارہ تقسیم کیا گیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ رقبہ متاثرہ ۱½ میل مربع تھا جس مین ۲۰ محلے تھے۔ نقصان جان بقدر تین ہزار اور نقصان مال بقدر ڈھائی کروڑ کے ہوا اور ۱۹ نومبر تک ایک لاکھ انتیس

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ

دکن ریویو

شب معراج

ابر مشکین پر مناظر قدرت کی دلفریبیون کا سرمایہ ہے اور شاعر کا دل و دماغ اُس سرمایہ کا خازن - کالی گھٹا جھوم کر اٹھتی ہے اور جب موسلا دھار برستی ہے تو انسان حیوان حجر و شجر سب کو تازہ کام کر دیتی ہے - ہر دل مین اُس کا جانفزا منظر ایک نرالی اُمنگ پیدا کرتا ہے - ہر دماغ مین اس کے دلفریب سمے سے ایک نیا ولولہ اُٹھتا ہے - یہی وہ کیفیتین ہین جو شاعر کے سمند تخیل کے لیے تازیانہ کا کام دیتی ہین وہ انہین حال کے ویرانہ سے قال کی بستی مین لا بٹھاتا ہے - اور ترجمان حقیقت بن کر وہ وہ کرشمہ آرائیان کرتا ہے کہ ذوق سلیم پر حالت وجد طاری ہو جاتی ہے -

فارسی شاعری کا مایہ امتیاز قصیدہ ہے اور قصیدہ کی جان تشبیب ہے تشبیب مین زیادہ تر حسن و عشق کے مضامین درج ہوتے ہین اور بہت کم تشبیبین ایسی ہون گی جو پیرایۂ تغزل سے عاری ہون - لیکن بعض صورتون مین تشبیب کا موضوع اس سے مختلف بھی ہوتا ہے - اور قصیدہ کی عمارت کی رو کار پر بہار و خزان صیف و شتا ابر و باران

کا مسالہ صرف کیا جاتا ہے

اساتذہ ایران مین فرخی سیستانی پہلا شاعر تھا جس نے ابر کا نقشہ قصیدہ کی تشبیب مین کھینچا ہے اور حق یہ ہے کہ نو سو سال گزرنے پر بھی اوس کے اشعار کی لطافت اور تازگی مطلق کم نہین ہوئی اور ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جاے کہ جو کچھہ فرخی کہہ گیا ہے اوس پر متاخرین مین سے کوئی بھی آج تک کچھہ اضافہ نہین کر سکا - یہ چند اشعار ملاحظہ ہون -

برآمد نیلگون ابرے زروے نیلگون دریا   چو رای عاشقان گردان چو طبع بیدلان شیدا

ببار بید وز ہم بگسست و گردان گشت بر گردون   چو پیلان پراگندہ میان آبگون صحرا

تو گفتی گرد زنگار است بر حراقۂ چینی   تو گفتی موے سنجابست بر فیروزہ گون دیبا

تو گفتی آسمان دریاست از سبزی و بر رویش   ز پرواز اندر آوردہ است ناگہ بچگان عنقا

ہمی رفت از بر گردون گہے تاری گہے روشن   دروگہ آسمان پیدا وگہ خورشید ناپیدا

بسان چندن سوہان زدہ بر لوح فیروزہ   بکردار عبیر بیختہ بر تختۂ مینا

چو دود آتشے کاتش بروے اندر زنی ناگہ   چو چشم بیدلے کز دیدن دلبر شود بینا

قاآنی نے جسے خاتم المتاخرین سمجھنا چاہیئے ان اشعار کو اپنے سامنے رکھہ کر تمام اوس قدرت کے صرف سے جو اوسے الفاظ پر حاصل ہے امام ضامن کی منقبت مین قصیدہ لکھا ہی اور تشبیب مین ابر و باران کی تصویر کھینچی ہے لیکن فرخی سے ایک انچ آگے نہین بڑہ سکا تقابل کے لیے اشعار ذیل ملاحظہ ہون :-

بگردون تیرہ ابرے بامدادان بر شد از دریا   جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا

چو چشم اہرمن خیرہ چو روے زنگیان تیرہ   شدہ گفتی ہمہ چیرہ بمغزش علت سودا

شکمش با قیر آلودہ دلش از شیر آمودہ   برون ابرے سرمہ سودہ درون پر لولوی لالا

بل گلشن ہمی زندان گہے گریان گہے خندان   چو در بزم طرب رندان ز شور نشاء صہبا

چو دودے سر بہوا رفتہ چو دیوے مست و آشفتہ   زدہ بس در ناسفتہ ز مستی خیرہ بر خارا

شدہ خورشید نور افشان بماری جرم او پنہان | چو ماہ مصر در زندان چو ماہ چرخ در ظلما
ز فیض او دمیدہ گل شمیدہ طرۂ سنبل | کشیدہ از طرب بلبل بشاخ سرو و گل آوا
عذار گل خراشیدہ خط ریحان تراشیدہ | دلبس الماس پاشیدہ بباغ از ژالہ بیضا
ازو اطراف خارستان شدہ یکسر بہارستان | و نور رشک نگارستان زمین از لالہ حمرا
فگندہ بر سمن سایہ دمن را دادہ سرمایہ | چمن زو غرق پیرایہ چو رنگین شاہد رعنا
ز بیمش مرغ جان پرد ز سہمش زہرہا درد | چو او چون اژدہا غرد و یا چون دد کشد بترا
خروشد ہر دم از گردون کہ پوشد بر تن ہامون | ز سنبل کسوت اکنون ز ژالہ خلعت دیبا
فشاند بر چمن ژالہ دماند از دمن لالہ | چنان از دل کشد نالہ کہ سعد از فرقت اسما

اردو شاعری استعارات و تشبیہات الفاظ و تراکیب اور معانی و تخئیل کے لحاظ سے ایک بہت بڑی حد تک فارسی شاعری کی خوشہ چین ہے - بلکہ بیجا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اردو شاعری کا جسم یعنی لفظی حصہ تو ہندی ہے - (اگرچہ الفاظ مین بھی پچہتر فیصدی فارسی اور عربی عنصر کی آمیزش ہوگی -) لیکن جان یعنی معنوی حصہ کہ وہی اصل شاعری ہے ایرانی ہے - قصیدہ - غزل - رباعی - مثنوی - غرض ہر صنف کلام مین شعراے اردو نے اساتذہ ایران کا اتباع کیا ہے - کسی اردو غزل یا قصیدہ کا ترجمہ ٹھیٹھ فارسی مین کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کلام کسی ایرانی شاعر کا ہے - یہ سب کچھ سہی مگر اردو شاعری کو فارسی شاعری کی ہمسری کا دعویٰ نہین ہو سکتا - اول تو ایک موجب ہے دوسری متبع ایک کی عمر بارہ سو سال ہے دوسری کی کلہم دو سو سال - ایک نشو و نما کے مختلف مدارج طے کر چکی ہے - دوسری کا ابھی ابتدائی دور ہے - ایسی حالت مین اگر کوئی اردو نظم فرخی اور قاآنی کے اوس کلام معجز نظام کے مقابلہ مین پیش کی جا سکے جس کا اوپر اقتباس کیا گیا ہے تو ہم اسے سحر حلال کی مثال سمجھین گے -

مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی کا جو قصیدہ ہم ذیل مین درج کرتے ہین وہ

اسی قسم کی ایک مثال ہے اور ہمین حیرت ہوتی ہے کہ ایسے عالی مضامین ایسا زور خیال ایسی انوکھی بندشین ایسا نرالا طرز ادا مولانا کو کس طرح ہاتھ آ گیا۔ بعض بعض اشعار اس قصیدہ کے ایسے ہین جو فرخی اور قاآنی کے لیے بھی سرمایۂ نازش ہوتے بحیثیت مجموعی یہ قصیدہ اردو کے برگزیدہ قصائد مین شمار کیے جانے کا استحقاق رکھتا ہے اور اسکے مصنف ہونے کے لحاظ سے مولانا سید علی حیدر صاحب محسن کاکوروی کے ہم نوا ہوکر کہہ سکتے ہین :-

کیا شیراز کو پامال اردو کے معلّی نے گیا مان اصفہان لو ہا ہیرے تیغ مہند کا

ایڈیٹر

کہتی ہے شاخ ناردن ہاتھون پہ رکھ کر ساتگین لے زندباخان چمن ہان کوئی صورت دلنشین
ہے ابر بادبوسیہ سرشار دست و خشمگین خندان رخ و گریان مژہ روشن دل و تیرہ جبین
پہولون مین انداز جنون پتون مین شور ارغنون بام ہوا ہے تیرہ گون صحن گلستان زمردین
آتا ہے وہ قطرہ کیے پانی سمندر سے پیے گرد اجدھر بکھرا دیے گلہاے در دریا مین
گراین کنان گوہر فشان قطرہ زنان دامن کشان مانند زلف مہ رخان تاریک و تار و عنبرین
دل مین طرب لب پر فغان سر بر کف و کف در دہان انداز مین چل دمان آواز مین شیر عرین
دیوانہ و شوریدہ سر دیو سیہ مست الحذر پرچھائین جسکی دیکھ کر چھپتا پھرا مہر مبین
باطن مین ہے فیض اتم ظاہر مین ہے طرز ستم دل مین چھپا ذوق کرم تیور سے پیدا خشم و کین
اٹھتا ہوا سر سے دھوان آب اور آتش درمیان کھینچے ہوے رنگین کمان جادو گر صندل نشین
سناسیون کی طرح سے رو سے ہوا اوڑتا پھرے کھٹ جبل مین یون جیسے گرہ ہون بام و سنین
ہر وحشت دل اک بلا اور موسم گل فتنہ زا ہو جاے یون ہر زہ درا کہسار کا عزلت گزین
گہ نعرہ زن گلشن مین ہے گہ دشت مین بن بن پھرے گہ کوہ کے دامن مین ہے مانند مار آستین
گہ خندہ مستی کیا بجلی اندھیرے مین ضیا گہ گیف مے سے ہو دیا بکھرا دیے در ثمین

بے باک و شوخ و ذو فنون کیفیت طبع جوش جنون — سر تا قدم الماس گون اور ہے دائی سرگمین

صد قافلہ مشک ختن صد راحلہ در عدن — ہے نا جبر ملک یمن یا مرکب دریاے چین

کشتی ہے یہ لنگر زدہ اژدر ہے یا چنبر زدہ — یا کوہ دامن بر زدہ اوج ہوا پر ہے مکین

سیمرغ مشکین پر یہ ہے گیسوئے زال زر یہ ہے — آبستن گوہر یہ ہے پہنی قبا ہے گوہرین

آرام سے یہ کب رہا گریان ہی روز و شب رہا — ہے مثل فیل ابرہہ آشفتہ طبع و خشمگین

وسعت یہ دیکھو تو سہی خالی نہ کوئی جا رہی — گردون سے باتین ہین یہی لب ہین نہین یا تو نہین

چیتون مین ہے افسون گری رفتار ہی جادو بھری — عفریت اور الیاپری زنگی اور ایسا نازنین

کچھ جھوم کر آنا بھی ہے کچھ چال مستانہ بھی ہے — دریا یہ لہرانا بھی ہے بکھرا کے زلف عنبرین

رنگت سیاہ اور یہ پھبن جس پر فدا حسن چمن — صدقہ نافۂ مشک ختن صد گلۂ آہوے چین

ہین روز و شب ہم پیرہن اور نور و ظلمت جان و تن — ہے برق شاخ یاسمن اور ابر بار یاسمین

برق جہندہ شعلہ زا اور ابر بالا سے ہوا — وہ ہے براق مصطفیٰ یہ غیرت روح الامین

جب دیکھ کر باغ جنان آگے بڑھی شاہ زمان — جبریل بھی تھے ہم عنان تا آسمان ہفتمین

یاد آگئی مجھکو شب معراج ختم المرسلین — مطلع — تفسیر سبحان الذی اسریٰ سنین اہل یقین

اکدم مین جا کر عرش پر پھر آگئے شاہ بحر و بر — حیران ہے عقل نکتہ رس ششدر رہی فکر نکتہ چین

پہنچے شہ والا مکان ایک آن مین تا لامکان — حائل زمان ہو یا مکان اُس نور کو ممکن نہین

تفصیل اس اجمال کی مجھ سے سنے گر فلسفی — ایک آن کی تقسیم مین گزرینگے ایام و سنین

لاے براق برق دم چابک عنان چابک قدم — بہر سفر عالی ہمم گردون سے جبریل امین

بطحا سے شاہ بحر و بر فوراً ہوے گرم سفر — تا مسجد اقصیٰ گئے ناطق ہے قرآن مبین

آگے تھے شاہ دو جہان محو نماز و ذکر حق — پیچھے صفین باندھے ہوئے سب انبیا و مرسلین

اک جام شیر اک جام مے لاے حضور مصطفیٰ — وہ شیر شہ نے لے لیا چھوڑی شراب آتشین

پھر آیت قوسین سے ہوتا ہے ثابت بیگمان — قوسین تک وان سے گئی محبوب رب العالمین

تھی شاہ والا کی نظر مصداق مازاغ البصر پھر آئے آپ افلاک پر دیکھا سے فردوس برین

وہ طلح منضود اک طرف وہ سدر مخضود اک طرف وہ ظل ممدود اک طرف جس مین خرامان حور عین

خندان گل تر اک طرف لبریز ساغر اک طرف تسنیم و کوثر اک طرف جس مین مے و ماء معین

نصف النہار خلد پر اُس وقت طالع تھا قمر جنت کی چارون ندیان شوق زیارت مین بڑھین

اک نہر مین شیرین تھا آب اک نہر مین تھا شیر ناب اک نہر مین جاری شراب اک نہر مین تھا انگبین

وہ ضیمران وہ نارون وہ ارغوان و نسترن سب رنگ سب پر دین و برن سب زینت خلد برین

چرخ مقرنس سے بڑھے بام کوکب پر چڑھے نقش قدم پر آپکے آنکھین ستارون نے ملین

شعریٰ تھا کلب آستان اور نسر مرغ پر فشان دو فلاک ایک آب پاش اور سنبلہ اک خوشہ چین

عیوق تھا اک دیدبان بہر حصار آسمان کف الخضیب اک مشعلدار رہ سلطان دین

پھر چرخ اطلس کی طرف رفرف ہوا فرفر روان رفتار تھی لمح البصر یا جنبش چشم یقین

تھا محو اوسکی دید مین سر کو اٹھائے آسمان اور دیکھتے تھے فرقدین اُس کو لگا کر دوربین

راکب کے دل مین تھا ابھی جسکا خیال آیا نہ تھا دل کے ارادے سے بھی کچھ پہلے یہ جا پہنچا وہین

اوس ذروۂ تنزیہ پر آیا شہ دین کو نظر الٹا ہوا جام قمر سیدھا رخ مہر مبین

مہر نبوت کا شرف اُس وقت ظاہر ہو گیا یعنی زمین و آسمان ہین شاہ کے زیر نگین

گردون پہ تھے شاہ امم کہتی تھی رفعت دمبدم ہے آپکے زیر قدم خشک و تر و غث و سمین

تھی چرخ اطلس پر عیان نور جبین سے دھوپ چھان اللہ رے قرب عرش و شان پہنچے کہان سلطان دین

طے کرکے راہ کہکشان توسین تک آئے نبی سدرہ سے بڑھ جاتے اگر جلتے پر روح الامین

یا دیکھ کر تابندگی آیا خیال بندگی جا کر قریب ساق عرش اولٹی وضو کو آستین

تا دیر سجدہ مین رہے مطلب جو دل کی تھی کہے پھر ساجد و مسجود مین کچھ راز کی باتین رہین

سید کا دل تھا آئینہ اور عکس وحی کبریا جو حرف تھا بے صوت تھا جو بات تھی وہ دلنشین

خلعت شفاعت کا ملا حسن رسالت کا صلہ پایا خطاب اللہ سے حضرت نے ختم المرسلین

ان پر نبوت ختم ہے ان پر رسالت ختم ہے　　تبلیغ کی عالم مین اب ہرگز ضرورت ہی نہین

ہین سب فصیحان جہان انگشت حیرت در دہان　　تا حشر انکا معجزہ باقی ہے قرآن مبین

ہر ملک کا مذہب یہ تہا کہتے تہے انسان کو خدا　　ایران و توران و ختا تاتار و ہند و سند و چین

لات و ہبل پر یہ فدا وہ بعل کا تھا بالکا　　پوجا کہین تہا رام کا بدہ کی پرستش تہی کہین

سارے جہان مین یہ مرض بڑہتا ہی جاتا تہا غرض　　گزرے ہزارون انبیا اور کوششین کیا کیا کہین

عیسیٰ جو گردون پر گئے تلقین کیا کچہ کر گئے　　اور لوگ او نہین سمجھے خدا بلکہ خدا اسکا جانشین

وہ وعظ کرتے ہی رہے لیکن یہ کہتی ہی رہے　　جاتے کہان ہو بہاگ کر ٹھہرو خدا تو ہو تمہین

جو کام احمد نے کیا وہ کس نبی سے ہو سکا　　دنیا مین انسان کو خدا اب کوئی کہنے کا نہین

مشرک ہوے سب منفعل کافر پشیمان و خجل　　منہ سے ہے گر انکار بھی دل مین ہین پر غمگین

اللہ اکبر کی صدا مشرق سے مغرب تک گئی　　وہ رعب تہا نام خدا کا نیا فلک لرزی زمین

اتمام حجت ہو چکا دور رسالت ہو چکا　　عالم پہ ظاہر ہو چکا سر نہان کفر و دین

پہنچا جہان تک علم قرآن تہا ساتھ اسکی ہم　　وہ دامن لطف و کرم یہ دامن علم و یقین

نور خدا وہ ہے خدا ہم لوگ کیون کہنے لگے　　یہ ہے شرف کیا کم کہ وہ سید ہے ختم المرسلین

فرمانروا ے جزو کل محبوب حق ہادی السبل　　بدر الدجے ختم الرسل کہف الوریٰ سلطان دین

ہادی تھے یہ اور مہتدی اور حکم حق سے تھے نبی　　اور حضرت آدم ابھی تھے درمیان ماء و طین

یہ معنی ما ودعک یہ رکہرا سے فاستقم　　مقصود امر کن فکان محبوب رب العالمین

حق سے تقرب کے لئے تخصیص کیا ہے عرش کی　　جلوہ ہے اسکا ہر جگہ موجود ہے وہ ہر کہین

لیکن یہ مقصود اس سے تہا سب جان لین یہ جا بجا　　ہین مصطفیٰ کونین مین اللہ کے عبد گزین

رہتا ہون مین شام و پگہ تیرا ثنا خوان ہر جگہ　　میری طرف بھی اک نگہ یا رحمۃ للعالمین

سید علی حیدر طباطبائی

———۱۰۱———

کچھہ جگ بیتی کچھہ آپ بیتی

(از یمین السلطنة مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای)

(۱)

نہ غنچے باغ مین چٹکے نہ چہکی کچھہ ہزار ابتک | چمن کا رنگ پھیکا ہے نہین آئی بہار ابتک
طپیدن مصدر سودا ہے زلف یار سے ہمدم | ازل سے اسلئے دلکو نہین آیا قرار ابتک
نوا سے بے نوای ساز الفت کا کرشمہ ہے | دیا ہے اپنا دل اُسکو مگر ہے اختیار ابتک
فراغت کب ہوئی صورت پرستی سے مجھے عارف | میری حیرت سے ہے شکل یار کی آئینہ دار ابتک
تصدق جاؤن حسرت کے کہ اس سے نام زندہ ہے | رہا باقی نہ مین لیکن ہے میری یادگار ابتک
جنون کی ہین وہی جولانیان اس قید خانہ مین | تصور مین ہے میرے تار موے زلف یار ابتک
بہانے سے دعا کے ہاتھہ اٹھا کر اُسنے کوسا تھا | مزا رہ رہ کے آتا ہے اُسیکا بار بار ابتک
نفس پر وردہ حیرت ہون کوئی حال کیا جانے | مین اپنے حسن کا ہون آپ ہی آئینہ دار ابتک
جلا کر خاک کر ڈالا مجھے سوز محبت نے | ہوئی مدت اُگا سبزہ نہ بالاے مزار ابتک
پئے تسکین دل سینے پہ رکھا دست ناز اُسکا | مری آنکھون مین پھرتا ہے وہ نقشہ بار بار ابتک

ہزارون کی تمنائین تو اے خواجہ ہوئین پوری
مگر یان اک دل ناشاد ہے امیدوار ابتک

(۲)

چشم فرش راہ شد در انتظار کیستم | شوق پابوسی ست من امیدوار کیستم
نیستم واقف کہ ہمچون لالۂ خونین جگر | در گلستان جہان من داغدار کیستم
عکس مرآت حقیقت گشت چون ہر دو جہان | غرق حیرت گشتہ ام آئینہ دار کیستم

گشته ام منت کش آزار دل در عشق او — آرزوے مرگ دارم جان نثار کیستم
چون رم آہوے صحرا و سرم جوش جنون ست — صید ناوک خوردہ ام یارب شکار کیستم
سالہا باشد سوز الفت نعل در آتش نمود — لیکن اے دل می ندانم بیقرار کیستم
با خزان کاری ندارم در ہواے عشق او — ہیچ میدانی که من رنگ و بہار کیستم
در قفاے کاروان باکوہ و افغان میروم — خاک گردیدم نمیدانم غبار کیستم
سالہا شد خود نمیدانم درین دیر خراب — دشمن جان کیستم یا دوستدار کیستم
شست و شوے نامۂ اعمال چشم تر نمود — از گناہ خویشتن یارب شرمسار کیستم

عاشق ہندالولی ام شاد از دیم مپرس
کافر عشق کیستم زنار دار کیستم

جذبات آزاد

ہمارے ناظرین نے غالب کی وہ مرصع غزل تو دیکھی ہی ہوگی جسکا مطلع ہے ؎

تاہم ز دل برو کافر اداے — بالا بلندے کوتہ قباے

حضرت آزاد کی اس غزل کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

دل برد از ما رعنا جوانے — بالا بلندے سرو روانے
رنگین قباے قاتل اداے — آشوب دہرے آرام جانے
با خو بروئی پاکیزہ خوئے — باریک موے لاغر میانے
شکر فشانے با تلخ گوئی — شیرین زبانے شیوا بیانے
از خندہ برقی واز غمزہ تیرے — ناوک نگاہے ابرو کمانے
حسنش که دارد رنگے و آبے — زان آب و رنگے یک گلستانے
سرمست نازے مسکین نوازے — ہم بذلہ سنجے ہم نکتہ دانے
ملح است باو برما گوارا — تنگ ست لبے او برما جہانے
روزے بیابی آزاد خود را — جانے بیابد آن نیم جانے

تصوف کی تاریخ

(رقمزدہ پروفیسر رینالڈ اے نکلسن)

(۱)

کچھ زمانہ ہوا کہ مین نے رسالہ قشیریہ اور تذکرۃ الاولیا مصنفہ فرید الدین عطار اور نفحات الانس جامی مین سے الفاظ صوفی و تصوف کے تعریفات جمع کر کے ان کی تاریخوار فہرست مرتب کی تھی اور یہ ارادہ کیا تھا کہ اس فہرست کے ساتھ اس مضمون کو جو اُس وقت بہت ہی موجز و مجمل تھا حاشیہ کے طور پر شامل کر دون۔ تصانیف مذکورہ مین صوفی اور تصوف کی کوئی ایک سو تعریفین ہون گی لیکن کسی تعریف کا مضمون چند سطور سے زیادہ نہین۔ میرا خیال تھا کہ اُن مین سے جو تعریفات سب سے زیادہ ممتاز ہین اگر وہ حتی الامکان بہ ترتیب زمانی جمع کر دی جائین تو یہ مجموعہ نہ صرف دلبستگی بلکہ سود مندی کا پہلو لئے ہوئے ہوگا کیونکہ تصوف کے تاریخی نشو ونما پر یہ تعریفات صرف اسی صورت مین روشنی ڈال سکتی ہین۔ لیکن نتیجہ حسب خواہ نہ مترتب ہوا۔ اس مین شک نہین کہ بہ حیثیت مجموعی یہ مختصر فقرے جن مین بسا اوقات صوفیانہ طریقہ کی محض ایک شان واحد یا ایک خصوصیت مختصہ یا ایک آنی حالت کی جھلک نظر آتی ہی اُس ترقی کو ظاہر کرتے ہین جو اسلام نے تیسری صدی کی ابتدا سے چوتھی صدی کے آخر تک تصوف کے متعلق بتدریج کی لیکن جو شہادت ان سے بہم پہونچتی ہے وہ کسی طرح جامع اور مکمل نہین متصور ہو سکتی۔ بنا بران مین نے قصد کیا کہ ان تعریفات کے مصنفین اور دوسرے صوفیہ کرام نے جس عقیدہ کی تلقین کی ہے اُس پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالون۔ چنانچہ اس تبصرہ کے نتایج ذیل مین قلمبند کئے جاتے ہین۔ مجھے یہ دعوی نہین کہ اس مضمون کے متعلق جس قدر مواد فراہم ہو سکتا تھا مین اُس سے بتمامہ مستفید ہوا ہون اس لئے کہ

دو بہت بڑی ممتاز تصانیف ایسی ہین جن کا مین بالاستیعاب مطالعہ نہین کر سکا۔ ایک تو حلیۃ الاولیا مصنفہٗ ابونعیم اصفہانی جس کا زمانہ سنہ ۴۳۰ھ ہے اور دوسری کشف المحجوب مصنفہ علی بن عثمان الجلّابی الجویری جس نے پانچوین صدی ہجری کے نصف آخر کا زمانہ پایا ہے پھر بھی جس قدر مواد مین بہم پہونچا چکا تھا وہ میری دانست مین اُس ابتدائی تحقیقات کے لیے جو میری مطمح نظر ہے کافی و وافی ہے۔ جس مضمون پر مین قلم اٹھا رہا ہون وہ اس قدر وسیع ہو کہ ممکن نہین کہ چند صفحون مین اس کا حق تفصیل ادا کیا جا سکے اور اُس کے ہر ہر پہلو مین اسقدر اسرار و غوامض مضمر ہین کہ بالفعل اُس پر پوری طرح سے روشنی نہین ڈالی جا سکتی۔ اسی لیے وہ خاکہ جو ذیل کی سطور مین کھنچا جاتا ہے کم و بیش عارضی متصور ہونا چاہیے گو بر سبیل مفاخرت مین اس امر کے اظہار کی جسارت کر سکتا ہون کہ اس کے اصولی نکات کی تصدیق و توثیق آئندہ اکتشافات سے ہو سکے گی۔ مین یہان اصول تصوف سے جو ہر خاص و عام کو معلوم مین بحث نہین کرنا چاہتا بلکہ یہ دکھانا چاہتا ہون کہ ان اصول کا ماخذ کیا ہے اور ان کا موجودہ نظام کس طور پر ترکیب پذیر ہوا۔

طریقہ صوفیہ کا مبدا و منشا رہ وہ زبردست اور ہمہ گیر زاہدانہ رجحانات مین جو پہلی صدی ہجری مین عالم اسلام مین پیدا ہو گئی۔ جرمن مستشرق گولڈزیہر لکھتا ہے کہ اس ابتدائی رہبانیت کے اجزاء اعظم دو ہین۔ ایک تو گناہ کا غلو آمیز ادراک۔ دوسرے منتقم حقیقی کے قہر کا حد سے زیادہ خوف۔ اس طریقہ کی ابتدا سنّت اسلام کے مطابق ہوئی مگر جناب رسول خدا کی تعلیم اور آپ کی سنّت باہرہ کے بعض لوازم مثلاً ذکر و توکل کو جس غیر معمولی وقعت کی نظر سے دیکھا گیا اُس نے عبادات کے متعلق بعض دوسرے امور کی طرف سے جن کا وجوب راسخ الاعتقاد مسلمانون کے نزدیک کچھ کم مسلّم تھا ان لوگون مین لازمی طور پر بے اعتنائی پیدا کر دی حضرت حسن بصریؒ جو بہت بڑے صاحبدل ہو گذرے ہین طبقۂ صوفیہ کے رکن رکین متصور ہوتے ہین اور حق یہ ہے کہ سرمنزل روحانیت مین جس قدر تگ و دو انہون نے کی اور اعمال

عبادت کے محض ارکان ظاہری کی نسبت جس طور پر اُنہوں نے اپنی بے اطمینانی ظاہر کی اُس کے لحاظ سے صوفیہ اُن کی جتنی عزت کریں کم ہے۔ اُن کا قول ہے کہ "خالص اتقا اگر بقدر ایک دانۂ خردل کے ہو روزہ اور نماز کے ایک پہاڑ پر بھاری ہے"[1] اپنے قلوب کو خدا کے ذکر اور یاد سے جلا دو کیونکہ دل بہت جلد زنگ آلودہ ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو خواہش سے روکو کیونکہ خواہش نفسانی کی کشش زبردست ہے اگر تم اس کو مانع نہ آؤ گے تو تمہارا انجام برا ہوگا"۔ لیکن ان ارباب زہد و تقشف کو تصوف کا محض ایک پیش خیمہ تصور کرنا چاہیے۔ امام قشیری لکھتے ہیں کہ لفظ صوفی عام طور سے دوسری صدی ہجری کے خاتمہ کے قبل (سنہ ۸۱۵ء) رواج پا گیا۔ ابن خلدون کے قول کے مطابق لفظ صوفی صوف سے مشتق ہے یہ ایک قسم کا موٹا اونی کپڑا تھا جسے مسلمان زہاد اُن لوگوں سے متمایز ہونے کے خیال سے پہنتے تھے جن کا لباس شان عشرت پسندی لئے ہوتا تھا۔ غالباً لقب صوفی اُس افتراق کو ظاہر کرتا ہے جو زہد و سنت میں پیدا ہو گیا اور اول اول اس لقب سے ابو ہاشم کوفی (سنہ ۱۵۰ھ) ملقب ہوئے جن کی نسبت جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے :- "پیش از وی بزرگان بودند در زہد و ورع و معاملات نیکو در طریق توکل و طریق محبت ولیکن اول کسے کہ وی را صوفی خواندند وے بود و پیش از وے کسے را باین نام نہ خواندہ بودند"۔ اس عبارت کے بعد جامی نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ صوفیوں کی پہلی خانقاہ کی بنا ایک مسیحی امیر نے بمقام رملہ ڈالی۔ عجب نہیں کہ ابو ہاشم کا اس خانقاہ سے تعلق ہو۔ اگرچہ مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ مسیحی اثرات نے ایک حد تک تصوف کے ابتدائی نشو و نما میں حصہ لیا لیکن ساتھ ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ وہ زہد آمیز و رضا انگیز تصوف جس کی جھلک ابراہیم ادھم (سنہ ۱۶۱ھ) داؤد الطائی (سنہ ۱۶۵ھ) فضیل بن عیاض (سنہ ۱۸۷ھ) اور شقیق بلخی (سنہ ۱۹۴ھ) کے مقولوں میں پائی جاتی ہے نہ تو مسیحی الاصل ہے اور نہ کسی اور غیر اسلامی ماخذ ہی کا رہین منت ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس قسم کا تصوف اسلام کا ذاتی ماحصل تھا اور چونکہ ذات باری کا اسلامی تصور

[1] رسالہ قشیریہ صفحہ ۲۷ اول المتبرد

اون مسلمانون کے سیلیے جن کا میلان روحانیت کی جانب تھا موجب اطمینان وتسلی قلب نہ ہوسکتا تھا[1] لہذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگون مین اس طرح کی متصوفانہ تحریک پیدا ہوگئی۔ اگرچہ وہ صوفیہ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے زہد ورعنا مین ید طولی رکھتے تھے لیکن اون کا متصوفانہ طرز عمل حد اعتدال سے متجاوز نہ تھا۔ صوفیہ دور آخر کے حال وقال کے کرشمون سے وہ بالکل بے خبر تھے خدا سے اونکو عشق ضرور تھا لیکن اس عشق پر خوف غالب تھا۔ اُن کی محبت کی غایت الغایات یہ تھی کہ سر تسلیم خم کرکے راضی برضاے الہی ہون نہ یہ کہ ذات باری تعالی جس حجاب مین مستور ہے اُسے اُٹھا کر اُس کے جمال کا نظارہ کرین۔ غرض وہ زہاد ومعرفت کے بین بین ہین اور جو لفظ اُن کی قلبی حالت کو صحیح طور سے ظاہر کرتا ہے وہ رضا ہے۔

تیسری صدی ہجری مین تصوف نے ایک بالکل ہی نئی شکل اختیار کی جسے اسلام کی روحانی قوتون کے مسلسل نشو ونما سے کسی طرح نہین تعبیر کیا جاسکتا۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ تصوف کی قدیم ترین تعریف حضرت معروف کرخی (۲۰۰ھ) کے اقوال مین پائی جاتی ہے جن کے والدین مسیحی یا مندائی المذہب[2] تھے اور آپ کے والد کے نام سے جو فیروز یا فیروزان تھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایرانی النسل تھے۔ معروف حضرت امام رضا کی تلقین سے اسلام لاے تھے اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ آپ بغداد کے محلہ کرخ مین بزمانہ خلافت ہارون الرشید رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ معروف کرخی کہلاتے تھے۔ آپکا مزار ابھی تک بغداد مین موجود ہے ہمیشہ سے مرجع انام رہا ہے۔ حضرت داود الطائی (۱۶۵ھ) کے ہان آپکا اکثر اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا

---

[1] کسی آئندہ نمبر مین ہم پروفیسر نکلسن کے اس ادعا کو باطل ثابت کرینگے۔ ایڈیٹر

[2] اس فرقہ کے مفصل حالات دریافت کرنا مقصود ہون تو وہ مضمون ملاحظہ فرمایا جاے جو دکن ریویو سلسلہ جدید جلد اول بابت ماہ فروری ۱۹۱۰ء مین "عراق کے کواکب پرست" کے عنوان سے شایع ہوا۔ ایڈیٹر

لیکن کتاب الفہرست (ابن الندیم) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف مین آپکو
حضرت فرقد السنجی سے تلمذ تہا جو حضرت حسن بصری کے مرید تھے اور حسن بصری امام
مالک بن انس سے فیض یاب ہوئے تھے - اس قسم کے اسنادات جن سے سلسلہ
تصوف کا مستقیم الاصول ظاہر کرنا مقصود ہے کچھہ بہت زیادہ قابل اعتنا نہین - تذکرۃ الاولیا
مین لکھا ہے کہ معروف کا دل اشتیاق وصال باری تعالیٰ سے معمور تہا - اون کے
مرید حضرت سری سقطی جن کا نام شاہراہ تصوف کے لیے اپنے مقام پر میل و فرسنگ کا
کام دیتا ہے بیان کرتے ہین: "مین نے خواب مین حضرت معروف کرخی کو ارگیہ باری
کے نیچے دیکھا - باری تعالیٰ اپنے فرشتون سے استفسار فرمارہا تہا - کہ یہ کون شخص ہے -
فرشتون نے جواب دیا کہ بارالہا تو بہتر جانتا ہے اس پر خدا کا ارشاد ہوا کہ یہ معروف کرخی
ہے جو میری شراب محبت کے نشہ مین ایسا مست ہے کہ جب تک مجھے روبرو نہ دیکھیگا
اوس وقت تک اس کے حواس برجا نہ ہونگے[1]" حضرت معروف کرخی کے اقوال مین
ہمین پہلی مرتبہ اُن اچھوتے خیالات کی جھلک نظر آتی ہے جو آج کے دن تک قصر
تصوف کے ارکان اعظم اور اس فن کے خصوصیات مختصہ متصور ہوتے ہین - مثلاً

"عشق انسان کے سکھانے سے نہین آتا یہ خدا کی دین ہے جسکو چاہے اپنے فضل
سے عطا کرے[2]"

"اولیاء اللہ کی تین علامتین ہین وہ خیال کرتے ہین تو خدا کا رہتے ہین تو خدا کی
ہان اور معاملہ کرتے ہین تو خدا کے ساتھہ[3] - عارف کو اگر لذت حاصل نہین ہے تو نہو اوسکی
ذات تو سراپا لذت ہے[4]"

---

[1] رسالہ قشیریہ [2] تذکرۃ الاولیا [3] تذکرۃ الاولیا [4] تذکرۃ الاولیا اس کا مقابلہ ابراہیم ادہم
کی تعریف سے کرو - جس کے الفاظ حسب ذیل ہین: "عارف کی یہ علامت ہو کہ اس کے خیالات زیادہ
تر خدا کے دہیان مین صرف رہتے ہین - اس کے اقوال خدا کی تعریف و تحمید کے لیے وقف ہین"

ایک دن معروف نے اپنے مرید سری سقطی سے کہا: "جب تمہین خدا سے کوئی مراد مانگنی ہو تو اوس کو میرا واسطہ دیکر مانگو (فاقسم علیہ بی)"[۵۱]

جس شخص کو ابراہیم ادہم اور اُن صوفیا کے ملفوظات کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اُس سے مخفی نہین کہ معروف کرخی کے ان مقولون کی معنوی شان ہی کچھہ اور ہے۔ اول الذکر کے تصوف سے ایک عملی نتیجہ مقصود ہے یعنی حصول نجات حالانکہ معروف کرخی کا تصوف ذوق حقیقت کی خبر دیتا ہے اور اخذ حقایق پر مشتمل ہے لیکن قبل ازان کہ تصوف کے اس تصور پر نظر انتقاد ڈالی جائے ہم ایک اجمالی نگاہ اسکے تاریخی نشو و نما پر ڈالنا چاہتے رہین۔

ابو سلیمان الدارانی (۲۱۵ھ) واسطی المولد ہجرت کرکے شام مین چلے آئے تھے اور موضع داریہ مین جو دمشق کے مغرب مین واقع ہے سکونت اختیار کرلی تھی۔ اُن کے بہت سے ملفوظات تصوف کے اسرار غوامض سے معمور رہین مثلاً۔

"کوئی شخص اس دنیا کی خواہشون پر بجز اوس شخص کے غالب نہین آتا جس کے قلب مین ایک نور ہے جسکی روشنی مین اوسے ہر وقت دوسری دنیا نظر آتی رہتی ہے"۔[۱۵]

"ممکن ہے کہ عارف جب سو رہا ہو تو باری تعالی اُسکے چہرے کے آگے سے حجاب راز اُٹھا دے اور وہ تجلی دکھادے جو نماز پڑھنے کی حالت مین بھی کسی کو نہین دکھائی جا سکتی"[۲۵]

جب عارفون کی چشم بصیرت کھلتی ہے تو اُن کے باصرہ پر پردہ پڑ جاتا ہے اور او نہین بجز جمال باری کے اور کچھہ نظر نہین آتا"[۳۵]

"اگر معرفت اارایت کا قصد کرتی تو جو کوئی اُس کے حسن و جمال اور سعادت و لطافت

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۔ اوس کے افعال عبادات ہین اور اوس کی نگاہ خدا کی طاقت اور قدرت کی باریکیون پر جمی رہتی ہے"۔ [۱۵] رسالہ قشیریہ۔ [۲۵] تذکرۃ الاولیا [۳۵] تذکرۃ الاولیا۔

[۴۵] تذکرۃ الاولیا۔

کو دیکھتا زندہ نہ رہتا اور ہر روشن چیز اوس کی تجلی کے مقابلہ میں سیاہ نظر آتی[1]"

"تکلم کے مقابلہ مین خموشی موزنت سے قریب تر ہے[2]"

"ادہر دل رو رہا ہے کہ ہاے مین کچھ کہو بیٹھا اودہر روح ہنس رہی ہے کہ مین نے کچھ پالیا[3]"

ذیل کی عبارت کا کامل اقتباس کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قدیم ترین نمونہ ہے اون عشقیہ تشبیہات کا جو آگے چل کر اہل تصوف سے کے اظہار خیالات کا ایک عام اور مقبول ذریعہ ہو گئین[4]

احمد بن ابی الحواری سے روایت ہے کہ ایک دن مین ابوسلیمان الدارانی کے پاس گیا دیکھا کہ رو رہے ہین مین نے رونے کی وجہ پوچھی۔ جواب دیا۔ اے احمد مین کیون نہ روؤن۔ جب رات آتی ہے آنکھین نیند کا نقاب اوڑھ لیتی ہین۔ ہر عاشق اپنی معشوقہ کے ساتھ تنہا ہوتا ہے عشاق کی رات آنکھون مین کٹتی ہے آنسوؤن کا تار اُن کے رخسارون پر بندہ جاتا ہے اور اُن سے کے حجرون کو تر کر دیتا ہے تو باری تعالی عرش پر سے دیکھتا ہے اور بآواز بلند کہتا ہے کہ اے جبرئیل میرے محبوب وہ ہین جو میرا کلام سنکر خوش ہوتے ہین اور میرے نام کی تحمید سے لذت روحانی حاصل کرتے ہین۔ مین اُنکی تنہائی مین اونکا ساتھ دے رہا ہون مین اُن کے نالہ شبگیر کو سن رہا ہون مین اون کو روتے ہوئے دیکھ رہا ہون۔ پس اے جبریل تو اُن کے ساتھ ملکر کیون نہین آہ وزاری کرتا لیکن یہ آہ و فغان یہ گریہ و بکا کیسا؟ کیا ایسا معشوق بھی کہین دیکھنے مین آیا ہے جو اپنے عاشق کو سزا دیتا ہو؟ کیا یہ میرے شایان شان ہے کہ اُن لوگون کو سزا دون جو رات کا پردہ گرتے کے ساتھ ہی میرے ساتھ اظہار تعشق و تملق کرتے ہین؟ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ جب وہ قیامت کے دن میرے سامنے آئین گے تو اپنے

---

[1] تذکرۃ الاولیا   [2] تذکرۃ الاولیا

[3] نفحات الانس   [4] تذکرۃ الاولیا۔

نورانی عارض پر سے نقاب الٹ ڈالوں گا تاکہ وہ مجھے دیکھیں اور میں اونہیں دیکھوں[۵۱]۔
بشر الحافی (المتوفی ۲۲۷ھ) جنھوں نے عارفین کو خاصان خدا کے لقب سے ملقب
کیا ہے[۵۲]۔ ہم ذوالنون مصری سے دوچار ہوتے ہیں (۲۴۵ھ)[۵۳] جنہیں فن تصوف کے
بانی سمجھے جانے کا استحقاق حاصل ہے۔ مشرق کے تمام تذکرہ نویسوں اور مورخوں
نے اس استحقاق کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے:
"ذوالنون اس فرقہ کا امام ہے۔ باقی سب اوس کے پیرو ہیں اور صوفیہ نے جو کچھ
سیکھا ہے اوس سے سیکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اوس سے پہلے بھی شیخ ہو
گزرے ہیں لیکن ذوالنون پہلا شخص ہے جس نے عبارت کو اشارت میں سمو دیا۔
اور سلوک کے عقدوں کو حل کیا۔" ابو المحاسن کا قول ہے کہ ذوالنون پہلا شخص تھا
جس نے مصر میں احوال اور مقامات اہل الولایۃ جیسے غوامض کا ذکر کیا۔ یہ بیانات
اگرچہ حرفاً حرفاً درست نہیں ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی ان کی تصدیق و توثیق ذوالنون
مصری کے ملفوظات سے ہوتی ہے۔ جو تذکرۃ الاولیا اور دوسرے معتبر تصانیف میں
محفوظ ہیں۔ جو مبسوط اور دلچسپ عقاید ذوالنون کے نام سے منسوب ہیں قلت گنجائش
اس مقام پر اون کی شرح کی اجازت نہیں دیتی۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ذوالنون
نے عارف اور معرفت کی جو تعریفات کی ہیں ایک فقط اونہیں سے تذکرۃ الاولیا
کے دو صفحے بھرے ہوئے ہیں۔ ذوالنون نے علم کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک
وہ جو بالاشتراک تمام مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہے۔ دوسری قسم علم کی وہ ہے جو فلاسفہ
اور متالہین سے مخصوص ہے۔ لیکن تیسری قسم یعنی واحد مطلق کی صفات کا علم
صرف اولیاء کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں (تذکرۃ
الاولیا) جب لوگوں نے ایک دفعہ ذوالنون سے پوچھا کہ تم نے خدا کو کس طرح جانا تو انھوں نے

[۵۱] تذکرۃ الاولیا [۵۲] تذکرۃ الاولیا [۵۳] ذوالنون کی وجہ تسمیہ کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۃ الاولیا۔

جواب دیا کہ عرفت ربی بربی یعنی مین نے اپنے خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پہچانا۔[1]
لیکن اس کے ساتھ ہی اُنہون نے یہ بھی اقرار کیا کہ اعرف الناس باللہ تعالی اشدھم تحیرًا
یعنی خدا کو سب سے زیادہ وہ شخص پہچانتا ہے جسکو خدا نے سب سے زیادہ تحیر مین ڈال
رکہا ہے[2]۔ اسی طرح اُنہون نے اس امر کی بھی تلقین کی کہ خدا کی سچی تسبیح وتحمید کا منشایہ ہے
کہ ذاکر معبود کے تصور مین ضم ہو جائے۔ چنانچہ اُن کا قول ہے کہ جو شخص خلوت
گزینی کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اپنے ابناے جنس سے الگ رکہتا ہے اوس شخص
کو نہین پہونچتا جو اپنے اور اپنے ابناے جنس کے درمیان خدا کا پردہ ڈالے رکہتا[3]
ہے۔ ذوالنون کا خدا ایک ایسی ہستی ہے جسکی تمام صفتین سلبی ہین۔ اُس کا قول ہے
کہ کل ماتقل بانی وہمک فاللہ بخلاف ذالک یعنی خدا کو تم جو کچہہ تصور کرسکتے ہے
ہو وہ بالکل اسکے خلاف ہے[4]۔ اس خیال کو کہ طریقہ تصوف صرف خواص کے لئے
ہے اُنہون نے بکرات ومرات ظاہر کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہین کہ توبۃ العوام اور توبۃ
الخواص کی حقیقت بالکل جدا جدا ہے (رسالہ قشیریہ) اور محبت الٰہی ایسا راز ہے جسے
زبان پر نہ لانا چاہیے تاکہ عوام کالانعام کے کان اس سے آشنا نہ ہو جائین (رسالہ قشیریہ)
شعراے متصوفین کے کلام مین شراب اور اس کے متعلقات کا استعمال مجاز اور
استعارہ کے طور پر عام ہے۔ اس استعمال کی قدیم ترین سندون مین ذوالنون کا
کلام پیش کیا جاسکتا ہے جو ایک مقام پر کہتے ہین کہ عشاق الٰہی کو شراب شوق
کا پیالہ دیا جاتا ہے (تذکرۃ الاولیا)۔ وجد اور سماع (تذکرۃ الاولیا۔ رسالہ قشیریہ) اور توحید
(رسالہ قشیریہ) کی سب سے پہلے تعریف ذوالنون ہی نے کی ہے۔

جو کچہہ کہ اوپر لکہا جاچکا ہے اوس سے میرے خیال مین یہ امر کافی طور سے ثابت
ہوتا ہے کہ فن تصوف کی مستقل تدوین وتشکیل ذوالنون مصری ہی نے کی۔ مسٹر

---

[1] رسالہ قشیریہ [2] رسالہ قشیریہ [3] رسالہ قشیریہ [4] رسالہ قشیریہ

ونفیلڈ کا یہ خیال کہ عقاید صوفیہ کو بالاستقلال بایزید بسطامی نے بدون وتنقل کیا صحیح نہین معلوم ہوتا۔[1] اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ جن تذکرہ نویسون نے ذوالنون کے سوانح قلمبند کئے ہین اون کے بیان کئے ہوے واقعات سے ان عقاید کے ماخذ کا سراغ بھی معلوم ہوتا ہے یا نہین۔

ابن خلکان (ترجمہ ڈی سلین جلد اوّل صفحہ ۲۹۱) اور جامی (نفحات الانس) کی روایت کے بموجب ذوالنون کا نام ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم یا الفیض بن ابراہیم تھا۔ ان کا باپ جو نوبیا یا اخمیم واقع مصر صعید کا باشندہ تھا پہلے قبیلہ قریش کا ایک غلام تھا جو بعد مین آزاد ہوگیا۔ ذوالنون کی عمر کا ابتدائی حصہ غالبًا حجاز مین گزرا کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنھون نے امام مالک بن انس کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا اور امام ممدوح کی تعلیقات سے موطا کا درس دیا۔ فن تصوف مین اُن کا اُستاد بقول ابن خلکان شقران العابد اور بہ روایت جامی اسرافیل نامی ایک مغربی صوفی تھا۔ ابن خلکان بیان کرتا ہے کہ ذوالنون علم وزہد اور حال وادب مین وحید العصر تھا۔ فلسفہ وحکمت مین ید طولی رکھتا تھا اور فصیح وشستہ عربی بولتا تھا۔ بلحاظ عقاید وہ ملامتی تھا یعنی اپنے زہد واتقا پر استحقار شرع کا پردہ ڈالے رکھتا تھا اور اکثر اہل مصر اوسے زندیق سمجھتے تھے لیکن مرنے کے بعد اُس کا نام زمرہ اولیا مین درج ہوگیا۔ (تذکرۃ الاولیا)

تذکرۃ الاولیا مین بہت سی حکایتین مندرج ہین جن مین بیان کیا گیا ہے کہ ذوالنون کے ہاتھ مین آکر کنکر پتھر جواہرات بن جاتے تھے۔ کتاب الفہرست مین اُن کا ذکر

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمہ مثنوی معنوی (صفحہ ۱۷) مترجمہ وملخصہ مسٹر ای۔ ایچ ونفیلڈ (طبع ثانی)۔ مسٹر ونفیلڈ کی تحریرات نے تصوف کے لٹریچر مین گرانقدر اضافہ کیا ہے اور مین نہایت خوشی سے اِس فائدہ کا اعتراف کرتا ہون جو مین نے ان تحریرات سے اوٹھایا ہے۔ فن تصوف کی ابتدا کے متعلق مین عام طور پر مسٹر ونفیلڈ کا ہمزبان ہون۔

اون فلاسفہ کے طبقہ مین کیا گیا ہے جو فن کیمیا مین مہارت رکھتے تھے ۔ (صفحہ ۳۵۴)
اور اس کے چند صفحہ بعد اس فن کے متعلق دو تصانیف اُن سے منسوب کی گئی ہین[5]۔ (کتاب الفہرست صفحہ ۳۵۸)۔ ابن القفطی نے تاریخ الحکما مین ذوالنون کا ذکر ذیل کے الفاظ مین کیا ہے جن سے اُن کی سیرت پر نمایان روشنی پڑتی ہے:-

"ذوالنون بن ابراہیم الاخمیمی المصری فن کیمیا مین دستگاہ رکھتا تھا اور اوسکا شمار اوسی طبقہ مین ہے جس سے جابر بن حیان کا تعلق ہے ۔ علم الباطن سے اوسے شغف تھا اور فلسفہ کی متعدد شاخون مین اُسنے مہارت تامہ بہم پہونچالی تھی ۔ وہ اخمیم کے ایک بربہ یعنی پرانے مندر کے کھنڈرون مین اکثر جایا کرتا تھا ۔ یہ مندر مصر قدیم کے بیوت الحکمۃ کی ایک بوسیدہ یادگار ہے اور عجیب و غریب اشکال و اصنام کا گھر ہے ۔ جو مومن کے ایمان و عبرت اور کافر کے کفر و ضلالت کی افزایش کا باعث ہین بیان کیا گیا ہے کہ اس مندر کے اسرار کا انکشاف اُس پر بطریق الولایۃ ہوا اور متعدد کرامتین بھی اوس سے صادر ہوئین ۔"

مسعودی جسکا انتقال ذوالنون سے کامل ایک صدی بعد ہوا اور جو پہلا مورخ ہی جس نے ذوالنون کے حالات بروایت مستند بیان کئے ہین خود چلکر اخمیم گیا تھا وہان کے لوگون کی زبانی جو حالات اوسے معلوم ہوے اونہین وہ حسب ذیل الفاظ مین بیان کرتا ہے:- "ابوالفیض ذوالنون المصری الاخمیمی ایک خلوت نشین راہب اور حکیم تھا جس نے ایک خاص طریقہ اختیار کر رکھا تھا اور مذہب مین بھی ایک مسلک خاص رکھتا تھا ۔ وہ اُن لوگون مین سے تھا جو ان برابی (ویران مندرون) کی تاریخی حالات شرح و بسط سے بیان کرتے ہین وہ ان کھنڈرون مین پھرا کرتا تھا

[5] اونہین طب مین بھی دخل تھا ۔ تین کتابین جو اس فن مین اون سے منسوب کی گئی ہین اس وقت موجود ہین ۔

اور جو شکلین اور کتبے ان پر منقوش تھے اُن کا بغور معائنہ کیا کرتا تھا" مسعودی نے مروج الذہب مین ان کتبون مین سے بعض کے تراجم درج کیے ہین جنہین ذوالنون نے حل کیا تھا۔

یہ بیان کہ ذوالنون مصر کے قدیم ویران مندرون کے کتبون کا بغور مطالعہ کیا کرتے تھے کسی قدر تصریح کا محتاج ہے۔ مسلمان مصر کو کیمیا۔ سحر اور علوم مخفی کا مخزن سمجھتے تھے ابن الندیم کتاب الفہرست مین لکھتا ہے کہ پہلا شخص جسنے فن کیمیا پر بحث کی ہرمز بابلی تھا جو آگے چل کر فرمانرواے مصر ہو گیا اور اہرام مصر مین سے ایک کے نیچے دفن ہوا۔ بعض دوسری رواۃ کا بیان ہے کہ ہرمز اُن سات کاہنون مین سے ایک تھا جو سات سیارون کے مندرون کے محافظ تھے۔ مسلمانون کے نزدیک ہرمز اور حضرت ادریس پیغمبر ایک ہی ہین۔ اور مصر کے جملہ علوم و فنون اور مذہب کا بانی ہرمز ہی سمجھا جاتا ہے۔ تاریخ الحکما مین لکھا ہے کہ ہرمز نے اہرام مصر اور مصر صعید مین برابی کی بنا ڈالی اور اُن پر جملہ صناعات و آلات کی شکلین اور علوم و فنون کے بیانات منقوش و مرتسم کیے تاکہ آیندہ نسلون کے لیے وہ محفوظ رہین اور زمانہ کی دست برد سے مٹ نہ جائین۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے آثار قدیمہ پر جو شکلین منقش ہین وہ اُن قدیم اور پر اسرار علوم کے خزائن کی کلید سمجھی جاتی تھین۔ جن کے حامل اہل بابل تھے یعنی کیمیا۔ نجوم۔ اور سحر۔ چنانچہ ابن خلدون نے بھی جو مسلمانون مین سب سے بڑا روشن خیال مورخ گزرا ہے یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ نہ صرف سحر کی واقعیت کا مدعی ہے بلکہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ مصر صعید کے ویران مندرون مین ابھی تک سحر کے آثار پائے جاتے ہین اور اسکے موجود ہونے کی کافی شہادت ان سے بہم پہونچ سکتی ہے (مقدمہ ابن خلدون) کتاب الفہرست مین اسکے متعلق حسب ذیل عبارت

مرقوم ہے: "مصر مین بعض قدیم عمارتین ہین جنہین برابی کہتے ہین - یہ عمارتین جنکی تعمیر مین بہت بڑے بڑے پتھر صرف ہوئے ہین مختلف شکل وصورت کی ہین اور ان مین دواؤن کے پگہلنے کوٹنے حل کرنے ترکیب دینے اور مقطر کرنے کے مقامات الگ الگ بنے ہوئے ہین جن سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ عمارات فن کیمیا کے عمل کے لیے بنائی گئین تہین - اس کے علاوہ ان مکانون مین کچھ شکلین اور کتبے کالدی اور مصری حروف مین پاے جاتے ہین جن کی ماہیت معلوم نہین ہوسکی - زمین دوز خزانے بھی دریافت ہوے ہین جہان یہ علوم فلیجان اور توز اور نیز سونے اور تانبے کے پترون اور پتھر کی تختیون پر لکھے ہوئے پائے گئے ہین ۔"

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ذوالنون کیمیاگر اور ساحر تھے ساتھ ہی ہمین یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ مین سحر اور کیمیا (کہ وہ بھی سحر ہی کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی) تصوف اور خرق عادت کے لوازم مین شمار ہوتے تھے یہ تلازم فلسفہ[۱] اشراقیہ جدیدہ کے پیروان زمانہ بعد مثلاً آئمبلیکس اور پراکلس مین نمایان طور سے نظر آتا ہے

[۱] چونکہ یہ اصطلاح اس مضمون مین بار بار آئے گی اور جب تک کہ اس کے معنی اچھی طرح سے سمجھ مین نہ آجائین اس مضمون کے ایک بڑے حصہ کا سمجھنا دشوار ہے اس لئے ہم ذیل مین اپنے اُن ناظرین کی آگاہی کے لئے جو فلسفہ اور علم کلام پر پورا عبور نہین رکھتے اس اصطلاح کی تشریح کئے دیتے ہین۔

ذہنیات اور موجودات خارجی مین باوجود مشائی اور اشراقی توجیہات کے جو عقلی تناقض مدتون سے چلا آتا تہا اوس کے رفع کرنے کی غرض سے حکما کے ایک گروہ نے جن کو اسکولسٹیسزم Scholasticsm یعنی مسیحی علم کلام کا بانی کہا جاسکتا ہے تیسری صدی عیسوی مین فلسفہ کا ایک نیا مذہب فلسفہ اشراقیہ جدیدہ کے نام سے اسکندریہ مین قایم کیا -

اور " ناسٹک " اور بدھا) اور صابی طریقوں کی تو ساری تاریخ اس سے بھری پڑی ہے
لیکن طریقۂ صوفیہ ساحری اور کیمیاگری کو اپنا لازمہ نہین قرار دیتا - تیسری صدی کے
صوفیہ کرام منصوفین تھے نہ کہ شعبدہ گر - سحر جسے قرآن نے باطل قرار دیا ہے
اون کے ہان بار نہ پاسکتا تھا - جو معجزے اون سے صادر ہوتے تھے وہ بمنزلہ کرامات
تھے جو بوجہ اون کے تقدس اور خالص ایمان بالغیب کے خود بخود ظاہر ہو جاتے تھے
(مقدمہ ابن خلدون) لیکن اس امر کا ثبوت بہم پہونچانا چندان مشکل نہین کہ خرق عادت
اور شعبدہ گری کے متعلق جو خیالات قدیم سے چلے آتے ہین اونہون نے صوفیت
پر بہت بڑا زبردست اثر ڈالا - چنانچہ امام جعفر صادق نے جن کے حالات تذکرۃ الاولیا

اس مذہب کا مقصد یہ تھا کہ عقل اور ایمان مین توافق پیدا کیا جاے - ہستی علی الاطلاق یعنی خدا کی
ذات کا تعقل چونکہ افلاطون کے کلیات عقلی کی وساطت سے ہونا محال تھا لہذا فلسفۂ اشراقیہ
جدیدہ کے بانیون نے مکاشفہ کے مسئلہ کو رواج دیا - اس مسئلہ کا مفہوم یہ ہے کہ ادراک کے اجزاے
عاقدہ و منعقدہ یعنی نفس ناطقہ اور شے مدرکہ باہم مخلوط و منضم ہو کر ایک ہو جائین اور اون مین کوئی
فرق نہ رہے - دوسرے لفظون مین اسکی تاویل یون کی جاسکتی ہے کہ انسان کی تمنا ہے کہ اسکو
علم مطلق حاصل ہو لیکن اس حصول کے لیے خارجی اشیا کا ادراک یا طریقۂ استدلال بیکار ہے علم مطلق
اسکو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ انجلاے نفس اور تزکیۂ باطن سے محسوسات اور موجودات خارجی
کو وہ اپنا پرتو بنا لے اور بیرونی اثرات سے یہان تک مستغنی ہو جاے کہ عالم اور معلوم ایک
ہو جائین اور اس طور پر سب چیزون کا ادراک مکاشفہ یا بصیرت سے ہو جاے - کثرت کے تصور
سے جو عقلی مشکلات فلاسفہ کو اکثر پیش آئی ہین اون سے بچنے کے لیے فلسفۂ اشراقیہ جدیدہ
کے پیرودن نے مسئلہ انفصال کو اصول ہمہ اوست کا سنگ بنیاد قرار دیا - اس مسئلہ سے مراد
یہ ہے کہ کائنات مرئی کے جملہ شواہد خالق علی الاطلاق سے ماخوذ اور اس کے مظاہر ہین -
ایڈیٹر

مین درج ہین ایک کتاب کیمیا اور جعفر ورمل پر لکھی۔ اون کے شاگرد مشہور و معروف کیمیا گر جابر بن حیان کو جو یورپ مین جبر کے نام سے مشہور ہے جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتا تھا جو ابن القفطی کے خیال کے مطابق عین تصوف ہے[۵۴]۔ صوفی اولیا کے سیر و سوانح سے اور زیادہ قوی شہادت بہم پہونچ سکتی ہے۔ ابراہیم ادہم کے حالات مین مذکور ہے کہ ایک دفعہ جب وہ جنگل مین سفر کر رہے تھے تو ایک شخص اونہین ملا جس نے اونہین اسم اعظم سکھایا۔ اور ادہم جب یہ نام زبان پر لاے تو اونہین حضرت خضر کی صورت نظر آگئی (رسالہ قشیریہ)۔ ذوالنون کی نسبت بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اونہین اسم اعظم معلوم تھا۔ اونکے ایک شاگرد یوسف بن الحسین (سنہ ۳۰۴ھ) نے چاہا تھا کہ یہ اسم آن سے سیکھہ لے لیکن استاد کی ایک آزمایش کے معیار مین پورا نہ اتر سکا (تذکرۃ الاولیا)۔ خاص خاص اسما اور کلمات کا معجزنما اثر خرق عادات کا دیباچہ ہے۔ معرفت کی حقیقت پر ایک قبطی تصنیف ہے جس مین اسم اعظم کی رمز کا ذکر کرتے ہوے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ وہ اسم ہے جسکی تائید سے سالک باقی تمام اسرار و رموز سے مستغنی ہوجاتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالنون اپنے عملیات مین افسون اور بخور سے بھی کام لیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب مین ذوالنون سے ملنے گیا تو دیکھا کہ سونے کا ایک کشکول اون کے سامنے رکھا ہوا ہے اور عود و عنبر کی دھونی اُٹھہ رہی ہے اور جب مین اندر داخل ہوا تو ذوالنون نے چین بہ جبین ہو کر کہا۔ کیا تو اون مین سے ہے۔

[۵۳] یہ محض عوام شیعہ کی لغویات ہین۔ ایڈیٹر

[۵۴] تاریخ الحکما صفحہ ۱۶۰۔ طبیعیات اور مذہب کا یہ امتزاج اوس متصوفانہ میلان کی مثال ہے جو ازمنہ وسطی مین یورپ کے صوفیون مین گھر کر گیا تھا۔ جابر بن حیان اور ذوالنون مصری کا رنیتس [illegible] اگرپا اور پیراسیلس کے اس بارہ مین پیش رو ہین۔

جو بادشاہون کے حضور مین اوس وقت حاضر ہوتے ہین جبکہ وہ حالت انبساط مین ہوتے ہین۔
غرض ذوالنون مصری راہب تھے حکیم تھے صاحب کرامات تھے قبطی النسل و نوبیای الاصل تھے اور نوین صدی مین عیسائی قبطیون مین رہتے تھے اور جیسا اُن کے موجودہ ملفوظات اور جامی کی شہادت سے ظاہر ہے تصوف کے ماخذ اعظم وہی ہین۔ اس مسئلہ پر کہ تصوف کی ابتدا کب اور کیونکر ہوئی بہت کچھ بحث کی گئی ہے اور مختلف و متضاد قیاسات اس کے متعلق قایم کیے گئے ہین اور یہ امر چندان تعجب خیز بھی نہین کیونکہ کسی نے اب تک اس مسئلہ کے تاریخی پہلو پر نظر نہین ڈالی[۲]۔ حالانکہ اس پہلو کو نظر انداز کر دینا اور عام واقعات و قیاسات سے استدلال کرنا میری راے مین کبھی سودمند نہین ہو سکتا اور نہ اوس سے کوئی صحیح اور مستقل نیتجہ مترتب ہو سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تصوف کے اصول ویدانت کے اصول سے ملتے جلتے ہین لیکن یہ عقدہ کہ آیا تصوف ویدانت سے ماخوذ ہے یا نہین اوس وقت تک حل نہین ہو سکتا جب تک کہ تاریخ سے مدد نہ لی جاے اسکا یہ طریقہ ہے کہ اول یہ دیکھا جاے کہ جب تصوف کی ابتدا ہوئی تو اسلامی تخیل پر ہندوستانی تخیل کیا اثر ڈال رہا تھا۔ دوسرے اس امر پر غور کیا جاے کہ تصوف کے نشو و نما کے متعلق جو

[۱] رسالہ قشیریہ۔ تذکرۃ الاولیا۔

[۲] البتہ جرمنی کے ڈاکٹر ہرکس اس سے مستثنیٰ ہین۔ جنہون نے ابوسلیمان الدارانی کے زمانہ تک اسلامی تصوف کے نشو و نما پر مورخانہ نظر ڈالتے ہوے یہ راے ظاہر کی ہے کہ ضرور ہے کہ مسلمانون کے متصوفانہ عقاید فلسفہ یونان سے ماخوذ ہون ڈاکٹر صاحب کی کتاب دیکھنے سے پہلے مین نے اس مسئلہ پر بطور خود نظر غایر ڈالی تھی اور جن نتایج کا استخراج اونہون نے کیا ہے وہی مین نے بھی مستنبط کیے تھے۔

واقعات مسلم و متحقق ہین وہ کہان تک اس کے ہندی الاصل ہونے کے موید ہین - اسی طرح اس قیاس کی نسبت کہ تصوف ایرانی دماغ کا ماحصل ہے اول یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ جن لوگون نے خاص خاص متصوفانہ عقاید کی اشاعت کی وہ ایرانی النسل تھے لیکن ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ امر ثابت نہین کیا جا سکتا - اس مین شک نہین کہ معروف کرخی ایرانی الاصل تھے لیکن تصوف کے اصول مختصہ کی تدوین اول اول ابو سلیمان الدارانی اور ذوالنون مصری اور ان کے جانشینون نے کی اور یہ وہ لوگ تھے جن کی عمرین شام اور مصر مین گزرین اور جن کی رگون مین ایرانی خون کا ایک قطرہ بھی نہین تھا -

فلسفہ اشراقیہ جدید اور تصوف مین جو حیرت انگیز مطابقت پائی جاتی ہے (اور یہ وہ مطابقت ہے جو تصوف اور ویدانت کے تطابق باہمی سے بھی زیادہ اشبہ اور اقرب ہے) بجاے خود اس امر کی دلیل نہین ہے کہ ایک مذہب دوسرے مذہب سے ماخوذ ہے لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ فلسفہ اشراقیہ جدید کا تصوف کے ساتھ تاریخی رشتہ ضرور ہے اور مین اپنے اس یقین کے بعض وجوہ ذیل مین قلمبند کرتا ہون -

تذکرۃ الاولیا اور دوسرے تصانیف کے مطالعہ سے یہ صریحی نتیجہ نکلتا ہے کہ تصوف کا وہ پہلو جسکا مقصود بجاے زہد و رضا کے معرفت ذات باری ہے ترقی کر کے ۱۹۰ھ اور ۲۶۰ھ کے درمیان کے پچاس سال مین منتہاے کمال کو پہونچ چکا تھا - اس الف صدی مین جو مامون معتصم واثق اور متوکل کا زمانہ ہے دیکھنا یہ ہے کہ مغربی ایشیا پر یونانی تخیل نے عموماً اور فلسفہ اشراقیہ جدید نے خصوصاً کیا اثر ڈالا -

اس زمانہ مین مسلمانون پر یونانی تہذیب کا پرتو جس طرح سے پڑا اوس کا اعادہ

تحصیل حاصل ہے۔ ہر وہ شخص جس نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے جانتا ہے کہ
یونانی علوم وفنون کی ندی جوان دنون چڑھی ہوئی تھی سرزمین عراق کی طرف تین
سمت سے موجین مارتی ہوئی بڑہی۔ شام کی مسیحی خانقاہون سے۔ خوزستان کے
ایرانی دارالعلم واقع جندی سابور سے اور مسوپوٹیمیا کے مشہور مرکز علم حران سے
جو شامی بت پرستون یعنی صابیون کا گھر تھا۔ فلاسفہ واطبا و علماے یونان کی
کثیرالتعداد تصانیف کا عربی مین ترجمہ ہوا جنھین لوگون نے ذوق وشوق سے
پڑہا اور یہی تراجم جدید اکتشافات کی بنا قرار پائے۔ غرض اسلامی علوم وفنون اور
فلسفہ کا سنگ بنیاد حکمت یونان ہے۔

اسلامی فلسفہ کی مجلس کا صدر فلاطون نہین ہے بلکہ ارسطو ہے لیکن عربون
کو اصول مشائیہ اول اوّل اشراقیئن جدید کی شرحون کے ذریعہ سے معلوم ہوئے
اور جن فلاسفہ کا رنگ اسلامی فلسفہ مین صاف نظر آرہا ہے وہ پلاٹینس۔ فرفوریوس
اور پراکلس ہین۔ "کتاب الہیات ارسطو" جو نام کو ارسطو سے منسوب کی جاتی ہے
اور جس کا ترجمہ بروایت ڈائٹرسی ۸۴۰ء مین بزبان عربی ہوا حقیقت مین فلسفہ
اشراقیہ جدید کا ایک دستورالعمل ہے۔ بہرحال ہمارا مقصد یہان اس امر کا اظہار ہی
کہ فلسفہ اشراقیہ جدیدہ کے عقاید نوین صدی عیسوی کے نصف اول مین عام
طورپر سے شایع ہو چکے تھے اور ہر تعلیم یافتہ مسلمان کی دسترس کے اندر تھے۔
اور یہ وہ سرزمینین تھین جو کئی صدیون سے تصوف اور ہمہ اوست کے مسلک کا
گھر بنی ہوئی تھیں۔ اور اشراقیئن جدید پیروان طریقہ اوریہ اور مسیحی ملاحدہ کا ملجا
وماوا تھین۔ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز پر چند تصانیف جو اب تک کنج خمول مین
پڑی ہوئی تھین یک بیک دنیا کے سامنے اس ادعا کے ساتھ پیش کی گئین کہ انکا
مصنف یونان کی مشہور علمی وسیاسی مجلس ایریوپیگس کا رکن ڈایونیسیس ہے

جو سینٹ پال کی تلقین سے مشرف بہ مسیحیت ہوا تھا۔ عام طور پر ان تصنیفات کے متعلق یہ خیال کیا گیا ہے کہ ان منسوبات کا اصلی زمانہ تصنیف یہی زمانہ تھا اور کسی شامی راہب نے جو غالباً پر اکلس سے نسبت تلمذ رکھتا تھا انہیں تصنیف کیا ہوگا۔ اس قیاس کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اگرچہ اہل مشرق نے ان تصانیف کا خیر مقدم عام طور پر نہایت اشتیاق سے کیا لیکن دنیا کے سامنے ان کے پیش کرنے والے اور ان کی تائید و توثیق میں خصوصیت کے ساتھ اظہار جوش و خلوص کرنے والے اہل شام ہی تھے۔ ڈائنیسیس کی ان منسوبات کے حقیقی مصنف نے اپنے استاد کا نام ہیروتھیوس بتایا ہے اور فرا تھنگم ثابت کرتا ہے کہ ہیروتھیوس اور اسٹیفن بارسوڈیلی جو مشرقی شام کا ایک سربرآوردہ صوفی اور یعقوب سروجی (۵۲۱-۴۵۱ء) کا معاصر تھا دو جدا جدا شخص نہ تھے بلکہ ایک ہی تھے۔ اس اسٹیفن کی دو تصانیف یعنی "عشقیہ مناجات" اور "مبادی الہیات" کے بعض اجزا جعلی ڈائونیسیس کے مکتوبات میں بجنسہ محفوظ ہیں اور ایک مکمل تصنیف موسوم بہ "مکتوبات ہیروتھیوس دربارہ اسرار و غوامض ربوبیت" کا ایک عجیب و غریب قلمی نسخہ ہم تک پہونچا ہے جو اس وقت برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ منسوبات ڈائونیسیس کا اصلی و حقیقی ماخذ کیا ہے۔ ان تصانیف کا ترجمہ لاطینی میں جان اسکوٹس ایریجینا نے کیا جو قرون وسطی میں مغربی تصوف کی بنا قرار پایا۔ مشرقی دنیا میں بھی ان کا اثر کچھ کم ہمہ گیر نہ تھا۔ چنانچہ ان کے نمودار ہوتے ہی ان کا ترجمہ شامی زبان میں ہوگیا اور جو اصول و عقاید ان میں درج تھے وہ اہل ذوق کے نوک زبان ہوگئے جیسا ان کثیر التعداد شرحوں اور حاشیوں سے ثابت ہوتا ہے جو شامی مصنفین نے ان پر قلمبند کیے۔ عزیزہ ہے کہ ان مباحث کا چرچا نویں صدی عیسوی میں ہوا ہو کیونکہ ان قلمی نسخوں کا یہی زمانہ ہے جو ستھوپلس (واقع فلسطین) سے اڈیسا کو

پھیج گئے۔ سنہ ۸۰۰ء کے قریب نوبت یہان تک پہونچ گئی تھی کہ کنارآب دجلہ سے لے کرتا بہ ساحل اوقیانوس کوئی علم دوست شخص ایسا نہ تھا جو ڈایونیسیس کی تحریرات کو مزے لے لے کر نہ پڑھتا ہو۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فلسفہ اشراقیہ جدیدہ کے معارف سے مسلمانون کو لٹریچر ہی نے روشناس کرایا۔ بیشتر بیان کیا جاچکا ہے کہ شہر حران واقع مسوپوٹیمیا منجملہ اون سترائین کے تھا جن کے ذریعہ سے حکمت یونان کا خون اسلام کے بدن مین داخل ہوا۔ اس شہر مین ایک خاص قوم کے لوگ آباد تھے جو حقیقت مین تو شامی بت پرست تھے لیکن نوین صدی عیسوی کے آغاز کے قریب اپنے آپ کو صابی کہنے لگے تھے۔ تاکہ خلیفہ المامون کی ایذا رسانی سے محفوظ رہین جو بوجہ اون کے شرک وبت پرستی کے اون کے درپئے آزار ہوگیا تھا۔ اس قوم کے بہت سے لوگون نے تو اسلام باحسیاست قبول کرلی لیکن اون کا جزو غالب اپنے قدیم مشرکانہ عقاید پر جما رہا اور ان مین سے جو تعلیم یافتہ تھے وہ سب اوس مذہبی فلسفہ کا اتباع کرتے رہے جو شہرستانی اور دوسرے مسلمان مصنفین کی راے مین پراکلس اور آئمبلیکس کا جدید اشراقی مسلک ہے اور بس۔ اگرچہ صابی جماعت جس نے بڑے بڑے فضلا حکما اور علما پیدا کیے ہین بغداد مین نوین صدی عیسوی کے خاتمہ سے پہلے آباد نہین ہونے پائی تھی لیکن اس مین ذرا شک نہین کہ صابی اور مسلمان حکما مین تبادلہ خیالات بہت پہلے سے شروع ہوچکا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ مسلمانون کی جہان کہین یونانی تمدن سے مٹ بھیڑ ہوئی اونہون نے فلسفہ اشراقیہ جدیدہ کی مذہب آلودہ حکمت کو اپنے حوالی مین ساری ودایر پایا۔

یونانی تمدن نے جن سرزمینون مین اپنے قدم مضبوطی اور استحکام سے جما ے تھے وہ مصر اور شام تھین۔ اور یہ وہ ممالک ہین جہان اولی اول اسلامی تصوف

کا اُٹھان ہوا جس شخص نے تصوف کے اس نشو ونما مین سب سے بڑا حصہ لیا
وہ ایک فیلسوف اور کیمیاگر بیان کیا جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر وہ حکمت یونان کی خرمن کا
خوشہ چین تھا۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن خیالات کا اظہار اوس نے کیا ہے وہ
او نہین خیالات کا عکس ہین جو ڈایونیسیس کی تصانیف مین پاے جاتے ہین تو اس
نتیجہ کے بدیہی ہونے مین کلام نہین رہتا کہ فلسفہ اشراقیہ جدید اور تصوف مین ایک
گہرا تاریخی تعلق ہے۔ جو واقعات کہ اوپر بیان کیے جاچکے ہین اون سے سوا ے
اسکے اور کوئی نتیجہ مترتب ہو ہی نہین سکتا۔ مین ڈاکٹر مرکس کا ہمصفیر ہو کر یہ تو نہ
کہون گا کہ صوفیہ کے عقاید کا سراغ حرفاً حرفاً ڈایونیسیس کی تصانیف مین مل سکتا ہی
لیکن اس سے مجھے انکار نہین کہ اسلامی تصوف زیادہ تر یونانی حکمت نظری کا ماحصل
ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس ابتدائی زمانہ مین بھی نظام تصوف مطلقاً اور خالصاً یونانی
نہ تھا۔ کیونکہ چھ صدیون کے مرور نے خود فلسفہ اشراقیہ جدید مین بعض خارجی اجزا
ملا دئے تھے یہان اس کا موقع نہین ہے کہ ۸۶۰ء سے قبل کے تصوف مین
جو یونانی اور غیر یونانی عناصر شریک تھے اونکا تجزیہ کیا جاے البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے
کہ معروف کرخی جن کی نسبت ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ کان ابواہ من اعمال واسط
من الصابئۃ (اوس کے والدین صابی تھے اور ضلع واسط کے رہنے والے تھے) غالباً
منڈائی تھے منڈائیون کو جو قرآن مجید مین صابئین کے نام سے یاد کئے گئے ہین
مسلمان بوجہ اون کی کثرت شست و شو کے المغتسلہ کہتے تھے۔ یہ لوگ اوس
مرطوب علاقہ مین رہتے تھے جو واسط اور بصرہ کے درمیان واقع ہے اون کی
مورث اعلے کا نام المسیح تھا اور جیسا کہ اون کے نام سے ظاہر ہے وہ ایک قدیم
قوم کی یادگار تھے جس کا مذہب ورنا سٹک یہ (اور یہ) تھا۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے
یہ فرض کر بھی لیا جاسکے کہ معروف کرخی خود منڈائی نہ تھے تو اس مین تو کلام نہین کہ

وہ ان صابۃ البطایح کے اصول و عقاید سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ معروف کے ملفوظات سے ہے کہ "چشم فرو خوابانید اگر ہمہ از نرسے بود و مادہ"[1] (تذکرۃ الاولیا)

یہ قول مندائیوں یا المسیحائیوں کے اس عقیدہ کا پتہ دیتا ہے کہ "ان الکونین ذکر و انثیٰ" (کتاب الفہرست)[2] ابو المحاسن کے قول کے موافق ابو سلیمان الدارانی بھی واسط کے رہنے والے تھے۔ اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ ذوالنون کی نظروں میں مسئلہ معرفت کی بہت بڑی وقعت تھی۔ ابراہیم ادہم کے قول کے مطابق انسان کو درجہ زہد پر فایز ہونے کے لیے چھ عقبات کا طے کرنا لازمی ہے[3]۔ وہ ان سات پھاٹکوں کے مشابہ ہیں جن میں سے ہر ایک پر یونانی روایت کے بموجب ایک سنتری کا پہرہ ہے اور جو روح کو نجات کے مقدس رستہ میں ملتے ہیں اور صرف اس شخص کے لیے کھولے جاتے ہیں جو علم باطن کا جاننے والا ہو۔ آگے چلکر ان سنتریوں کے نام شہوت حسد اور اسی قسم کے دوسرے جذبات سیئہ رکھ دیے گئے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ "ناسٹزم" (عقاید ادریہ) نے موسویت مسیحیت اور ساتھ ہی یونانی حکمت سے اثر پذیر ہو کر تصوف کی بنا میں حصہ لیا۔ اور ان دونوں طریقوں میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ اگر اس بارہ میں مزید تحقیقات کی جائیگی تو بہت سی نئی نئی باتیں معلوم ہونگی اتنا البتہ یقینی ہے کہ جس تاریخی مرزبوم میں

---

[1] معروف کی بظاہر اس مقولہ سے یہ مراد ہے کہ اگرچہ عالم ظاہری ثنوی ہے یعنی اس میں دوئی پائی جاتی ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ثنویت کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اور وحدت مطلق ہی سے لو لگائیں۔ الفاظ نر و مادہ کا اشارہ اس فرقہ کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اہل بابل کے مذہب میں جو غالباً "ناسٹزم" (مسلک ادریہ) کا ماخذ ہے ہر دیوتا کے لیے ایک مادہ ایک دیوی کا ہونا ضرور ہے۔ مثلاً انو دیوتا کی دیوی انا تو ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

[2] [illegible]

[3] رسالہ قشیریہ۔ و تذکرۃ الاولیا

اسلامی تصوف نے جنم لیا اُس سے اسکا ہندی یا ایرانی الاصل ہونا نہیں پایا جاتا بلکہ یہیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ یونانی تخیل اور مشرقی مذہب خصوصاً فلسفہ اشراقیہ جدید مسیحیت اور عقاید اور یہ کے باہمی میل کا نتیجہ ہے ممکن ہے کہ ان میں سے کم از کم دو مسالک پر ایرانی اور ہندی تخیل کا اثر پڑا ہو لیکن یہ ایک دقیق عقدہ ہے جو ابھی حل نہیں ہوا اور شاید کبھی بھی حل نہ ہو - ہندی تخیل کا اسلامی تصوف پر براہ راست جو اثر پڑا اگرچہ اُسکو اہم ہونے میں کلام نہیں لیکن تاریخی لحاظ سے اس اثر کو یونانی اور شامی اثرات سے موخر اور ان کا تابع سمجھنا چاہیئے - (باقی آئندہ)

ایڈیٹر

غزل

تو ہے آفریدہ بے طرب مری غم سے چشم کو تر نہ کر
مری خستگی سے حزیں نہ ہو مری بیکسی پہ نظر نہ کر

نہ اُٹھا ای خروش سحر کبھی غم نیم شب تو اثر نہ کر
ہو دل اُس کا نازک و بیخبر اُسی میری دل کی خبر نہ کر

ہوس وصال! بلا ہے تو - تری کاوشوں نے ستم کیا
تو نہال گلشن یاس ہی عبث آرزو سے ثمر نہ کر

ہے یہی خلش مری زندگی - کہیں مٹ نہ جائے یہ چارہ گر
مری زیست کا جو خیال ہے تو علاج زخم جگر نہ کر

نہیں پاشمائی عاشقاں بجز اک نظر کا معاملہ
ترے اختیار کی بات ہی - جو کرے یہ کام - مگر نہ کر

ہے تغافل ایک ادا وے یہ سکھایا کس نے بھلا تجھے
کہ کسی ستم کش شوق پہ کبھی بھول کر بھی نظر نہ کر

خلش امید بھی ہے ستم کو ئی کہہ دے وحشت خستہ سے
کہ یہ شام شام فراق ہے عبث آرزوئے سحر نہ کر

کلکتہ

رضا علی وحشت

سید محمود آزاد

(۲)

اس مضمون کا ایک ٹکڑا جو رودموسلی کی طغیانی مین ندرسیل بلا ہونے سے بچ رہا تھا پچھلے نمبر (جلد دوم سلسلہ جدیدہ نمبر ۱۲) مین شایع ہوا تھا - باقی حصہ مولانا وحشت نے اپنے مسودہ سے نکر نقل کرکے بھیجا ہے جو اس دفعہ درج کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر

غالب کی غزل اس زمین مین دھوم دھام کی ہے - کہتا ہے ؎

مژدۂ صبح درین تیرہ شبانم دادند — شمع کشتند وز خورشید نشانم دادند
رخ کشودند و لب ہرزہ سرایم بستند — دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

حکیم مومن خان کا مطلع بھی نہایت پاکیزہ ہے ؎

دل ربودند وز دلدار نشانم دادند — آنچہ بردند ز من بہتر از انم دادند

بارقیب است بہر سو نگران می آید — تا فریبد کہ ز اغیار نہان می آید
یک نگہ باعث صد یاس و ہزاران امید — ہرچہ گوئید ازین فتنہ گران می آید
بگذر از جور و ازین حال دل درد نخم ورباب — کز توام حرف شکایت بزبان می آید
یارب آن وعدہ فراموش فراموش کند — غمزہ را کہ بکار دگران می آید
آتش رشک زدہ شعلہ بجان آزاد — این چہ حرف است کہ آن جان جہان می آید

دل آسودہ زہر عیش نشانے دارد — ہر کرا خاطر جمعیت جہانے دارد

بہ پیامے نگر امید و سلامے ننواخت — آنکہ صد نامہ بعنوان وفش انشا کردیم
ہر غلط فہمی ما حیف کہ از مزرع دہر — جز زیان ہیچ نبود آنچہ تمنا کردیم
می زند مردم چشم از فرہاد ست بسر — تا بحسرتگہ گیتی چہ تماشا کردیم!

زیاں خستہ دلیہائے بیقراران بین — بمرگ خویش بحسرت امیدواران بین

ہجوم ابرِ سیاہ و وفور باران ہین — عروج نشۂ اقبال بادہ خواران مین!
ہمہ شہر نغمہ بر لب منعم بدلے و آہے — کہ نمی برد بیکدل بہزار سعی راہے

مثنوی منتہی الافکار

یہ مثنوی نو بحرین خوب کہی ہے۔ حمد سے یون ابتدا ہوتی ہے ؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم — غازۂ رخسارۂ حسن قدیم
اے شرف افزاے تن از جانِ پاک — مایہ ہستی دہِ قالب زخاک

مقطعات

کسی اخبار مین ایک قصیدہ نظر پڑا تھا جس کی فارسی کی حضرت آزاد نے یون ہنسی اُڑائی ہے

قصیدۂ نظر افروز شد در اخبارے — ز تازگی دہِ اندازِ فارسی دانی
زہے قصیدہ کہ ہر لفظ او بود ضامن — برائے خندہ بسانِ شرابِ ریحانی
زہے قصیدہ کہ خاصیت دوالمسک — کند سواد حروفش بہ طبع ارزانی
زہے قصیدۂ رنگین کہ زعفران زارے — بزیرِ دامنِ ہر حرف اوست پنہانی
زہے قصیدہ کہ از خندہ آفرینی او — بحال ہند زند خندہ مدح سلطانی
زہے قصیدہ کہ از رشک شوخیٔ طرزش — زہند کردہ سفر فارسیٔ ایرانی
زہے قصیدہ کہ در فہم را تحیرہا ست — کہ پشتو است و یا ترکی یا کہ یونانی
زہے قصیدہ کہ از ہند میکند ہجرت — زرعب شوکتِ الفاظ او سخندانی
زہے قصیدہ کہ از شرم حسن بندشِ آن — بروفگندہ فصاحت نقاب حیرانی
زہے قصیدہ کہ از خجالتش بلاغت ہم — نواخت کوس رحیل از زمانہ فانی

زہے قصیدۂ اعجوبہ کہ داد نشان — زبان فارسی اندر لباس ملتانی

نگاہ شاکر احسان آن سخن فہم است — کہ شد اشاعت آن سر قصیدہ را بانی

فزود رونق اخبار خود ز تحریرش — زہے سلیقۂ گفتار فارسی دانی

اگر تمیز سخن این بود زبان دانان — غلط کنندہ دری را بحرف جاپانی

پس از مطالعہ مضمون آن قصیدہ چو کرد — بحسب دامن اندیشہ گوہر افشانی

بحال وجد نشان داد وش با آزادے — کہ قدر و قیمت این نظم را تو میدانی

گزین نتیجۂ خواب سخنوریست کہ ہست — خیال او سبب نازش سخندانی

سخندہ گفت کہ رہ رہے بگو بیت بشنو — خموش باش و مزن لافہائے طولانی

بدان نتیجۂ خوابی کہ این قصیدہ بود — بود ہر آئینہ از خوابہائے شیطانی

دیوان ظہیر فاریابی بار اول بہت غلط چھپا تھا۔ اور شاید اور کسی کی غزلین بھی ظہیر کے نام سے ملحق کر دی گئی تھین۔ حضرت آزاد نے ذیل کے قطعہ مین جو خود ظہیر فاریابی کی زمین مین ہے اہل مطبع کی خوب خبر لی ہے ؎

سرود وی غزلے مطربے بنام ظہیر — شنیدہ دم چو شدم محرم سرای سرور

عیان ز مطلع او سقم جملہ اشعارش — چو حالت سنوات از تاثر باحور

بگفتمش ز کجا کردی این غزل را یاد — بمن نشان بدہ ای عور از لباس شعور

جواب داد ز دیوان اوستاد ظہیر — کہ فاریاب از و گشتہ در جہان مشہور

بکانپور کنون این شگرف نسخۂ نغز — بیافت رونق طبع و بدہر شد مشہور

ہمان نفس طلبیدم کہ بینمش تا چیست — کہ بود دیدن آن نسخۂ غریب ضرور

چو در مطالعہ آمد تحیرے رو داد — زبسکہ بود غزلہائے او فصاحت دور

ورائے مستی الفاظ و عیب بندش و وزن — ز حشو و لغو ز سر تا بپا ہمہ معمور

خموش ماندم و بر نقص امتیاز جہان — دلم بسوخت کہ شد دیدۂ بصیرت کور

بروز بعد بخلوت سرای تنهائی | شنیده دم چو زدم آستین شمع شعور
ظهیر گریه کنان پیش من بخواب آمد | بخاطری همه از شکوهٔ جفا معمور
ز درد دل بصد اندوه برکشید آهی | که خورد شیشهٔ ناموس من بسنگ فتور
منم که قوت تحریر کلک توصیفم | گهر ز تاج قزل ارسلان گرفت بزور
منم که سطوت شمشیر خامهٔ هجوم | همی شگافت جگرگاه قیصر و فغفور
هزار حیف که دیوان جاهلی اینک | شده است طبع بنامم بدهر شد مشهور
کشیدمی به هجا انتقام این بیداد | اگر ز موت نمی بودم این زمان مجبور
چو این بگفت بپاس حقوق گفتارش | دلم بسوخت بر افغان و آه آن مغفور
زبان بحرف تسلیتش آشنا کردم | «که ای فصاحت تقدیر زبدهٔ مقدور»
چه جای این همه رنج است و غم زین حال | مباش غمزده زود آنکه می شوی مسرور
بجای شعر تو اصلاح این غلط فهمی | که از اهل مطبع بی فهم یافت است ظهور
بطرز تازه رقم می زنم بصفحهٔ هیچ | روان از قلم حق گزار چند سطور
چو این شنید دعا کرد و رخصت از من خواست | برفت و شد بسرا پردهٔ خفا مستور
همین که باشدم از خواب گفتم این قطعه | که پاس وعدهٔ خود بهر آدمی است ضرور

رباعیات

دلخسته و مغموم و تباه آمده ایم | با قافلهٔ ناله و آه آمده ایم
ما بر در تو ای شه انصاف پسند | از دست زمانه دادخواه آمده ایم

دل خون شد و جان بلب رسید امشب | لخت جگر از دیده چکیده است امشب
از حال درون چه بطرازم ای وای | چشمم آنچه نه دیده بود دیده است امشب

آن مسکن شادی و غم و کینه نماند | و آن مونس و غمگسار دیرینه نماند

لہ اودھ پنچ مراد ہے

از بسکہ گداخت از آتش سوز فراق
فریاد دلے کہ بود در سینہ نماند

ہوش از سر من سر پریدن دارد
تسکین ز دل اندازہ رمیدن دارد

از لخت جگر گلیست بر ہر مژہ
امروز بہار دیدہ دیدن دارد

از کلام ریختہ

مبارک ہو امید مغفرت کو ناز استغنا
پناہ دو جہان ہو اک سہارا تیری چھت کا

بجائے رشحہ کلک اشک خونین صفحہ آرا ہی
کہ دل ہو درد ہی اندیشہ خون گشتہ طاقت کا

الٰہی کیون نہ ماتم دار ہو شوق ثنا خوانی
کہ شہرہ نا کسی خون کیا ہی دل کی جرات کا

دیکھتے دیکھتے اک خون کا دریا نکلا!
چشمہ چشم کو کیا سمجھے تھے اور کیا نکلا

آج وہ شام سی پہلے ہی گئی غیر کے گھر
اب دعائے سحری حوصلہ تیرا نکلا؟

بیخودی شوق کی اور عرض تمنا اُنسے
نہین معلوم کہ منہ سی مرے کیا کیا نکلا

جانتے تھی اُسے اُستاد قصیدے ہی کا ہم
یہ غزل سنکے بھی آزاد غضب کا نکلا

ڈھونڈتی رہتی ہی ہر لحظہ نظر جلوہ ترا
چھپ گیا آنکھون کی آگے سے کدھر جلوہ ترا

بسکہ رکھتا ہی مسرت کا اثر جلوہ ترا
عید نظارہ ہی اے رشک قمر جلوہ ترا

یہ اشعار ایک ذو بحرین غزل کے ہین

کام لینا ہے ابھی دیدہ تر سے کیا کیا
نظر آتا ہے مجھے تیری نظر سے کیا کیا

ہوئی وحشت کو بھی وحشت مری غمخانی مین
بھاگ گئی ہی ڈر کے خرابی مری گھر سی کیا کیا

گفتگو تیرے تصور مین رہا کرتی ہے
تیرے مشتاق ہین اور باد سحر سے کیا کیا

داغ حرمان کی سوا خاک بھی حاصل نہ ہوا
دل کو اُمید تھی اُس رشک قمر سی کیا کیا

خوب اسوقت مین ہی بے ہنری اے آزاد
ہمکو پہنچا ہے ضرر اپنی ہنر سے کیا کیا

اُس حیا پرور کا پاس نزاکت دم وصال!
اے جوش اشتیاق تو چھو کا ہی چال کب

جوشِ الم سے مرثیہ خوان اپنے دل کا ہے
آزاد کو ہے شعر و سخن کا خیال کب

کس نے کہا کہ آتے ہین دشمن کے گھر سے آپ
اپنی نظر ملاتے ہین تو میری نظر سے آپ

کیا تیرا شکوہ جرمِ محبت وہ ہے کہ ہم
مانند اشک گر پڑے اپنی نظر سے آپ

چاہین امیدوار کرین چاہین نا امید
کیا کام ہے کہ لے نہین سکتی نظر سے آپ

کس نے کہا کہ مائلِ اغیار آپ ہین
دشمن کا شکوہ کرتے ہین کیون پیشتر سے آپ

امید قدر کیا ہو خریدار سے بھلا
شرمندہ ہم ہین اپنے متاعِ ہنر سے آپ

انکار سے بُرا ہے یہ اقرار وصل کا
گویا کہ ٹالتے ہین بلا اپنے سر سے آپ

آجاتے ہین میکدے مین جو واعظ تو سیر ہو
منبر پہ ہین دھرے ہوئے کس کر و فر سے آپ

اخیر شعر مین "دھرے ہوئے" کیا پھڑکتا ہوا فقرہ ہے۔

ہم اور اخفائے غمِ عشق یہ اپنی بے تابی
آپ اور پردہ دری سینے مین پنہان ہوکر

شیوۂ پرسشِ احباب ستم ہے ہمکو
کیا کہین لے کے کس شوخ کا غم ہے ہمکو

کارفرمائی شوق آہ نہ پوچھ اے ہمدم
بارِ دوشِ دل و جان سینے مین دم ہے ہمکو

مطلع نہایت پُر درد ہے۔ غالب کی زمین مین ایسے شعر نکالنے آسان نہ تھے۔

اجل کا دامنِ شفقت بھی ہو گیا کوتاہ
جگہ نہین ترے مظلوم کو امان کے لئے

یہ لاجواب شعر حاصل زمین ہے۔

رباعیات

سو یاس ہو پر مجسّم امید ہین ہم
سو رنج ہو پر عشرتِ جاوید ہین ہم
تاج و علم و نگین سے مطلب آزاد
جب جام لیا ہاتھ مین جمشید ہین ہم

افسوس کہ دو جہان سے کھویا تو نے
دریائے مصیبت مین ڈبویا تو نے
اے خانہ خراب دل برا ہو تیرا
دشمن سمجھا تھا ہم کو گویا تو نے

مولانا آزاد کا انتقال سالِ گذشتہ مین ہوا۔ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
ان کے معاصرین مین مولوی عبدالحلیم عاصم مرحوم جو ان کے ہمسبق بھی تھے نہایت
اعلیٰ درجے کے سخنور گزرے ہین اور مولوی عبدالغفور خان بہادر نساؔخ مرحوم تو
ان کے عزیز ہی تھے۔

کلکتہ　　　　رضا علی وحشت

۵/نومبر ۱۹۰۸ء

بیکاری کے چند گھنٹے

نتوان زگفتگو بہ حقیقت رسید لیک　　　　افسانہ زگوہر نایاب سفتنی است

علمائے طبعیات کا مشہور مقولہ ہے کہ "خلا محال ہے" جس پر علاوہ برہان
کے مشاہدہ کی شہادت بھی گذر چکی ہے۔ اور ثبوت مین یہ مثال عموماً استعمال
کی جاتی ہے کہ ایک برتن لیکر پانی پر اوندھا دو۔ پانی اُس مین نہ داخل ہوگا تاوقتیکہ
اُس کی ہوا نکل نہ جائے۔ لہذا تمھین ہوا کے نکلنے کا راستہ دینا ہوگا۔ اس کے
ہمتعاد پر قدما و متاخرین کے اسلوبِ استدلال مین اختلاف ہے، ورنہ درحقیقت ایک
ہی نغمہ ہے جو مختلف سازون سے ادا ہوتا ہے۔ کارخانہ مادیات مین اس کی جانچ
پرتال اکثر ہوتی رہی ہے، بعینہ یہی حالت معنویات کی بھی ہے، یعنے معنوی
ظرف (فکر یا عقل) کا خلا بھی عنصر خیال سے محال ہے، عنقائے تصور (یاقوت
متخیلہ) کو کوئی وقت ایسا نہین ہوتا کہ تخیلات کے بیرون مصروفِ پرواز نہ رہتا ہو۔
البتہ انتقال ذہنی خیالات مین تنوّع پیدا کرتا رہتا ہے، ان خیالات کے سلسلہ کی
کڑی ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتی ہے چنانچہ اس سیدھ سے موڑ کر شبدیز خیال
کو اگر تم دوسری طرف متوجہ کرو تو آسانی سے اس مین کامیاب نہین ہو سکتے۔

کیونکہ اس وقت تم ضابطۂ فطرت سے انحراف کروگے۔ البتہ اسی خطِ مستقیم پر
چلنے سے تمہاری اندیشہ فکر کے نتائج بتدریج ظاہر ہونگے۔

جب یہ تمھین معلوم ہوگیا کہ دماغ خیالات سے کبھی خالی نہین ہوسکتا تو کوشش
اس امر کی ہونی چاہیے کہ دماغ مین ہمیشہ پاکیزہ خیالات و نیچرل جذبات کو جگہ دیجائے۔
بے شغلی کے وقت انسانی وحیوانی جذبات مین مقابلہ کی ٹھہرتی ہے، اُن مین
سے کوئی غالب آتا ہے پھر وہی بلکہ غالب ایک خیالی واعظ کی صورت مین جلوہ گر ہوتا ہے
ترقی کی روحانی یا مادی تلقینات کا وعظ کہتا ہے، اور رفتہ رفتہ انسان ان دونون درجون مین
سے کسی پر پہونچ جاتا ہے۔ یعنے عالم ترقی مین یا تو صدیق کا معزز گرامی خطاب حاصل
کرتا ہے یا زندیق کہلاتا ہے۔ اور درحقیقت یہی معرکہ خیال کی کامیابی اُس کے
سرِ استقبال (آئندہ زندگی) پر تاج سعادت رکھتی ہے جس مین شہرت، نیکنامی،
اور روشن ضمیری کے آبدار موتی ٹکے ہوئے ہین۔ لہذا حکیمانہ روش یہ سکھلاتی ہے
کہ انجمنِ بے شغلی کے ممبر اگر عقل سلیم کو اپنا صدر انجمن بنالیا کرین تو اُن کو اپنے
مفاد کی عمدہ تدابیر کے انتخاب مین اس سے بہت بڑی بیش بہا مدد ملے۔ اور
بیکاری مین جن خطرات کا اندیشہ رہا کرتا ہے، اُن سے اطمینان حاصل ہوجائے۔

تم نہین دیکھتے کہ بیدار مغز مدبرین نے یہ اصول قائم کردیا ہے کہ جب ملک
امن وامان کے ہلکے ہلکے پینگ لے رہا ہوتا ہے تو فوج کی پلٹنون کو دوسرے
غیر ضروری امور مین پھنسا دیتے ہین۔ تاکہ بیکاری مین اُن کی سرگرمی کی روح
بدامنی کا قالب نہ اختیار کرسکے، اسی طرح روشن ضمیر پیشوایان قوم یا مذہب اپنے
اتباع کی علمی وعملی رفتار کے لیے نئی نئی سڑکون کی داغ بیل ڈالتے رہتے ہین۔
کہ کہین اُن کا قدم زمانہ کے نشیب وفراز مین نہ پڑجائے۔ اور قلوب کجروی سے
ملوث نہ ہوجائین۔ بس یہی احتیاط ہر فرد بشر کو بذات خود کرنی چاہیے کہ کسی مفید

مشغلہ سے اپنا وقت خالی نہ رکھے۔ ورنہ اس کی جگہ افعال شنیعہ لے لین گے۔

ہم یہ نہین کہتے کہ یہ سبق احتیاط کاروباری انسان کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے بلکہ بیکاری کے چند گھنٹون یا منٹون مین اسے نصب العین رکھکر دیکھیئے، اگر آپ کا دل و دماغ اس کے لطیف ذائقہ کا لذت آشنا نہ ہو جائے تو سہی، آگے چلکر ہم آپ کو چند اُن برگزیدہ اور اولو العزم مشاہیر سے ملائین گے جن کے مہتم بالشان کارنامے اُن کا طول طویل عمرون مین سے اگر محتاج ہین تو اُن چند لمحون کے جو تقریباً روزانہ ہر شخص کو سکون کے لئے ملتے ہین۔ لیکن ایک بڑے سے بڑے یگانۂ روزگار کی ساری عمر اُن کے ان چند لمحون کے سامنے پانی پانی ہو جاتی ہے، چشم کمال اُن کی اکملیت پر نظر نہین اُٹھا سکتی۔ اور چشم قبول اُن کے تذکرون سے نظر نہین ہٹا سکتی۔

میرے دوستو! اس موقعہ پر تمہین یہ غلط فہمی ہو کر رہے گی کہ مین تمھاری راحت کی چند گھڑیون مین بھی مخل ہونا چاہتا ہون جس مین دم لینا حفظان صحت کے لیئے لازمی ہے، مگر درحقیقت یہ تمہاری اصطلاحی غلطی ہے آرام و آسائش جس کا تم نے نام رکھ لیا ہے، وہ آرام نہین، تم یا تو اس کو آرام سمجھتے ہو کہ کام کر کے انسان پلنگ یا آرام کرسی پر لیٹ جائے اور جسم کو ساکن مطلق بنا دے، یا یہ کہ کسی لہو و لعب مین مشغول ہو جائے۔ لیکن متذکرۂ بالا اصول بطلان خلا رکے مطابق ہر دو صورت مین تمہارے کارخانۂ فکر کے کل پُرزے ساکن نہین رہ سکتے بمصداق اس قول کے کہ "واہمہ خلاق ہے" پہلی صورت مین تمھارا شہباز فکر میدان تخیّل مین منڈلاتا پھریگا، اور دوسری صورت مین تمھین یاران قدح خوار کے جگھٹے شاعری کی بھری محفلین یا بساطِ شطرنج و گنجفہ پر لا بٹھائے گا۔ یا اور مزخرفات مین مبتلا کر دیگا۔ الغرض راحت کی تعبیر سکون مطلق سے کسی طرح ٹھیک نہ ہو گی۔ بلکہ راحت کا اصلی ذائقہ انتقالِ

ذہنی یا تھوڑی خیالات اور تبدیل کار سے حاصل ہوتا ہے، ایک مزدور جس نے دن بھر بیٹھے بیٹھے کام کیا ہے۔ وہ اگر ہاتھ روک کر بیٹھ جائے۔ اور تصویر خموشی بن جائے تو ہرگز اُسے آرام نہ ملیگا، بلکہ اگر وہ کام سے فارغ ہو کر ٹہلنا شروع کر دے، تو یہ چہل قدمی اُس کے لئے اچھی خاصی تفریح کا کام دیگی۔ دیکھو وہ تاجر سارا دن اپنا تجارتی کاروبار کرتا رہا، آخر وقت جبکہ تھوڑا کام رہ گیا تھا اُس کو لشتم پشتم ختم کر کے کس بے چینی سے اُس نے اخبار اُٹھا لیا، ابھی اُسے اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے عرصہ نہیں گذرا، لیکن اُس کا چہرہ کس قدر ہشاش بشاش معلوم ہوتا ہے۔ چہرہ پر تھکن کے آثار بالکل نہیں۔ گویا وہ تھکا ہی نہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے نکات حل کرتے کرتے یہ وقت آیا ہے۔ اس کے پیچیدہ مسائل سے بکلفت تین چار گھنٹہ کا سابقہ رہا، حواس منتشر چہرہ پُر شکن، اور طبیعت سخت بے چین ہو رہی تھی۔

با ہونے آتے ہی ٹرکی کے جدید انقلاب کی خبر دی، خوشی میں آ کر کاغذات ہاتھ سے ڈال دیئے۔ اور تفصیلی واقعات کی فرمایش کی، الغرض دو چار فقروں سے زیادہ سلسلہ گفتگو طویل نہ ہوا تھا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کے چہرہ پر خون کی سُرخی جھلکنے لگی، پژمردگی و اضمحلال جس کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے ہوا ہو گئے۔ دیکھو اب چہرہ کیسا چاق ہے۔ قصہ مختصر،

لگاتار کام کرتے کرتے جو تھکن یا کسل دل و دماغ یا جوارح پر طاری ہو جاتا ہی اُس کا بہترین علاج اور نفع بخش نسخہ انتقال فکر و تبدیل کار ہے۔ یہاں سے ہٹ کر دوسری صورتوں میں انسان کے طبعی میلان کا مطالعہ کرو۔

فطرت انسانی کا اقتضا ہے کہ ایک حالت پر جب انسان کا کچھ دنوں قیام ہو جاتا ہے تو طبیعت کا تقاضا شدید ہوتا ہے کہ اس ماورا کدین تحرک پیدا ہو۔

خواہ موجودہ حالت عیش و عشرت کا جام لبریز ہی کیون نہ ہو۔ جو بعد جد وجہد بلیغ کے حاصل ہوئی ہے۔

ایک مفلس بے نوا جس نے اپنی زندگی مین ایک وقت بھی چین سے سیر ہوکر روٹی نہ کھائی ہو۔ جامہ بے تار کے سوا مضبوط کپڑا تن ڈھانکنے کو نہ پایا ہو۔ اور پتھریلی زمین کے سوا نرم بستر جس نے خواب مین نہ دیکھا ہو خداوند کریم اُسے اپنی حکمت باہرہ سے عیش و عشرت مال و منال کا ست لڑا ہار پہنا دے۔ رفیع الشان ایوان اُس کی خوابگاہ قرار پائین۔ ستّر ہزار نعمتین اُس کے دسترخوان کرم پر چُنی جانے لگین۔ کمخواب و زربفت کے جوڑے روز بدلنے لگے۔ کچھ دنون بعد انھین لیل و نہار عیش منجمد کی وقعت اُس کی نگاہ مین اپنی اگلی سادہ وضع معاشرت سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور وہ اپنے جدید اعلیٰ وارفع حوصلون اور ارمانون کے مطابق انقلاب اور آرائش زندگی کا طلبگار ہوگا۔ ناظرین! وہی پہلی ہم پھر بجھاتے ہین جسے ہم ابھی اوپر بجھا چکے ہین۔ مکرر سُن لیجئے! درحقیقت یہ سب اُسی فطری جدت طلبی کا کیا دھرا ہے جس سے معاشرت مین گوناگونیت کی چاٹ ہوتی ہے۔ اور فائز المرامی کی ایک غیر متغیر شاندار حالت پر بھی متواتر عرصہ تک قیام اُس کے لئے سخت موجب تلخکامی ہوتا ہے۔ اس سے بہ آسانی نتیجہ نکل آتا ہے کہ فطرت[1] انسانی انقلاب پسند ہے۔ جو اپنے دسترخوان عمل کے لئے ہر وقت نئی چاشنی کی متلاشی رہتی ہے، جسے تبدیل ذائقہ تفریح و توانائی بخشتا رہتا ہے، اور جس سے عملی و دماغی قوتی مین فکر و عمل کی تازہ روح دوڑ سکتی ہے۔ خلاصۂ کلام جب یہ امر مسلمہ ٹھہرا، کہ بخیال تفریح

[1] یہی قانون قدرت بھی ہے، کارخانۂ عالم مین ہر ایک چیز کمال و زوال، اقبال و ادبار مزور ہے۔ موسم شروع ہوا کمال کو پہونچا، اور ختم ہوگیا، رُت بدل گئی۔ انسان نے بچہ کی صورت مین جنم لیا۔ بڑھا۔ بالغ ہوا۔ عالم شباب آیا۔ پیری نے آدبوچا۔ قالب بے روح بنکر پیوند زمین ہوگیا ۱۲

اعضا سے انقطاع حرکت اعضا کے لیے سکون نہین ہو سکتا۔ بلکہ اسلوب حرکت کو بدل دینا اُس کی حقیقی تفریح ہو سکتی ہے، اب فیصلہ طلب امر یہ رہا کہ جس وقت انسان اپنے وہ معمولی فرائض منصبی انجام دے چکتا ہے، جن کے بعد تفریح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، آیا یہ تفریحی گھنٹے (جن کو محض تفنن طبعی مین گذارنے مین بظاہر کوئی مضائقہ نہین) اشغال تفریحی مین گذارنے مستحسن ہین یا کسی نتیجہ خیز شغلہ مین؟ اس خاص بحث مین تجربہ و عقل ہم آہنگ ہو کر یہ مشورہ دیتے ہین کہ غیر منتج امور مین اس وقت کو کھپا دینا محض بنظر عدم افادہ ہی غیر مستحسن نہین بلکہ یہ مشاغل تفریح مزید برآن اس نظر سے بھی قابل اجتناب ہین کہ روز بروز ان مین انہماک اور رجحان طبیعت رو بہ ترقی ہوتا ہے، جو کبھی نہ کبھی دن ایک ثقہ، پاکباز، اور بے نفس انسان کو افعال شنیعہ کے ارتکاب کے لیے طیار کر دیتے ہین، کیونکہ یہ متعدد جراثیم اُس کے ملکۂ اجتناب اور اخلاقی رعب کا استیصال کر ڈالتی ہین۔ جس سے انسان اپنی اخلاقی و ادبی حکمت عملیون سے بے بہرہ ہو جاتا ہے، اور جس[۵] کے بعد انسان کا ستارۂ فلاح و اقبال کہ اوج سے مائل بہ حضیض ہو جاتا ہے، بخلاف اس کے اسی وقت کو کسی شغلِ اکتساب کی نذر کرنے سے ایسی سے قیمتی نتائج پیدا ہوتے ہین۔ اگر آج تم اُس شخص کے روئداد جرائم کی جانچ کرو جس پر دربار اخلاق مین بڑی سے بڑی فرد قرارداد جرم قائم کی گئی ہو تو عنوانِ مقدمہ یہی ہو گا۔ کہ اُس نے اوقات تفریح مین کبھی کبھی بیکاری سے شغل کیا ہے، لیکن ڈارونی دربار سے جسے نہایت اعزازی تمغۂ ارتقا ملا ہو گا اُس کے تمام کارنامون کا دیباچہ زرین اوقات تفریح مین اکتسابی شغلہ ٹھہریگا۔

اے بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست

[۵] درحقیقت ایسے گئے گذرے ہوؤن سے ہمین پوری ہمدردی ہے، اور یہ ہمدردی اُن کے حق مین

تاریخ کے جلو خانے مین جا کر دیکھو' کچھ بیدار مغز' عالی حوصلہ' لوگ نظر آئین گے' اُن کی نشو و نما کا اوائل پھٹے حالون مین بسر ہوا' لیکن عقلِ سلیم نے ابتدا سے اُن کی رہبری کی' جس کے سامنے دل کی امنگون نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور آخر کار ترقی کے اولوالعزمی کے آسمان چہارم پر چودھوین کا چاند بن کر چمکے' وہ جن کے نام کا خطبہ ایجاد و اختراع کے ممبر پر پڑھا جاتا ہے۔ ہم بنظر سہولت اُن کا نام و نشان اور اُن کے متعلق کچھ مفید معلومات

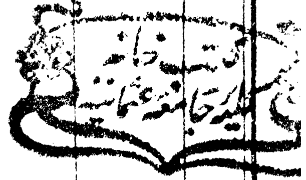
بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۔ سود مند جب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی عادت نہین بلکہ عادتِ مستمرہ کو جس کی رنگ مین اُن کی طبیعت ڈوبی ہوئی ہے' بدلین۔ جس مین وہ آسانی سے کامیاب نہین ہو سکتے۔ بلکہ کامیاب ہوتے دیکھا نہین۔ اس مین اُن بھولے بھالے نوابون کی حالت زیادہ قابل رحم ہوتی ہے' جو خاطرِ احباب اور زبان خلق کی مروت سے بادہ فروشون اور ارباب نشاط کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر مجبور ہوتے ہین۔ اونہین یہ کھٹکا ہوتا ہے کہ اوہر ہم نے ان مشاغل . . . سے لیت و لعل کی اور شیرازہ احباب پراگندہ ہوا۔ یا لوگ بخل کا الزام دھرینگے۔ اس مین شک نہین کہ جبتک وہ حد سے متجاوز نہین ہوتے بُرائی کو دل سے بُرا سمجھتے ہین۔ لیکن بہت جلد وہ ایسے ازخود رفتہ اور "مستانہ باش تا غم تو دیگران خورند" کے مصداق بنا دیئے جاتے ہین کہ رام رنگی کے سوا دنیا و مافیہا سے اُنھین سروکار نہین رہتا۔ بادائی دولت سے دل غنی گرہ مضبوط ہوتی ہے' کوئی ہنر یا پیشہ سیکھنا عیب جانتے ہین سیکھین تو سہی مگر وہ لوگ سیکھنے بھی دین۔ لیکن گنج قارون بھی ہو تو ایسے دست مسرف کے لیئے کفایت نہ کر سکے الغرض جبتک دولت کا جھنڈا جھولتا رہا' سب یار و احباب چارون طرف سے گھیرے رہے' دفعتہً فقر کا ہاتھ بر آمد ہوا۔ اور گھسیٹ کر اُنھین شاہراہِ عام پر لا کھڑا کیا۔ اور اُن کی عمر یہی کہتے کہتے تمام ہوئی ؎ گذرے میری نگاہ سے یارون کے سب جگھٹے ؛ مطلب یہ تھا سرور بڑھے اور غم گھٹے ؛ کثرت سے صرف زر بھی ہوا صرف لفظ بھی ؛ لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے ؛ لیکن جب اسکے سلسلۂ اسباب و علل پر آپ نظر ڈالین گے تو ابتدا ئر یہ شخص آپ کو تفریحاً محفل سرود مین جاتا ہوا ملیگا۔ سوچو! اگر بجائے اس کے اخلاقی علمی یا سائنٹفک سوسائیٹیون مین یہ حصہ لیتا تو "یک کرشمہ دو کار" کی معجز نمائیون کے جلوہ دیکھ لیتا جو آفتاب کو ذرہ بنا دیتی ہین جسکا ایک سین تمیمہ

ذیل کے نقشہ مین دکھلاتے ہین۔

نمبر	نام	اصل پیشہ	تفریحی مشاغل یا وقت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
۱	گریٹ رٹشرڈ	حجام	پیشہ کی دوادوش، اور اندیشہ معاش سے چھٹکارا حاصل کرتا، اور ایجاد و اختراع کی ادھیڑ بن مین لگ جاتا تھا۔	روئی کے مفید استعمال کا سب سے پہلا سراغ لگانے والا اور سوت کاتنے کے آلہ کا موجد۔
۲	ٹنٹرڈن		قانونی مشغلہ، اس کے نکات پر غور و خوض، مفید معلومات کا اضافہ، قانونی کتب کا مطالعہ اس کے نظام اوقات کا عنصر اعظم تھا۔ باوجود کم حیثیتی قانونی حلقہ کو وسیع کرتا رہتا تھا	معاملہ فہمی و قانونی دستگاہ کا شہرہ ایسا ہوا کہ قاضی القضاۃ بنایا گیا۔
۳	ایڈورڈس	معمار	کنی۔ بسولی (آلات تعمیر) ہاتھ مین ہوتی اور کتاب جیب مین، ایک منٹ کا بھی موقع ملتا تو مطالعہ کرنے لگتا۔ پیشہ کی مناسبت سے اس کا رجحان ریاضی و ہندسہ کی جانب تھا۔	مشہور مہندس و ریاضی دان ہوگذرا ہے
۴	ٹلفرڈ	"	"	"
۵	این جانسن	"	"	"
۶	یوحنا ہنٹر	نجار	ایک معمولی درجہ کا آدمی تھا۔ علمی	مشہور و معروف فن

نمبر	نام	اصل پیشہ	تفریحی مشاغل یا وقت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
			جد وجہد کے ساتھ استقلال سے مشورہ لیتے لیتے کچھ کا کچھ ہو گیا۔	فزیالوجی کا ماہر گذرا ہے۔
۷	ہریسن	نجار		کرانومیٹر کا موجد۔
۸	ٹرنر		پختگی عزم، کوشش کی بدولت بڑھا۔ وقت کی نگرانی نہایت ہوشیاری سے کرتا۔ کچھ نہ ملتا تو زمین پر گل بوٹے دستکاری کے اعلیٰ نمونے بناتا رہتا کاغذ وغیرہ پر جب اس کی نقل اتارتا۔ تو دیکھنے والے ششدر وحیران رہ جاتے۔	فن تصویر کشی مین یدطولیٰ رکھتا تھا۔ جذبات، کیفیات کو ہاتھ سے دکھلانا اسی کا کام تھا غیبی تعلیم پیسکھے..... کی ساتھ کرتی ہی یا ازخود مطالعہ نے اس کی شناسائی کی۔
۹	مسٹر کلووسکی ٹوکل	زراعت پیشہ	فن سپہگری کی مشق کرتا۔ دریائی مشاغل مین بہت دلچسپی لیتا۔ اور پھر کسانی کے فرائض بھی انجام دیتا۔ لیکن جس نے آسمان عروج پر چمکایا وہ وہی مشاغل اوقات بیکاری تھے۔	بہت بڑا دلیر وجانباز امیرالبحر گذرا ہے۔
۱۰	ڈاکٹر الفنسٹن		جذبات کی تصویر الفاظ مین اتارا کرتا۔	بیکاری کی مشق سے ایسا بڑھا کہ ملک الشعرا کا خطاب دربار شاہی سے

نمبر شمار	نام	اصلی پیشہ	تفریحی مشاغل یا وقت فراغ (آرام) کا پروگرام	کیفیت
۱۱	دسن		طیور سے اُسے خاص دلچسپی تھی۔ رنگ برنگ کے طیور پالتا رہتا۔	اس سرسری دلچسپی سے بتدریج طیور کے متعلق وہ وہ تحقیقات کین کہ اس فن کا واحد معلم تسلیم کیا گیا۔



۱۴ ستمبر ۱۹۰۸ء — باقی آئندہ — جواد علیخان

متوطن بارہ بنکی اودھ

تاریخ طغیانی رود موسیٰ

بعض تاریخی مادون کے متعلق بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتف غیب نے اُنھین لوح آسمانی قلم سے صحیفہ اعجاز پر ازل سے لکھ رہا ہے اور جب ضرورت پڑتی ہے تو سچے شاعر کے دل پر اُس کا القا کر دیتا ہے۔ پچھلے نمبر مین مولانا ابو الحکمۃ کی تاریخ حیدر آباد دکن شد غرق آواز آمدہ کا شمار اسی قسم کے اعجازی مادون مین سے پرچہ شایع ہوا ہی تھا کہ ہمارے مخدوم محترم مولانا سید اکبر حسین کا گرامی نامہ اسی مادہ کو خلعت قرار دیتا ہوا وصول ہوا جو درج ذیل ہے۔

کرمی یہ عجیب بات ہے کہ دکن کے غرق ہونے کا واقعہ خود اپنی تاریخ ہے یعنی حیدر آباد دکن غرق شد مین ۱۹۰۸ء بلاتعمیہ دستخرج ہوتے ہین تاریخ کے لیے دوستون مین سے اکثر نے کہا مین نے یون موزون کر دیا۔

دوستون مین سے جو تاریخ کو اکثر نے کہا "حیدر آباد دکن غرق شد" اکبر نے کہا

سرکار والا سے جو توجہ مصیبت زدگون کی امداد پر ہو رہی ہے وہ دلون سے دعائین پیدا کر رہی ہے۔

سید اکبر حسین

(اس اشتہار سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات براہ مہربانی خط و کتابت ہندی و انگریزی زبان مین کرلین)

(مرض دور ہو۔ ناامیدی سے دور ہو۔ اور نسلاً بعد نسل فتح)

آتنک نگرہ گولیان

مردی کے قوتون کے غیر موقع استعمال کے باعث مباشرت کی کثرت کے سبب جو مختلف امراض پیدا ہوتے ہین ان کو اچھا کرنے کے لئے یہ آتنک نگرہ گولیان تمام دیگر علاجون کی بنسبت بے خوف اور اعلیٰ قسم کی دوا ہے۔ عارضہ کثرت احتلام۔ اور پیشاب کرنے کے وقت اور از مذی و ودی کی بیماری ان گولیون سے بالکل موقوف ہو جاتی ہے۔

جسم اور جان کی قوتون کو تازہ اور طاقتور بنانے اور تولید منی کرنے کے باب مین ان آتنک نگرہ گولیون کا کوئی مقابلہ نہین کرسکتا۔ اسی طرح کمزوری اور نامردی کے بارہ مین یہ گولیان جادو کا اثر رکھتی ہے۔

آتنک نگرہ گولیان زائل شدہ قوت ہاضمہ کو پھیر لاتی ہین اور اچھی طرح سے اشتہا پیدا کرتی ہین۔ اصلاح خون کرتی ہین اور زور شباب حاصل ہوتا ہے۔ یہ سیلان۔ جریان۔ اور بول الدم کے عارضون کے لئے صحت بخش ہے اور زندگی کی طاقتون کو کامل طور سے معاون ہین۔

۳۲ گولیون کی ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ

دو مرتبہ غذا کھانے کے بعد دودھ کے ہمراہ ایک گولی کھاؤ اگر دودھ بہم نہ پہونچ سکے یا دودھ کھانے سے بے رغبتی ہو تو پانی کے ہمراہ کھاسکتے ہین۔

وید شاستری منی شنکر گوبندجی　　　　آتنک نگرہ اوشدھ یالیہ

(دواخانہ) جامنگر (کاٹھیاواڑ)



اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی۔اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — حیدرآباد دکن — جلد سوم

قسم اول

نمبر ۳ — سنہ ۱۹۰۸ء — دسمبر



مطبوعہ مطبع افتخار دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول ۴ عہ قسم دوم ۲ عہ سکہ انگریزی



ہر امپیریل مجسٹی ملکۂ چین آنجہانی

دکن ریویو

سلسلہ جدید

نمبر ۲   دسمبر ۱۹۰۸ء   جلد سوم

تصویر شہنشاہ بیگم چین

فہرست مضامین

اڈیٹوریل

پچھلی ڈاک مین لندن سے "مجلس اعانت مصیبت زدگان حیدرآباد دکن" کے اُس جلسہ کی ایک رپورٹ موصول ہوئی جو ماہ گذشتہ کو اعیان و عمائدین لندن نے مصیبت زدگان حیدرآباد کی امداد مین چندہ جمع کرنے کی غرض سے مینشن ہاؤس مین بصدارت لارڈ میئر منعقد کیا تھا۔ حاضرین مین منجملہ دیگر معززین کے اصحاب ذیل شریک تھے۔ مارکوئیس آف لینسڈون۔ مارکوئیس آف رپن۔ ارل آف کرومر۔ لارڈ و لیڈی امپتھل۔ رائٹ آنریبل ڈی ار بوکینن نائب وزیر ہند۔ سر جیمس ڈی لاٹوش۔ سر اسٹیورٹ و لیڈی بیلی۔ کرنل سر ڈیوڈ و لیڈی بار۔ مسٹر تھیوڈر ماریسن۔ آنریبل نواب عماد الملک بہادر۔ مسٹر کے۔ جی گپتا۔ مسٹر و مسس ہی۔ اے لطیف۔

صدر نشین کی افتتاحی تقریر کے بعد سر ڈیوڈ بار سابق رزیڈنٹ حیدرآباد نے بہت سی تصاویر عکسی جن سے حیدرآباد کی دونون حالتین یعنی قبل از طوفان و بعد از طوفان ظاہر ہوتی تھین دکھا کر یہ رزولیوشن پیش کیا "یہ جلسہ ہز ہائنس نظام حیدرآباد اور اُن کی رعایا کے ساتھ اس خوفناک مصیبت کے متعلق جس کا انہین سامنا ہوا اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے" اس رزولیوشن کے پیش کرنے کے بعد انہون نے چندہ کی فہرست کھولے جانے کی تحریک پُرزور الفاظ مین کی جس کی تائید مسٹر بوکینن نائب وزیر ہند نے ان الفاظ مین کی کہ "آپ صاحبون کو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضور نظام نے ہم سے چندہ کے لیے اپیل کی ہے ہرگز نہین۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ممدوح نے ذاتی طور پر عطیات شاہانہ سے امداد فرمانے کے علاوہ اپنی سلطنت کے تمام ذرائع اور قوتون کو اپنی آفت رسیدہ رعایا کی مصیبت کے دفع کرنے کے لیے وقف کر دیا البتہ عملی ہمدردی کی جو عمدہ مثال انہون نے ہمارے سامنے پیش کی ہے وہی گویا اپیل ہے اور یہی اپیل کرنے کا بہترین طریق ہے۔ حضور نظام اور دیگر ہندوستانی حکمرانون سے بڑھکر ہندوستان کے مختلف حصص کے مصیبت رسیدون کی امداد از قسم سیلاب او قحط کے موقعون پر کسی اور نے نہین کی لہذا حضور ممدوح اور ان کی رعایا کے بھی ہم پر ایسے ہی حقوق ہین۔ ان کی اور دوسرے حکمرانون کی ریاستون کی بہتری اور ترقی برٹش انڈیا کی سرسبزی سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ لہذا ہم ان دور افتادہ مصیبت زدون کے لیے اس شہر لندن مین جو سلطنت بھر مین سب سے زیادہ دولتمند شہر ہے آپ صاحبون سے چندہ کی اپیل کرتے ہین" تحریک کے بعد۔ چندہ کھولا گیا جو بقدر مبلغ [illegible] کے ہوا جو ہمدردی اہل لندن از مصیبت زدگان حیدرآباد سے کی ہوا اس کے لحاظ سے وہ ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہین خصوصاً حضور پرنس آف ویلز کا اس فہرست کے عنوان کو اپنے نام نامی سے زینت بخشنا ہمارے لیے مایہ صد افتخار ہے۔ لیکن اس قسم کی بغیر ہم نہین رہ سکتے کہ جس جلسہ مین ایسے بڑے بڑے اعیان دولت برطانیہ زینت افروز جلسہ ہون اور جس فہرست چندہ کا طراز عنوان علیحضرت سلطنت برطانیہ کا اسم گرامی ہو اس مین صرف [illegible] چندہ ہوا مصیبت زدگان حیدرآباد کی ضرورتون کے لحاظ سے ابھی بہت کچھ اضافہ کا محتاج ہے لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ [illegible] غرض خلوص ہمدردی جس فہرست سے نسبت رکھتا ہو جو اہل لندن سے اس موقع پر ظاہر ہوئی ہے خوش کن اور مفید نتائج پیدا کرے گی۔



دکن ریویو

تصوف کی تاریخ

(رقمزدہ پروفیسر رینالڈ اے نکلسن)

(۲)

جن مشہور صوفی شیوخ کا انتقال سنہ ۲۵۰ھ اور سنہ ۳۰۰ھ کے درمیان ہوا اُن کے نام حسب ذیل ہین :- سری سقطی (سنہ ۲۵۳ھ) - یحییٰ بن معاذ الرازی (سنہ ۲۵۸ھ) بایزید بسطامی (سنہ ۲۶۱ھ) - ابو حفص الحداد (سنہ ۲۶۵ھ) حمدون القصار (سنہ ۲۷۱ھ) ابوسعید الخراز (سنہ ۲۷۷ھ یا سنہ ۲۸۶ھ) ابو حمزۃ البغدادی (سنہ ۲۸۹ھ) سہل بن عبداللہ التستری (سنہ ۲۷۳ھ یا سنہ ۲۸۳ھ یا سنہ ۲۹۳ھ) ابوالحسین النوری (سنہ ۲۹۵ھ) جنید بغدادی (سنہ ۲۹۷ھ) عمرو بن عثمان المکی (سنہ ۲۹۱ھ یا سنہ ۲۹۷ھ یا سنہ ۳۰۱ھ) ابو عثمان الحیری (سنہ ۲۹۸ھ) ممشاد الدینوری (سنہ ۲۹۹ھ)- ان بزرگون نے جن مسایل کی تلقین

کی اگر اُن مین سے ہر ایک پر فرداً فرداً نظر ڈالی جاے تو اس مضمون کا حجم بہت بڑھ جاے گا لہذا مین صرف اس قدر بیان کرون گا کہ تصوف نے تیسری صدی ہجری کے خاتمہ تک عام طور پر کیا ترقی کی اور اس ترقی کی نمایان خصوصیات کیا تھین۔ یہ ترقی دو طرح پر ہوئی۔

(۱) تصوف کے موجودہ اور رائج الوقت مسائل کو شرح و بسط کے ساتھ مدون و منضبط کیا گیا۔

(۲) نئے مسائل اور طریقون کو رواج دیا گیا۔

(۱) تصوف نے جو اول اول خاص خاص اشخاص کا طریقہ تھا اور صوفیہ اس کا راز اپنے چیدہ چیدہ اصحاب ہی کو بتاتے تھے بتدریج ایک باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کر لی جس کا دروازہ عام لوگون کے لیے کھول دیا گیا۔ اس کے اصول کی تلقین کے لیے خانقاہین قایم کی گئین جہان مرید اپنے مرشد کی ہدایت کے بموجب زہد و ریاضت کے مراتب کی تکمیل کرتا تھا۔ اور مرشد کو مرید کی ہدایت کا کامل اور مطلق اختیار حاصل ہوتا تھا۔ تیسری صدی ہجری مین تصوف نے یہ شان اختیار کر لی کہ صوفی بجاے ایک راہب عزلت گزین کے جسے لوگون کی صورت سے نفرت ہو ایک شیخ کامل اور ملہم من اللہ ہادی کی شکل مین ظاہر ہونے لگا جسکے گرد خاص خاص روحانی تقریبون مین مریدان باصفا کا حلقہ جمع ہوتا تھا۔ بایزید بسطامی کا یہ قول کہ جس شخص کا کوئی پیر نہ ہو اُس کا پیر شیطان ہے۔ (رسالہ قشیریہ) غالباً مذہب شیعہ کے اوس مشہور و معروف اصول سے تعلق رکھتا جس کی تلقین اول اول عبداللہ ابن سبا نے کی تھی اور جرمن مستشرق ولہاسن کا یہ قول کہ

لہ بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید ۔ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا
اڈیٹر

"شیعہ کی عبادت الٰہی فی الواقع انسان کی عبادت تھی"
زمانہ مابعد کے ایرانی صوفیون پر صادق آتا ہے۔ چنانچہ جلال الدین رومی کا خیال شمس تبریز کی نسبت بھی یہی تھا۔ صوفیہ کو مورد فضل ربانی وسطرح موہبت یزدانی ہونے کا ادعا ابتدا ہی سے تھا چنانچہ معروف کرخی کا مقولہ فاقسم علیہ بی مشہور ہے اور ذوالنون مصری کا یہ قول تھا کہ سچا مرید وہ ہے جو طاعت گزاری مین اپنے مرشد کو خود باری تعالیٰ پر بھی ترجیح دے۔ (تذکرۃ الاولیا)
اس زمانہ کے شیوخ متصوفین کے اقوال مین طریقہ صوفیہ کے اصول و نکات کو مدون و مرتب کرنے کا رجحان جا بجا پایا جاتا ہے۔ مرید کو جادہ پیماے سلوک ہونے کے لیے مختلف مقامات کا طے کرنا لازمی تھا۔ اور ہر مقام ایک خاص حالت کو ظاہر کرتا تھا یحییٰ بن معاذ الرازی (۲۵۸ھ) کا قول ہے:۔
"جب تم کسی شخص کو امر بالمعروف مین منہمک پاؤ تو سمجھ لو کہ اُس کا مقام مقام زہد ہے۔ اور جب یہ دیکھو کہ وہ آیات اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے تو جان لو کہ اُس کا مقام مقام ابدال[۱] ہے۔ اور جب یہ دیکھو کہ وہ باری تعالیٰ کے فیضان کی شرح کرتا ہے تو یقین مانو کہ اُسکا مقام مقام عشاق ہے۔ اور جب یہ دیکھو کہ وہ مشغول ذکر ہے تو پہچان لو کہ اُس کا مقام مقام عارفین ہے[۲]" حمدون القصار (۲۷۱ھ) نے نیشاپور مین فرقہ ملامتیہ قایم کیا تھا جس کا دوسرا نام قصاریہ ہے۔ یہ لوگ اپنے صدق و خلوص اور یزدان شناسی کا ثبوت اس طرح دیتے تھے کہ ظاہر مین اپنی وضع رندانہ بنائے رکھتے تھے[۳]۔

---

[۱] صوفیہ کے مدارج مین ابدال ایک خاص درجہ ہے سب سے اونچا درجہ قطب کا ہے۔ ابن خلدون کے قول کے مطابق ابدال کا درجہ صوفیون مین وہی ہے جو شیعون مین نقبا کا ہے۔ [۲] تذکرۃ الاولیا [۳] نفحات الانس۔ تذکرۃ الاولیا۔ صوفیون کے

سری السقطی (۲۵۳ھ) کی نسبت روایت ہے کہ بغداد مین اول اول اونہین
نے حقایق و توحید کے معارف بیان کیے[۱]۔ سب سے اول جس شخص نے
منبر پر چڑھ کر تصوف پر خطبہ دیا وہ یحیی بن معاذ الرازی (۲۵۸ھ) تھے[۲] جن کی
تقلید بغداد مین ابو حمزہ بغدادی (۲۹۰ھ)[۳] نے کی۔ جامی نے نفحات الانس مین
لکھا ہے کہ جنید (۲۹۷ھ) نے جو تصوف کی تلقین خفیہ طور پر سردابون یعنی
زمین دوز مکانون مین کرتے تھے۔ اس فن کے اصول کی تنظیم و تشریح بذریعہ
تحریر کی اور شبلی (۳۳۴ھ) نے اسے مباحث عامہ کا موضوع بنا دیا۔ اس سے
یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ متوکل باللہ کے سریر آرا‌ے خلافت ہونے پر جب
راسخ الاعتقاد جماعت کا زور ہوا تو طریقہ صوفیہ کی اتنی شدت سے مزاحمت
نہین کی جاتی تھی جتنی عقاید معتزلہ کی۔ البتہ ذوالنون مصری کو علما نے
زندیق قرار دیا اور وہ دربار خلافت مین طلب کیے گئے لیکن جب انھون نے ایک
تقریر کی جس کے حرف حرف سے صدق و صفا کی بو آتی تھی تو متوکل پر
یہان تک اثر ہوا کہ اُس نے شیخ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ دربار سے
رخصت کیا[۴]۔ خود جنید پر ایک سے زیادہ مرتبہ ملحدانہ عقیدہ رکھنے کا الزام لگایا
گیا اور نفحات الانس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد مین حکومت صوفیون
کے یہان تک درپے آزار ہوگئی کہ ابو سعید الخراز (۲۸۶ھ) ہجرت کر کے
مصر چلے گئے۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۔ دوسرے فرقے طیفوری۔ خرازی اور نوری ہین۔ جو علی الترتیب
بایزید بسطامی ابوسعید الخرازی اور ابو الحسین النوری کے پیرو ہین۔

[۱] تذکرۃ الاولیا　　[۲] تذکرۃ الاولیا

[۳] ابو المحاسن　　[۴] ابن خلکان

تیسری اور چوتھی صدی کے صوفیہ نے طریقہ صوفیہ کو نظری اور عملی اعتبار سے کامل طور پر مدون و منضبط کر لیا تھا لیکن نہ اونہین فلسفہ سے ذوق تہا اور نہ مسائل ما بعد الطبیعیات سے کسی قسم کی دلچسپی تھی۔ اسی لیے زمانہ ما بعد کے تصوف نے فارابی بو علی سینا اور غزالی کی وساطت سے جو فلسفیانہ اصطلاحات اشراقئین جدید سے مستعار لین ہین اُن سے یہان کوئی سروکار نہین۔ البتہ صوفیون کی اشارت آمیز عبارت کے متعلق اس مقام پر کچھہ ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا۔[۱] اس کا سراغ ہمین ابتدا ہی سے ملتا ہے داؤد الطائی (۱۶۵ھ) کی نسبت روایت ہے کہ ایک درویش نے اُنہین مسکراتے دیکھہ کر پوچھا کہ اے ابو سلیمان تم ایسے خوش کیون نظر آتے ہو۔ انہون نے جواب دیا کہ ساقیان بزم قضا و قدر نے علی الصباح مجھے اُس شراب کا پیالہ بھر کر عنایت کیا تھا جسے شراب انس کہتے ہین لہذا آج یہ اُسی کا جلسہ ہے اور مین نے اپنے تئین وقف عشرت کر دیا ہے۔[۲] رابعہ (۱۳۵ھ یا ۱۸۰ھ یا ۱۸۵ھ) سے جو اقوال منسوب کیے گئے ہین اون مین عشقیہ اشارات جابجا پائے جاتے ہین جیسا کہ اُس فقرے سے واضح ہوگا جس کا

---

[۱] تذکرۃ الاولیا مین لکھا ہے کہ ابن عطا (۳۰۹ھ) سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ صوفی کس واسطے غیر معمولی اور نرالے الفاظ مین اظہار مدعا کرتے ہین۔ ابن عطا نے جواب دیا کہ تصوف کو چونکہ ہماری نظرون مین بہت بڑی وقعت ہے لہذا ہم نہین چاہتے کہ بجز صوفیون کے اور کوئی اس فن کے نکات و رموز سے واقف ہو۔ اور چونکہ ہماری یہ خواہش نہین ہے کہ ہم اپنا عندیہ ظاہر کرنے کو لیے معمولی اور پیش پا افتادہ عبارت استعمال کرین لہذا ہم نے ایک خاص زبان ایجاد کر لی۔ [۲] تذکرۃ الاولیا۔

اقتباس بیشتر ابوسلیمان الدارانی (۲۱۵ھ) کے اقوال سے کیا گیا ہے اور اس کے بعد تو اس قسم کی تشبیہات و اشارات کا استعمال عام ہوگیا۔ حاتم بن الاصم (۲۳۷ھ) سے منقول ہے کہ صوفیہ کی چار موتیں ہوتی ہیں۔ موت ابیض یعنی بھوک۔ موت اسود یعنی تحمل مصائب۔ موت احمر یعنی نفس کشی اور موت اخضر یعنی ایسے خرقہ کا استعمال جس میں ہمیشہ پیوند اور چیتھڑے لگتے رہتے ہوں۔[۵۱]

لیکن وہ خاص شاعرانہ طرز ادا جسے خراسان کے مشہور صوفی ابوسعید بن ابی الخیر (۴۴۰ھ) نے آگے چلکر عام طور سے رواج دیا اول اول اپنی نرالی ادا کے ساتھ بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) کے اقوال میں نظر آتا ہے۔ جب یحییٰ بن معاذ الرازی نے بایزید کو لکھا کہ میں شراب محبت الٰہی کا پیالہ بھرا ہوا پی کر بدمست ہوگیا ہوں تو بایزید نے جواب دیا "ایک اور شخص ایسا ہے جو زمین اور آسمان کے خم ختم کر چکا ہے لیکن ابھی پیاسا ہے اور کہتا ہے کہ پینے کو کیا اب کچھ بھی نہیں رہا"[۵۲] اسی قسم کی چند نمایاں مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

"میں ذکر سے نکل کر جنگل کا رستہ لیا۔ باران محبت برس کر تھم چکا تھا۔ اور زمین گیلی تھی۔ جس طرح آدمی کا پاؤں کیچڑ میں دھنس جاتا ہے اسی طرح میرا پاؤں عشق محبت ہو رہا تھا"[۵۳]

ایک دن حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے بایزید نے ہونٹھ چوس کر کہا: "میں شرابی بھی ہوں شراب بھی اور ساقی بھی"[۵۴]

"کچھ سنتے بھی ہو کہ ندی سے بہتے پانی کی آواز کیونکر آتی ہے لیکن ندی جب سمندر میں جا ملتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے اور سمندر نہ اس کے

---

۵۱ رسالۂ قشیریہ ۵۲ رسالۂ قشیریہ
۵۳ تذکرۃ الاولیا ۵۴ تذکرۃ الاولیا

ملنے سے بڑھتا ہے اور نہ اُس کے نکل جانے سے گھٹتا ہے۔[۵۰]

"خواہش عشاق کی سلطنت کا دارالحکومت ہے۔ اس دارالحکومت مین رنج و فراق کا ایک تخت بچھا ہوا ہے۔ خوف جدائی کی ایک تلوار سنتی ہوئی در- امید کا ہاتھ نرگس وصال کی ایک شاخ کی طرف بڑھا ہوا ہے اور ہر دم یہ تلوار ہزارون گردنین اڑا رہی ہے۔ سات ہزار سال گزر چکے ہین لیکن ابھی تک یہ شاخ نرگس تر و تازہ ہے اور کسی کی امید کا ہاتھ اُس تک نہین پہنچا"[۵۱]

(۲) جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے قریب قریب تمام صوفیہ عقاید کا سراغ ذوالنون مصری اور اُن صوفیہ کی تعلیم مین مل سکتا ہے جو بلا فصل اُن کے پیش رو تھے اس مین شک نہین کہ عہد قدیم کے یہ متصوفین وجد اور فنا کے تصور سے نا آشنا نہ تھے لیکن اُس عقیدہ کو جو تصوف کی تاریخ مابعد مین راس العقائد ہو گیا وضاحت و صراحت کے ساتھ انہون نے بیان نہین کیا۔ لفظ فنا کا اول اول جس صوفی نے استعمال کیا وہ مشہور ایرانی صوفی بایزید بسطامی تھے جو غالباً اس عقیدہ کے بانی ہین[۵۲]۔ ابو یزید طیفور بن عیسی بن آدم بن سروشان[۵۳] بسطام مین پیدا ہوئے تھے جو مضافات قومس سے ہے اور بحیرہ اخضر کے جنوبی و مشرقی گوشہ مین واقع ہے ان کا دادا آئین زردشتی کا

[۵۰] تذکرۃ الاولیا [۵۱] تذکرۃ الاولیا [۵۲] جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہے کہ اول اول ابو سعید الخراز نے فنا و بقا کا ذکر کیا۔ [۵۳] ابن خلکان اور قشیری اور جامی نے اُن کا یہی نام لکھا ہے لیکن یاقوت کہتا ہے کہ اُن کا صحیح نام ابو یزید طیفور بن عیسی بن سروشان ہے اور ابو یزید طیفور بن عیسی بن آدم کے ساتھ اس سے مخلوط نہ کرنا چاہیئے جو البسطامی الاصغر کے لقب سے مشہور ہے۔

پیرو تھا اور تصوف مین اون کا پیر ایک کرد تھا۔ بایزید اول اول اصحاب الرائے مین سے تھے لیکن بعد مین اون کے عقاید مین انقلاب پیدا ہوگیا چنانچہ جامی نے نفحات الانس مین لکھا ہے کہ "وے از اصحاب راے بودہ لکن وے را ولایتے کشادکہ مذہب دران بدید نیامد"۔ فرید الدین عطار نے تذکرۃ الاولیا مین جو اقوال بایزید سے منسوب کیے ہین اگر وہ صحیح سمجھے جائین تو معلوم ہوگا کہ بایزید نہ صرف ملامیتہ عقاید کے بموجب مسلک ہمہ اوست کا نہایت غلو کے ساتھ اتباع کرتے تھے اور اس لحاظ سے حسین بن منصور حلاج کے پیش رو تھے بلکہ مبدار فیاض سے اُنکو زبردست دل ودماغ عطا ہوا تھا اور غواصی حقیقت کے دریا کی غواصی مین وہ عطار اور جلال الدین رومی سے کسی طرح کم نہ تھے ہم نہین کہہ سکتے کہ ان کے تذکرہ نویسون نے ان کے جو اقوال جمع کئے ہین وہ کس حد تک واقعی ہین اور کس حد تک فرضی۔ شیخ عبد اللہ انصاری ہروی (سنہ ۴۸۱) کا بیان ہے کہ "بایزید فراوان دروغہا بستہ اند۔ یکے آنست کہ وے گفت شدم خیمہ زدم برابر عرش"[1]۔ یہی روایت بایزید کی معراج کی حکایت کی ماخذ ہے جسکو عطار نے بالتفصیل تذکرۃ الاولیا مین درج کیا ہے۔ ابن خلکان کی راے مین بایزید کی وقعت ایک صومعہ نشین راہب سے زیادہ نہین لیکن قشیری۔ عطار اور جامی نے اون کے جو حالات بیان کیے ہین ان کی تصدیق اُس معلومات سے ہوتی ہے جو ہمین بایزید کے ایرانی الاصل اور مجوسی النسل ہونے کے متعلق حاصل ہے۔ ایرانی تصوف مین بایزید کو جو غیر معمولی شہرت حاصل ہے اسکی وجہ اگر میرا قیاس زیادہ غلطی نہین کرتا تو محض یہ ہے کہ وہ خود خالص ایرانی نژاد تھے اور اپنے ہموطنون کے مذہبی جذبات ورجحانات

---

[1] نفحات الانس۔

کے مظہر اتم ہونے کی قابلیت رکھتے تھے اول اول اُنہین نے تصوف مین عقیدۂ ہمہ اوست کا وہ غلو آمیز عنصر شامل کیا جو ساسانیون کے دور مین بھی عام طور سے ایران مین رائج تھا یہ عنصر جو ایران و ہندوستان کے متفقہ تخیل کا نتیجہ ہے اہل مشرق سے ویسا ہی مختص ہے جیسا کہ قدیم متصوفانہ رجحانات یونانی تخیل کا لازمہ تھے۔[ل]

اب مین بعض اُن اقوال کا ترجمہ درج کرتا ہون جو بایزید بسطامی سے منسوب کئے گئے ہین اور جن سے ذیل کے تین امور پر روشنی پڑتی ہے:۔

(۱) مسئلۂ فنا (۲) مسلک ہمہ اوست مین اُن کا غلو (۳) اُن کا شاعرانہ تخیل

(۱) مخلوقات ضرور تابع احوال ہے لیکن عارف پر کوئی حالت طاری نہین ہوتی کیونکہ اُسکے اثرات مٹ جاتے ہین اور اُس کے جوہر کو ایک دوسری ہستی کا جوہر فنا کر دیتا ہے اور اُس کے آثار دوسرے کے آثار مین حل کرنا پیدا ہو جاتے ہین[۲]۔

ل صوفیہ کی خانقاہون مین ایک حد تک بدھ مذہب کی خانقاہون کی شان نظر آتی ہے۔ چنانچہ علامہ جاحظ (سنہ ۲۵۵ھ) اپنی مشہور تصنیف کتاب الحیوان مین ایک مقام پر ”رہبان الزنادقہ“ کا حال لکھتے ہوئے بیان کرتے ہین کہ یہ راہب دو دو مل کر سفر کرتے ہین اور کبھی دو راتسے زیادہ ایک مقام پر نہین ٹھہرتے اور اپنے نفس سے عہد کرتے ہین کہ پاک و صاف زندگی بسر کرین گے پاک دامن رہین گے۔ سچ بولین گے اور مفلس رہین گے ایک لطیفہ بھی جاحظ نے دو راہبون کے متعلق بیان کیا ہے جو اہواز مین داخل ہوئے تھے۔

۲ رسالہ قشیریہ

مین خدا سے خدا کی طرف گیا یہان تک کہ وہ (ملکات جو میرے اندر تھے) پکارنے لگے" اے تو کہ مین ہون" یعنی مجھے مقام فنافی اللہ حاصل ہوگیا۔[1]

تیس سال تک باری تعالیٰ میرا آئینہ تھا - اب مین خود اپنا آئینہ ہون یعنی جو کچھ مین تھا اب نہین ہون کیونکہ " انا" کہنا اور ساتھ ہی "خدا" کہنا دوئی ہے جس کی گنجایش وحدت مین مطلق نہین چونکہ مین موجود نہین ہون لہذا باری تعالیٰ خود اپنا آئینہ ہے۔

سننے والو! دل کے کانون سے اچھی طرح سن لو - اب مین کہتا ہون کہ خدا میرا آئینہ ہے کیونکہ وہ میری زبان سے بولتا ہے اور مین تو کبھی کا فنا ہوچکا۔[2]

انسان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی بات نہین کہ وہ بے مایہ ہو۔ نہ اوس کے پاس زہد ہو نہ علم نہ عمل۔ جب وہ بے ہمہ ہوگا تو باہمہ ہوجائیگا۔[3]

لوگون نے پوچھا:" انسان کو کب اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اُسے حقیقی معرفت حاصل ہوگئی"۔ بایزید نے جواب دیا" اُس وقت جب کہ وہ خدا کے علم سے اپنی خودی کو مٹا دیتا ہے اور انانیت ومخلوقیت کے پیرایہ سے عاری ہوکر خلعت بقا پہن لیتا ہے۔[4]

(۲) بیشک مین خدا ہون - بجز میرے اور کوئی خدا نہین پس میری پرستش کرو میری سطوت وجبروت کے کیا کہنے مین امین ہون

---

[1] تذکرۃ الاولیا
[2] تذکرۃ الاولیا
[3] تذکرۃ الاولیا۔
[4] تذکرۃ الاولیا

اور میرا جلال و جمال!![۵۱]

مین بایزیدیت سے اس طرح نکلا جس طرح سانپ کینچلی سے پھر مین نے ہر طرف نظر ڈالنی شروع کی۔ دیکھتا کیا ہون کہ عاشق معشوق اور عشق سب ایک ہین کیونکہ وجود کی وحدت مین سب کچھ ایک ہوسکتا ہے[۵۲]

ایک دفعہ لوگون نے سوال کیا" عرش کیا ہے؟" جواب دیا:۔ "مین ہون" پھر دریافت کیا:۔ "کرسی کیا ہے؟" کہا:۔ "مین ہون" پھر پوچھا:۔ "لوح و قلم کیا ہین؟" کہا:۔ "وہ بھی مین ہی ہون"[۵۳]

(۳) روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی نے بایزید سے پوچھا کہ یہ درجہ تمھین کیونکر حاصل ہوا اور کس ذریعہ سے تم اس مرتبہ پر فائز ہوئے انھون نے جواب دیا:۔ "ایک دن رات کے وقت عالم طفلی مین مین بسطام سے باہر نکلا چاند بصد آب و تاب چمک رہا تھا اور ہر چیز پر خاموشی کی حالت طاری تھی۔ مین نے ایک ہستی کو عجب جلوہ گر دیکھا جسکے مقابلہ مین اٹھارہ ہزار دنیا ئین ایک ذرہ کے برابر نظر آتی تھین۔ مین نے پوچھا یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے کہ اس زیب و زینت کی محفل ہو اور ایسی سونی پڑی ہوئی ہو۔ ایسے شاندار طاق و رواق ہون اور اس درجہ ویران نظر آئین اس سوال کے جواب مین آسمان سے ایک آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی کہ محفل خالی ہے نہ اسلیے کہ کوئی آتا نہین بلکہ اس لیے کہ ہم نہین چاہتے کہ لوگ اس دربار مین آیا کرین کیونکہ ہر شخص منھ دھوئے بغیر یہان آنے کا

---

[۵۱] تذکرۃ الاولیاء۔ [۵۲] تذکرۃ الاولیا [۵۳] تذکرۃ الاولیاء۔

اہل نہیں[1]"

بارہ برس تک میں نے اپنی روح کی حدادی کی۔ اول میں نے اسے ریاضت کی بھٹی میں ڈال کر آتش مجاہدہ میں جلایا پھر مطاعن کے سندان پر رکھ کر اسے ملامت کے ہتوڑے سے کوٹا یہاں تک کہ میں نے اسے آئینہ بنا دیا۔ پانچ سال تک میں اپنا آئینہ آپ بنا رہا اور اسے انواع و اقسام کے زہد و عبادت سے جلا دیتا رہا۔ پھر ایک سال تک میں اپنے وجدان کا حلقہ بگوش رہا میں نے دیکھا کہ میرے گلے میں عجب و نخوت خودستائی و تفاخر اور غرور زہد و اتقا کا زنار پڑا ہوا ہے۔ اس لیے پھر میں پانچ سال تک اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ زنار کٹ گیا اور میں ازسرنو دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ پھر جو میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات کی جان جسم سے نکل چکی ہے۔ میں نے ان پر چار تکبیریں پڑھیں اور ان کے جنازہ سے لوٹ کر مخلوقیت کا جامہ اُتار پھینکا اور خدا ہی کی مدد سے خدا تک پہونچ گیا[2]"

---

[1] تذکرۃ الاولیا۔ [2] فنا فی اللہی کی یہ شاعرانہ تصویر امام قشیری نے اپنے رسالہ میں یوں کھینچی ہے:-

قال ابو یزید کنت ثلثی عشرۃ سنۃ حداد نفسی وخمس سنین کنت مراۃ قلبی وسنۃ انظر فیما بینہما فاذا فی وسطی زنار ظاھر فعملت فی قطعہ ثلثی عشرۃ سنۃ ثم نظرت فاذا فی باطنی زنار فعملت فی قطعہ خمس سنین انظر کیف اقطعہ فکشف لی فنظرت الی الخلق فرایتہم موتی فکبرت علیہم اربع تکبیرات ۔

بایزید اور ابوسعید الخراز کو چھوڑ کر تیسری صدی ہجری کے اوپر جتنے صوفیہ ہین وہ مسلہ فنا کو حق الوسع پردہ ہی مین رکھتے ہین اور مسلک ہمہ اوست کے اوس پہلو سے جو کسی شرط سے مشروط اور کسی قید سے مقید نہین ہمیشہ اجتناب کرتے ہین۔ اُن کی تمنا سے دلی یہ ہے کہ اسلام اور تصوف مین تطابق و توافق پیدا کرین اور شریعت اور طریقت کے پلون کو مساوی رکھین۔ اور اگرچہ اس کوشش مین اونہین کامیابی نہین ہوئی پھر بھی وہ اس ضرورت کو محسوس کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ خالص اسلامی عقاید کو ہاتھ سے نہ جانے دین۔ بایزید اور اوسکے پیرو طیغوری اپنی گفتار و کردار کے لحاظ سے مست الست تھے لیکن اسی زمانہ کے بہت سے صوفیہ جنید بغدادی کے ہمصفیر ہو کر مستی پر ہوشیاری کو ترجیح دیتے تھے۔ اس امر کا اعلان علی رؤس الاشہاد کر دیا گیا تھا کہ صرف متصوفانہ تخیل بلکہ احساسات روحانی و مقامات طریقت کا معیار بجز قران و سنت نبوی کے اور کچھ نہین ہو سکتا۔ طریقہ صوفیہ کا جزو اعظم زہد و ریاضت اور روحانیت و اخلاق قرار دیا گیا تھا۔ سہل بن عبداللہ تستری کا قول ہے کہ ہمارے اصول چھ ہین:۔

(۱) کلام اللہ سے استناد (۲) جناب رسالت مآب صلعم کی تقلید

(۳) اکل حلال (۴) لوگون کو ایذا نہ دینا خواہ ہمین اون سے کیسی ہی تکلیف کیون نہ پہونچے۔

(۵) جو چیز کہ شارع نے حرام کر دی ہے اوس سے بچنا۔

(۶) اپنے فرایض کو بلا تامل انجام دینا۔[۱] جنید کا قول ہے کہ ہم نے تصوف مناظرہ سے نہین حاصل کیا بلکہ بھوکے پیاسے رہ کر دنیا کو چھوڑ کر زنجیر علایق توڑ کر اور

[۱] تذکرۃ الاولیا۔

لوگون کی نظرون مین جو چیزین اچھی ہین اون سے موہنہ موڑ کر[5] لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تسلیم کرلی گئی تھی کہ جب صوفی جادہ سلوک کے طے کرنے کے بعد معرفت ذات باری کی منزل پر جا پہونچتا ہے تو اوس کے اقوال و افعال مقدس ہو جاتے ہین اور شریعت کے باطن سے تطابق تام رکھتی ہین خواہ ظاہر مین اس کے مخالف ہی کیون نہ ہون اسی لیے کہا گیا ہے کہ مراد کی ریاکاری مرید کے صدق و خلوص سے افضل ہے[5]۔

جن امور سے ہین نے اوپر بحث کی ہے اون کا لب لباب حسب ذیل ہے

(۱) راضی بہ رضاے الہی اور جستجوے کنہ ذات باری کے معنون مین تصوف اُن راہبانہ و زاہدانہ رجحانات کا ماحصل تھا جو اسلام مین بہ زمانہ حکومت بنو امیہ پیدا ہو گئے۔

(۲) یہ رہبانیت اگرچہ مسیحی اثرات سے آزاد نہ تھی لیکن بہ حیثیت مجموعی اسے اسلام کا ماحصل قرار دیا جا سکتا ہے اور جو تصوف اس سے پیدا ہوا وہ بھی اسلامی الاصل ہے۔

(۳) دوسری صدی ہجری کے خاتمہ پر تخیل کی ایک نئی رو تصوف مین دوڑنا شروع ہوئی۔ یہ خیالات جو غیر اسلامی ہین اور بلحاظ نوعیت مسیحی تصوف سے تعلق رکھتے ہین معروف کرخی (۲۰۰ھ) کے اقوال مین پائے جاتے ہین۔

(۴) تیسری صدی ہجری کے نصف اول مین ان خیالات کو بہت ترقی ہوئی اور وہ طریقہ صوفیہ کا جزو اعظم بن گئے۔

(۵) جس شخص نے عقاید صوفیہ کو مستقل طور پر مدون و متشکل کیا وہ ذوالنون مصری (۲۴۵ھ) تہا۔

---

[5] رسالہ قشیریہ

[5] رسالہ قشیریہ

(۶) جن تاریخی حوالی مین ان عقاید کا اُٹھان ہوا اون سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی تصوف کا ماخذ فلسفہ یونان ہے۔

(۷) تصوف کا سراغ فلسفہ اشراقیہ جدید اور مذہب ادریہ مین ڈہونڈنا چاہیئے۔

(۸) جس طرح تصوف کا وہ عنصر جو جستجو سے کنہ ذات باری سے تعلق رکھتا ہو یونانی ہے اسی طرح ہمہ اوست کے وہ انتہائی خیالات جو بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) کی وجہ سے اس مین اول اول آسے ایرانی یا ہندی ہین۔ مسئلہ فنا غالباً نروان سے ماخوذ ہے جو مذہب بدھ کا رکن اعظم ہے۔

(۹) تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر طریقہ صوفیہ کی باقاعدہ طور پر تدوین و تنظیم ہوئی۔ خانقاہین بن گئین۔ پیری و مریدی ہونے لگی۔ اس طریقہ کے اصولون کا درس دیا جانے لگا۔ اس کے قواعد و آداب مقرر ہو گئے اور اس امر کا ثبوت بہم پہونچانے کے متعلق پیہم کوششین کی جانے لگین کہ تصوف آیت و حدیث پر مبنی ہے۔

تصوف کے اس تاریخی نشو و نما کو بالاختصار بیان کرنے کے بعد اب مین الفاظ صوفی و تصوف کی اون تعریفات کو سپرد قلم کرتا ہون جن کا مین نے اس مضمون کی ابتدا مین حوالہ دیا ہے۔

(۲)

تعریفات مندرجہ ذیل کی فہرست جو رسالہ قشیریہ۔ تذکرۃ الاولیا۔ اور نفحات الانس کے اقتباسات سے مرتب کی گئی ہے بہمہ وجوہ کامل و مکمل ہے البتہ چند تعریفات جو دور آخر سے تعلق رکھتی ہین اور چندان دلچسپ بھی نہ تھین اور نیز چند ایسی تعریفات جن کے مصنفون کا نام نہین معلوم ہو سکا ہے اس مین درج نہین کی گئین۔ فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ معروف کرخی (۲۰۰ھ) کی پہلے تعریف اور ابو سعید ابو الخیر (۴۴۰ھ)

کے آخری تعریف کے درمیان تقریباً ڈھائی صدیون کا زمانہ حائل ہے۔ تعریفات سبھی قسم کی ہین۔ کسی مین معرفت کا رنگ نظر آتا ہے کسی مین ہمہ اوست کی جھلک پائی جاتی ہے۔ کسی مین کوئی لطیفہ یا نکتہ درج ہے۔ کوئی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے۔ کوئی صرف ونحو سے۔ آج کل کسی کو اس مین کلام نہ ہوگا کہ لفظ صوفی صوف سے مشتق ہے جس کے معنی پشمینہ کے ہین لیکن ان تعریفات سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود صوفیہ کے نزدیک یہ اشتقاق مسلم نہین ہے کیونکہ اگر ایک صوفی نے اس لفظ کے یہ معنی لیے ہین تو بارہ نے اس کا مادہ صفا قرار دیا ہے جس کے معنی پاکیزگی کے ہین۔ بعض تعریفات عربی مین ہین بعض فارسی مین اور بعض دونون زبانون مین۔ رسالہ قشیریہ اور نفحات الانس مین سے جو تعریفات مجھے عربی مین ملی ہین وہ مین نے بجنسہ درج کر دی ہین۔ تذکرۃ الاولیا مین جو فارسی تعریفین صرف ہین وہ اگر تلاش کی جائین تو اصل عربی مین مل سکین گی۔[۱]

۵۱ **معروف کرخی** (م ۲۰۰ھ): ۔ التصوف الاخذ بالحقایق والیاس مما فی ایدی الخلایق۔ (تصوف کے معنی یہ ہین کہ حقایق کو اخذ کیا جاوے اور ان باتون کو جو خلقت کے ہاتھ مین ہین چھوڑ دیا جاوے)

۵۲ **ابو سلیمان دارانی**۔ (م ۲۱۵ھ): ۔ تصوف آنست کہ بر وے افعال می رود کہ جز خداے نداند و پیوستہ با خداے بود چنانکہ جز خداے نہ داند۔

۵۳ **بشر الحافی** (م ۲۲۷ھ): ۔ صوفی آنست کہ دل صافی دارد با خداے

۵۴ **ذوالنون مصری**۔ (م ۲۴۵ھ): سُئل ذوالنون عن التصوف فقال

۱؎ ہم نے عربی تعریفات کا ترجمہ بھی ان کے نیچے درج کر دیا ہے لیکن فارسی کے ترجمہ کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے وہ درج نہین کیا گیا۔ ایڈیٹر

ہم قوم اثروا اللہ عزوجل علی کل شئی فآثرہم اللہ عزوجل علی کل شئی (ذوالنون سے
جب تصوف کی ماہیت دریافت کی گئی تو اونہون نے جواب دیا کہ اہل
تصوف وہ لوگ ہین جنہون نے خدائے بزرگ و برتر کو تمام چیزون پر ترجیح دی ہے
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدائے بزرگ و برتر نے اون کو تمام چیزون پر فوقیت بخشی)

۵۵ **ذوالنون مصری** :- صوفی آن بود کہ چون بگوید نطقش حقایق حال وے
بود یعنی چیزے نگوید کہ او آن نہ باشد و چون خاموش باشد معاملتش معبر حال
وے بود بقطع علایق حال وے ناطق بود۔

۵۶ **ابوتراب النخشبی** (۲۴۵ھ) الصوفی لایکدرہ شئی ویصفو بہ کل شئی
(صوفی وہ ہے جسے کوئی چیز ناپاک نہ کر سکے اور وہ خود ہر چیز کو پاک و صاف کر دے)

۵۷ **سری سقطی** :- التصوف اسم ثلاث معان وہو الذی لا یطفی نور معرفتہ نور
ورعہ ولا یتکلم بباطن فی علم ینقضہ علیہ ظاہر الکتاب او السنۃ ولا تحملہ الکرامات علی
ہتک استار محارم اللہ۔ (لفظ تصوف کے تین معنی ہین۔ صوفی وہ ہے جس کی
نور معرفت اس کے نور زہد و ورع کو ماند نہ کر دیتا ہو اور وہ کوئی ایسا باطنی عقیدہ نہ
ظاہر کرتا ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مخالف ہو۔ اور جو کرامتین
اوسے عطا کی گئی ہین اون پر اترا کر وہ خدا کے مقدس قانون کے خلاف ورزی
یا اوس کا ہتک نہ کرتا ہو۔)

۵۸ **ابوحفص الحداد**۔ (۲۶۶ھ) :- تصوف ہمہ ادب است۔

۵۹ **سہل بن عبداللہ تستری** (۲۸۳ھ) :- الصوفی من یری دمہ ہدرا وملکہ
مباحا (صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو ہدر سمجھے اور اپنے مال و املاک کو دوسروں کا
مال غنیمت تصور کرے۔)

۶۰ **سہل بن عبداللہ تستری** :- صوفی آن بود کہ صافی شود از کدر و پر شود

از فکر و در قرب خدا سے منقطع شود از بشر و یکسان شود در چشم او خاک و زر [۵۱]۔

۵۱۱ سہل بن عبد اللہ تستری : ۔ تصوف اندک خوردن است و باخدا سے آرام گرفتن و از خلق گریختن۔

۵۱۲ ابو سعید الخراز (۲۸۶ھ) :۔ پرسیدند از تصوف ۔ گفت آنست کہ صافی بود از خداوند خویش و پر بود از انوار و در عین لذت بود از ذکر۔

۵۱۳ سمنون المحب (۲۹۰ھ) [۵۲] :۔ سئل سمنون عن التصوف فقال ان لا تملک شیئاً ولا یملک شئ (سمنون سے تصوف کے معنی پوچھے گئے تو اس نے کہا تصوف یہ ہے کہ نہ کوئی چیز تیرے قبضہ مین ہو اور نہ کسی چیز کا تجھپر قبضہ ہو۔)

۵۱۴ عمرو بن عثمان المکی ۔ (۲۹۱ھ) :۔ سئل بن عثمان المکی عن التصوف فقال ان یکون العبد فی کل وقت مشغولا بما ہو اولی بہ فی الوقت (عمرو بن عثمان المکی سے جب تصوف کی حقیقت پوچھی گئی تو انہون نے جواب دیا کہ صوفی وہ شخص ہے جو ہر وقت اوس شغل مین مصروف رہے جو اوسکے نزدیک اُسوقت سب سے اولی و انسب [۵۳] ہو)

---

[۵۱] اصل عربی عبارت سہروردی کی عوارف المعارف مین یہ ہے :۔ الصوفی من صفا من الکدر وا متلا من الفکر و انقطع الی اللہ من البشر و استوی عندہ الذہب و المدر۔

[۵۲] ذکریا انصاری (۹۲۶ھ) شارح رسالہ قشیریہ لکھتے ہین کہ سمنون کا تلفظ بہ ضم سین و ضم نون ہے نفحات الانس مین یہی قول رویم سے منسوب کیا گیا ہے۔

[۵۳] رسالہ قشیریہ مین یہ عبارت درج ہے :۔ یقولون الصوفی ابن وقتہ یریدون بذلک انہ مشتغل بما ہو اولی بہ فی الحال ۔ یعنی صوفی ابن الوقت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر وقت اُس شغل مین مصروف رہتا ہے جو فی الوقت اُس کے لیے سب سے زیادہ موزون و مناسب ہو۔ بالفاظ دیگر صوفی کے لیے لازم ہے کہ خدا کی قوت فاعلی کے

۵۱۵ ابوالحسین النوری (۲۹۵ھ):۔ نعت الصوفی السکون عند العدم والایثار عند الوجود (صوفی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ جب اوس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ بیقراری نہ ظاہر کرے اور جب کچھ موجود ہو تو ایثار سے کام لے)

۵۱۶ ابوالحسین النوری:۔ صوفیان آن قوم اند کہ جان ایشان از کدورت بشریت آزاد گشتہ است واز آفت نفس صافی شدہ واز ہوا خلاص یافتہ تا در صف اول و درجہ اعلےٰ با حق بیا رامیدہ اند واز غیر او رمیدہ۔ نہ مالک بودند ونہ مملوک۔

۵۱۷ ابوالحسین النوری:۔ صوفی آن بود کہ ہیچیز (ہیچ چیز) در بند او نبود واو در بند ہیچیز نہ شود۔

۵۱۸ ابوالحسین النوری:۔ تصوف نہ رسوم است ونہ علوم لیکن اخلاقی است یعنی اگر رسم بودے بمجاہدہ بدست آمدے واگر علم بودے بہ تعلیم حاصل شدے بلکہ اخلاقی است کہ تخلقوا باخلاق اللہ وتخلق خدا سے بیرون آمدن نہ برسوم دست دہد ونہ بعلوم۔

۵۱۹ ابوالحسین النوری:۔ تصوف آزادی است وجوانمردی وترک تکلف وسخاوت۔

۵۲۰ ابوالحسین النوری:۔ تصوف ترک جملہ نصیبہاء نفس است برائے نصیب حق

۵۲۱ ابوالحسین النوری:۔ تصوف دشمنی دنیا است ودوستی مولیٰ۔

۵۲۲ جنید بغدادی ۔(۲۹۸ھ):۔ ہو ان یمیتک الحق عنک ویحییک بہ (تصوف کے معنی یہ ہیں کہ باری تعالیٰ تیری خودی کو تجھ سے زایل کرکے تجھے فنا کردے اور اپنے مین ملا کر تجھے زندہ وباقی کردے)

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۔ ظہور کے لیے محض ایک انفعالی آلہ بنا ہے۔

۲۳ جنید:- ہو ان تکون مع اللہ بلا علاقۃ (تصوف یہ ہے کہ دوسروں سے تعلقات منقطع کرکے خدا کا ہو رہے)

۲۴ جنید:- التصوف عنوۃ لا صلح فیھا (تصوف مجادلہ اور مجاہدہ کا نام ہے جس میں صلح نام کو نہیں)

۲۵ جنید:- ہم اہل بیت واحد لا یدخل فیہم غیرہم (وہ (یعنی صوفی) ایک ہی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں اغیار داخل نہیں ہوتے)

۲۶ جنید:- التصوف ذکر مع اجتماع و وجد مع استماع و عمل مع اتباع (تصوف یہ ہے کہ ذکر ہو لیکن حضور قلب کے ساتھ وجد کی حالت طاری ہو لیکن آیت و حدیث کو سنکر اور عمل ہو لیکن بہ پابندی قرآن و سنت)

۲۷ جنید:- الصوفی کالارض یطرح علیہا کل قبیح ولا یخرج منہا الا کل ملیح (صوفی زمین کے مانند ہے جسپر ناپاک چیزیں پھینکی جاتی ہیں لیکن جتنی چیزیں اُس میں سے نکلتی ہیں نفیس و پاک ہوتی ہیں)

۲۸ جنید:- انہ کالارض یطوھا البر والفاجر و کالسحاب یظل کل شئی و کالمطر یسقی کل شئی (صوفی کی مثال زمین کی سی ہے جس پر نیک و بد سبھی طرح کے لوگ چلتے ہیں وہ بادلوں کی طرح ہے جو اپنا سایہ ہر ایک چیز پر یکساں ڈالتی ہیں اور مینھ کی طرح ہے جو ہر چیز کو یکساں سیراب کرتا ہے)

۲۹ جنید:- تصوف اصطفا است ہر کہ گزیدہ شد از ماسوے اللہ او صوفی است

۳۰ جنید:- صوفی آنست کہ دل او چون دل ابراہیم سلامت یافتہ بود از دنیا و بجاے آرندہ فرمان خداے بود و تسلیم او تسلیم اسماعیل و اندوہ او اندوہ داؤد و فقر او فقر عیسیٰ و صبر او صبر ایوب و شوق او شوق موسیٰ در وقت مناجات و اخلاص او اخلاص محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

۵۳۱ جنید:۔ تصوف نعتے است کہ اقامت بندہ در آنست۔ گفتند نعت حق است یا نعت خلق۔ گفت حقیقتش نعت حق است و رسمش نعت خلق۔

۵۳۲ جنید:۔ پرسیدند از ذات تصوف گفت بر تو باد کہ ظاہرش بگیری و از ذاتش نہ پرسی کہ ستم کردن بروے بود۔

۵۳۳ جنید:۔ صوفیان آنند کہ قیام ایشان بخداوند است از آنجا کہ نہ دانند الا او۔

۵۳۴ جنید:۔ تصوف صافی کردن دل است از مراجعت خلقت و مفارقت از اخلاق طبیعت و فرو میرانیدن صفات بشریت و دور بودن از دواعی نفسانی و فرود آمدن بر صفات روحانی و بلند شدن بعلوم حقیقی و بکار داشتن آنچہ اولیٰ تراست الی الابد و نصیحت کردن جملہ امت و وفا بجاے آوردن بر حقیقت و متابعت پیغمبر کردن در شریعت[۱]۔

اس عبارت میں "مراجعت خلقت" سے مراد ہے جبلی کمزوریوں کا عود کرنا۔

۵۳۵ ممشاد الدینوری۔ (م ۲۹۹ھ):۔ تصوف صفاے اسرار است و عمل کردن بدانچہ رضاے جبار است و صحبت داشتن با خلق بے اختیار است۔

"صفائی اسرار"۔ تزکیہ قلب۔ "بے اختیار" سے یہاں یہ معنی ہیں کہ لوگوں سے ملو لیکن ان کی مشیئت یا قوت ارادی کو سلب کرکے۔

۵۳۶ ممشاد الدینوری:۔ تصوف توانگری نمودن است[۲] و مجہولی گزیدن کہ خلقت نداند و دست برداشتن از چیزے کہ بکار نیاید۔

۵۳۷ ابو محمد رویم۔ (م ۳۰۳ھ) سئل رویم عن التصوف فقال استرسال النفس

---

[۱] امام شعرانی نے یہ تعریف ابو عبداللہ بن خفیف سے منسوب کی ہے۔

[۲] ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ درویش ہے۔ رویم کی نسبت کہا گیا ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے اپنے آپ کو اغنیا میں چھپا دیا تھا لیکن اس مصنوعی دولتمندی نے انہیں خدا سے نہ چھپایا۔

مع اللہ تعالیٰ علیٰ ما یرید۔ (ردیم سے تصوف کے معنی پوچھے گیے تو اونھون نے جواب دیا کہ تصوف نفس کو باری تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا نام ہے)

۵۳۸ رویم :۔ التصوف مبنی علی ثلاث خصال التمسک بالفقر والافتقار والتحقق بالبذل والایثار وترک التعرض والاختیار (تصوف تین خصلتون پر مبنی ہے۔ فقر ونا داری کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ بذل وجود اور ایثار علی النفس کا حقیقت شناس ہونا اور مشیت ایزدی مین دم مارنے اور اپنی مرضی کا اظہار کرنے سے باز رہنا)

۵۳۹ علی بن سہل الاصفہانی :۔ التصوف التبری عمن دونہ والتخلی عمن سواہ (تصوف یہ ہے کہ خدا کے سوا اور تمام چیزون (کے تعلق) سے بری ہو اور بجز اوس کے اور تمام چیزون سے خالی ہو)

۵۴۰ حسین بن منصور الحلاج۔ (۳۰۹ھ) :۔ سئل عن الصوفی فقال وحدانی الذات لا یقبلہ احد ولا یقبل احداً (اون سے صوفی کی تعریف پوچھی گئی تو اونھون نے کہا کہ صوفی مہی جو ذات کے لحاظ سے واحد ہو اور نہ کوئی اوس کی طرف متوجہ ہو اور نہ وہ کسی کی طرف متوجہ ہو)

۵۴۱ ابو محمد الجریری (۳۱۱ھ) :۔ سئل ابو محمد الجریری عن التصوف فقال الدخول فی کل خلق سنی والخروج من کل خلق دنی (ابو محمد جریری سے تصوف کی حقیقت دریافت کی گئی تو اونھون نے جواب دیا کہ تصوف اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے حاصل اور ادنیٰ درجہ کے اخلاق سے گریز کرنے کا نام ہے۔)

۵۴۲ ابو محمد الجریری :۔ التصوف مراقبۃ الاحوال ولزوم الادب۔

۵۴۳ ابو عمرو الدمشقی (۳۲۰ھ) :۔ التصوف رویۃ الکون بعین النقص بل غض الطرف عن کل ناقص بمشاہدۃ من ہو منزۃ عن کل نقص۔ (تصوف اس کا نام ہو کہ موجودات کے نقایص کو پیش نظر رکھا جاے بلکہ تمام اون چیزون کی طرف سے

جو ناقص ہین منھ پھیر لیا جاے اور اوس کا مشاہدہ کیا جاے جو تمام نقایص سے مبرا و منزہ ہے ۔)

۵۴۴ ابوبکر الکتانی ۔(م ۳۲۲ھ):۔ التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق فقد زاد علیک فی الصفاء (تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے پس جو شخص تم پر اخلاق حسنہ مین فوقیت لے جاے سمجھ لو کہ وہ صفائی قلب مین بھی تم سے بڑھ گیا)

۵۴۵ ابوبکر الکتانی :۔ تصوف صفوت است و مشاہدہ ۔

۵۴۶ ابوبکر الکتانی :۔ صوفی کسے است کہ طاعت او نزدیک او جنایت بود کہ ازان استغفار باید کرد۔

۵۴۷ ابو علی الرودباری ۔(م ۳۲۲ھ):۔ التصوف الاناخة علی باب الحبیب وان طرد عنہ (تصوف سے یہ مراد ہے کہ تم معشوق کے دروازہ پر جاکر دھرنا دو خواہ وہان سے دھکے دے کر ہی کیون نہ نکالے جاؤ)

۵۴۸ ابو علی الرودباری :۔ صفوة القرب بعد کدورة البعد (تصوف (خدا سے) دوری کی ناپاکی کے بعد نزدیکی کی پاکیزگی کا نام ہے)

۵۴۹ ابو علی الرودباری :۔ صوفی آنست کہ صوف پوشد بصفا و بچشاند نفس را طعم جفا و بیندازد دنیا را از پس قفا و سلوک کند طریق مصطفےٰ۔

۵۵۰ عبداللہ بن محمود المرتعش ۔(م ۳۲۸ھ):۔ از وے پرسیدند کہ تصوف چیست گفت اشکال و تلبیس و کتمان ۔

۵۵۱ عبداللہ بن محمود المرتعش :۔ صوفی آنست کہ صافی شود از جملہ بلاہا و غایب گردد از جملہ عطاہا ۔

۵۵۲ ابوالحسن المزین (م ۳۲۸ھ): التصوف الانقیاد للحق (تصوف حق کی حلقہ بگوشی کا نام ہے)۔

۵۵۳۔ ابو عبداللہ بن خفیف۔ (۳۳۱ھ)[۱]:۔ تصوف صبر است در تحت مجاری اقدار و فرا گرفتن از دست جبار قطع کردن بیابان و کہسار۔

۵۵۴۔ ابوبکر الواسطی (۳۲۰ھ کے بعد):۔ صوفی آنست کہ سخن بہ اعتبار گوید و سِرّ او منور شدہ باشد بفکرت۔

۵۵۵۔ ابوبکر شبلی۔ (۳۳۴ھ):۔ التصوف الجلوس مع اللہ بلا ہمّ (تصوف کے معنی یہ ہیں کہ قرب خدا ہو اور کوئی فکر دامن گیر نہ ہو)

۵۵۶۔ ابوبکر شبلی:۔ الصوفی منقطع عن الخلق متصل بالحق کقولہ تعالیٰ واصطنعتک لنفسی قطعہ عن کل غیرہ ثم قال لن ترانی (صوفی خلقت سے جدا اور خالق سے ملا ہوا ہے جیسے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے کہ "میں نے اپنے لیے تیرا انتخاب کیا" یعنی خدا نے تعالیٰ اسے صوفی کو دوسروں سے جدا کر دیا اور پھر یہ کہا کہ "تو مجھے نہ دیکھ سکیگا۔")

۵۵۷۔ ابوبکر شبلی:۔ التصوف برقۃ محرقۃ (تصوف ایک برق سوزندہ ہے۔)

۵۵۸۔ ابوبکر شبلی۔ الصوفیۃ اطفال فی حجر الحق۔ (صوفیہ بچے ہیں جنھیں خدا گود میں لیے بیٹھا ہے۔)

۵۵۹۔ ابوبکر شبلی:۔ ہو عصمۃ عن رویۃ الکون (تصوف اس عالم کون کی دید سے بچائے جانے کا نام ہے۔)

۵۶۰۔ ابوبکر شبلی:۔ تصوف آن ست کہ چنان باشد کہ آن زمان کہ بوجود نیامدہ بود

۵۶۱۔ ابوبکر شبلی:۔ تصوف ضبط قوی است و مراعات انفاس[۲]

---

[۱] جامی کی روایت کے بموجب ان کی تاریخ وفات یہی ہے لیکن امام قشیری نے ۳۷۱ھ لکھی ہے۔

[۲] تسبیح پھرانے کی طرح دم کشی کا طریقہ بھی ہندی الاصل معلوم ہوتا ہے۔ بایزید بسطامی

۵۶۲ ابوبکر شبلی:۔ صوفی وقتے صوفی باشد کہ جملہ خلایق را عیال خود بیند۔
۵۶۳ ابوسعید ابن العربی (م ۳۴۱ھ):۔ التصوف کلہ ترک الفضول (تصوف اس کا نام ہے کہ کل فضول چیزیں ترک کر دی جائیں)
۵۶۴ ابوالحسن البوشنجی (م ۳۴۸ھ):۔ پرسیدند از تصوف گفت کوتاہی امل است و مداومت بر عمل (امل بہ معنی امید)
۵۶۵ جعفر الخلدی (م ۳۴۸ھ):۔ تصوف طرح نفس است در عبودیت و بیرون آمدن از بشریت و نظر کردن بخداے بکلیت۔
۵۶۶ ابوعمرو بن النجید (م ۳۶۶ھ):۔ تصوف صبر کردن است در تحت امر و نہی۔
۵۶۷ ابوعبدہ الرودباری (م ۳۶۹ھ):۔ التصوف ترک التکلف و استعمال التظرف وحذف التشرف (تصوف اس کا نام ہے کہ تکلف چھوڑ دیا جائے۔ نمود اختیار کیا جائے اور تبختر سے پرہیز کی جائے)
۵۶۸ ابو محمد الراجبی۔ (م ۳۶۷ھ):۔ لایکون الصوفی صوفیاً حتی لا یقلہ ارض ولا یظلہ سماء ولایکون لہ قبول عند الخلق ویکون مرجعہ فی کل الاحوال الی الحق تعالے (صوفی اُس وقت تک صوفی نہیں ہوتا جب تک کہ حالت یہاں تک نہ پہونچ جائے کہ زمین اوسے پناہ نہ دے آسمان اُس پر سایہ نہ ڈالے خلق خدا اُسے مردود مطرود نہ جانے اور ہر حالت میں اوس کا مرجع باری تعالیٰ ہی نہ ہو)۔
۵۶۹ ابوالحسن الحصری (م ۳۷۱ھ): خلیفہ گفت تصوف چہ باشد۔ گفت آن کہ از جہان بدون حق بہ ہیچ چیز آرام نہ گیرد و نہ سایہ و آن کہ کار خود با و گزارد کہ خداوند است و او خود با قضاے خویش تولا میکند۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ چون خداوند را یافت بہ ہیچ چیز دیگر بار نہ گیرد۔

نوٹ بقیہ صفحہ ۲۴۔ کا قول ہے کہ عارفین کے لیے عبادت مراتبات نفس (دم کشی) ہے۔ (تذکرۃ الاولیا)

۵۰۔ ابوالحسن الحسری:۔ صوفی آن ست کہ چون از آفات فانی گشت باسر آن نشود و چون روے فرا حق کرد از آن نیفتد و حوادث روزگار را در او اثر نہ باشد۔

۵۱۔ ابوالحسن الحسری:۔ صوفی آن ست کہ وجد او وجود اوست و صفات او حجاب اوست یعنی من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

۵۲۔ ابوالحسن الحسری:۔ صوفی آنست کہ او را موجود نیابند بعد از وجود خویش

۵۳۔ ابوالحسن الحسری:۔ تصوف صفاے دلست از کدورت مخالفات۔

۵۴۔ ابوعثمان المغربی۔ (۳۷۳ھ): تصوف قطع علایق است در نفس خلایق و اتصال حقایق۔

۵۵۔ ابوالعباس النہاوندی (۳۳۱ھ):۔ تصوف پنہان داشتن حالست و جاہ بذل کردن بہ برادران۔

۵۶۔ ابوالحسن الخرقانی (۴۲۵ھ):۔ صوفی بہ مرقع و سجادہ صوفی نہ بود و صوفی بہ رسوم و عادات صوفی نہ بود۔ صوفی آن بود کہ نہ بود۔

۵۷۔ ابوالحسن الخرقانی:۔ صوفی روزے بود کہ با آفتابش حاجت نہ بود و شبے کہ بماہ و ستارہ اش حاجت نہ بود و نیستی است کہ بہستیش حاجت نہ بود۔

۵۸۔ ابوسعید بن ابی الخیر (۴۴۰ھ) شیخ را پرسیدند کہ تصوف چیست گفت آن چہ در سر داری بنہی و آنچہ در کف داری بدہی و آنچہ بر تو آید نجہی۔

ایڈیٹر

ماخوذ از

جرنل آف دی رایل ایشیاٹک سوسائٹی
آف گریٹ برٹن اینڈ آیرلینڈ

——۰۰۰——

مجاز و حقیقت کی رمزین

(از یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای)

(۱)

گر بن آئی مری تقدیر سی تدبیر نہین — کیا ہوا نالے کو اس مین بھی تو تاثیر نہین

کیا تری دید سے غافل ہون کسی دم ایجان — کیا مری آنکھ مین پھرتی تری تصویر نہین

مین نکلنی نہین پاتا ترے کوچے سے کبھی — پھر یہ کیا ہے جو مرے پاؤن مین زنجیر نہین

نقشِ عنوان تماشا ہی مری آنکھون مین — یہ جو عالم ہے کسی اور کی تصویر نہین

اتنی سی بات پر آمادہ مرے قتل پہ ہو — طلب بوسہ مری جان کوئی تقصیر نہین

چاہتا ہون کہ مین خود جاؤن مگر ڈرتا ہون — گر بلا کون تو بن آتی کوئی تدبیر نہین

عین ہشیاری ہی بیہوشی و سرمستی عشق — مرے اس خواب کی یارب کوئی تعبیر نہین

کونسی چال ہے جس پر ادسی اپنا کرون — جادۂ عشق اگر جادۂ تسخیر نہین

آتش غم کے پھپھولے ہین کلیجے مین مرے — ورنہ سینہ مرا کچھ گلشن کشمیر نہین

کس کی صورت ہی ہر اک آئینے مین جلوہ فگن — نقشۂ غیر ہے کیا یہ تری تصویر نہین

تجھ سے صوفی کو جو کافر کہین پروا نہین شاد
کون وہ ہے کہ جو آمادۂ تکفیر نہین

(۲)

درد فرقت سے نہو دل کی تسلی نہ سہی — گر نہین لیتے خبر تم مری دلکی نہ سہی

نالۂ غم مین بھی لذت مجھے اب ملتی ہے — نہ سہی لب پہ مرے نغمۂ شادی نہ سہی

عکس اور شخص کی نسبت تو مجھے حاصل ہے — مری صورت تری تصویر سے اچھی نہ سہی
نہیں دیتے جو تسلی تو لگا دو خنجر — یہ بھی منظور نہ ہو تم کو تو یہ بھی نہ سہی
قابل جلوہ گہ یار تو دل ہے ای قیس — گر نہیں اس مین ابھی جلوہ لیلی نہ سہی
ساتھ پارس کے جو لوہا ہی سونا ہو جائے — تم مین جو کچھ ہی نہین مجھ مین وہ خوبی نہ سہی
تم بھی بانکے ہو ادا بھی ہو تمہاری بانکی — تم اگر بات نہین کرتے ہو سیدھی نہ سہی
کوزہ و جام بنانے کی تو تھی خاک مری — اس کے بھی کام کی گر یہ نہین مٹی نہ سہی
معرفت علم لدنی ہے کہون کیا تجھ سے — واعظا گر تو سمجھتا نہین معنی نہ سہی

اس مین بھی شک ہے تہین کیا کہ نہین بندہ رب
خیر کافر ہی سہی شاد وہ صوفی نہ سہی

سید احمد حسین امجد کی کہانی
ایڈیٹر دکن ریویو کی زبانی

نہین ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مری تن مین — ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن مین
ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی — کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن مین

مین بڑا ہی سخت جان ہون غرہ رمضان ۱۳۲۶ھ کی بلا انگیز تاریخ کو مجھ پر مصیبتون اور آفتون کا جو پہاڑ یکبیک ٹوٹ پڑا اُسکے نیچے آسمان بھی پس کر سرمہ ہو جاتا مگر مین ابھی تک زندہ ہون رود موسی کی قیامت آفرین طغیانی دکن کی تاریخ مین تو ہمیشہ یادگار رہے گی لیکن میرے صفحہ دل پر اس نے رنج والم درد و کرب اور یاس و حسرت کے جو آتشین نقش مرتسم کئے ہین ان کی طپش کا اشتداد باوجود اس فنا کے جو ہمہ چند باقی ماندہ انفاس کا نتیجہ ہے بقا پر بھی سبقت لے جائے گا ایڈیٹر صاحب دکن ریویو

کی فرمایش ہے کہ اس ہولناک واقعہ کے متعلق جس کی یاد سے میری روح لرزتی ہے اور دماغ چکر مین آتا ہے اپنی قوت حافظہ پر ظلم اور ناظرین دکن ریویو کی لاعلمی پر رحم کر کے جو کچھ ہو سکے سپرد قلم کرون اس فرمایش کی تعمیل سے مین مطلقاً قاصر ہون اس لیے کہ نہ دماغ کام دیتا ہے نہ قلم خیال مین وہ اگلی سی رعنائی نہین اور قلم سے وہ پہلی سی روانی مفقود ہے۔ محض بر سبیل امتثال امر جو کچھ مجھ پر بیتا ہے وہ اُن کے اور چند احباب کے سامنے دہرا دیا۔ اگرچہ لکنت زدہ زبان نے اس اعادہ کا حق بھی ادا نہ کرنے دیا۔ ہر ہر لفظ نے زبان آبلے ڈال دیئے اور ہر ہر حرف آتشپارہ بن کر کام و دہان سے جا چپٹا۔ ایسی حالت مین جب کہ دل ہاتھ سے جا چکا ہے اور دماغ ماؤف ہو رہا ہے مجھ سے خیالات کے تسلسل اور عبارت کی رنگینی کی توقع لاحاصل ہے۔ یہ کام مین ایڈیٹر دکن ریویو کے قلم کے لیے چھوڑتا ہون اور اپنی الم انگیز سرگذشت بیان کرتا ہون۔

میرا مکان جس کا اب نام و نشان تک باقی نہین چہادر دروازہ کے قریب موسی ندی کے جنوبی ساحل پر ندی سے کوئی سو گز کے فاصلہ پر واقع تھا اس گھر مین چار آدمیون کا ایک چھوٹا سا کنبہ رہتا تھا یعنی مین میری والدہ میری بی بی اور میری ایک چار سال کی بچی۔ فراخی و فرخی جو تمول کا لازمہ ہے وہ تو مسلمانون کے طبقہ متوسط مین آج کل کسے نصیب ہوتی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگون کی گزران غریبانہ طریقہ پر اچھی طرح ہوتی تھی مین جو کچھ کماتا تھا اپنی مان کے سامنے لا رکھتا تھا اور وہ اس سلیقہ سے اُسے خرچ کرتی تھین کہ محلہ والون پر ہمیشہ ہمارا بھرم قائم رہا اور وہ شرافت جس سے دولت جھینپتی ہے شب و روز ہمارے دروازے کی پاسبانی کرتی رہی۔ کسب معاش کی پریشانیان گو مجھے آزردہ دل کرتی تھین اور میدان زندگی مین دوڑ دھوپ کرتے کرتے مین خستہ و ماندہ ہو جاتا تھا لیکن دن بھر کی

محنت کے بعد جب شام کو گھر آتا تھا تو یہ آزردہ دلی اور درماندگی اُن پاک خوشیوں اور بے لوث مسرتوں سے بدل جاتی تھی۔ جو مجھے اپنی ماں بی بی اور بچی کی محبت بھری نگاہوں سے ٹپکتی ہوئی نظر آتی تھیں اطمینان و مسرت کا یہ زمانہ جس کی یاد میرے سینے پر سانپ بن بن کر لوٹتی ہے۔ شعبان ۱۳۲۶ھ کی آخری تاریخ کی رات کے ۸ بجے تک قایم رہا۔

تین دن سے مینہ موسلادھار برس رہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کے دریچے کھل گئے ہین اور اُس میزاب کا سیلان جس نے نوح علیہ السلام کے زمانہ مین عراق عرب کو غارت کر دیا تھا حیدرآباد دکن کو بھی غرقاب کرنا چاہتا ہے۔ بادل جھوم جھوم کر اٹھتا تھا اور اپنے سیاہ جال مین آفتاب کی کرنون کو جو سنہری روپہلی مچھلیون کی طرح اس مین سے تڑپ تڑپ کر نکلنے کی بے فائدہ کوشش مین مصروف تھین برابر پھانستا جاتا تھا۔ اُن پہاڑ دن مین سے جو نواح حیدرآباد مین جا بجا اپنے اونچے سر نکالے ہوئے نظر آتے ہین کسی ایک پر چڑھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صانع قدرت نے ایک بہت بڑا پیالہ بنایا ہے جسکے اطراف یاقوت و زبرجد کے ہین اور پیندا زمرد کا ہے۔ یہ زمردین پیندا حیدرآباد ہے ناممکن تھا کہ وہ شراب جو" انزلنا من المعصرات ماء ثجاجا "کی صراحی سے انڈیلی گئی تھی اور جس سے ۳۶ گھنٹے کے عرصہ مین بقدر ۱۶ انچ کی گہرائی کے آسمان کا خم خالی کر دیا گیا رنگ نہ لاتی اور اس پیالے کو چھلکا نہ دیتی سر شام ہی سے ندی لبریز ہو کر اپنے دونون ساحلون کی طرف سیل بلا کی طرح بڑھنے لگی یہ حالت دیکھ کر ہمارے محلہ مین کہرام مچ گیا لوگ اپنے اپنے گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر گھٹی پھیلی کمان اور دوسرے مقامات کی طرف جو زیادہ بلندی پر واقع ہین بھاگنے لگے۔ لیکن بعض لوگون کا جن کے ہوش و حواس بر جا تھے (اور شومی قسمت سے میرا شمار بھی

انہین مین تہا) یہ خیال تہا کہ ندی جتنا چڑہنا تھا چڑہ چکی اب کوئی دم مین اُتر جائیگی
اس وقت ۸ بجے تھے اور کل محلے مین گھٹنون گھٹنون پانی چڑہ آیا تھا۔
میرے گھر مین علاوہ میرے تین متعلقین کے میرے نو دس اعزا و اقربا نے
بھی یہ سمجھ کر کہ بمقابلہ دوسرے مکانون کے یہ زیادہ محفوظ ہے آکر پناہ لی تھی
مین نے والدہ سے مشورہ کیا کہ ایسے مین جبکہ پانی ابھی سر سے نہین گزرا ہمین
بھی گھر چھوڑ کر کسی محفوظ مقام کی طرف چل دینا چاہیے یا نہین۔ لیکن توکل
نے جو اس نیک نہاد اور پاک نفس عفیفہ کی سیرت کا گل سرسبد تہا۔ یہی جواب
دلوایا کہ موت جس سے کوئی بھاگ نہین سکتا اگر آہی گئی ہے تو یہان سے
جانا فضول ہے۔ اس کے علاوہ تقدیر نے جو تدبیر پر ہمیشہ ہنسا کرتی ہے ہم
سب کے پاؤن مین زنجیرین ڈال دین۔ غرض مکان کے پھاٹک کو جو پانی کے
ریلے کی تھوڑی بہت مزاحمت کر رہا تھا اپنے اور اپنے متعلقین کی سلامتی
سونپ کر مین لمحہ شماری کرنے لگا۔ پانی صحن کے اندر رینڈلیون رینڈلیون چلا آیا
تھا اسلیے ہم سب لوگ مجبور ہو کر چھت پر چڑہ گئے۔ اب پابوسی سیل نیا
رنگ لائی۔ محلے کے مکانات جن کی بنیادین اُسکی تواضع پر تکیہ کیے ہوے تھین
دھڑا دھڑ گرنا شروع ہوے اور اوس جنگ عناصری کو جس کی بلا آفرینی کی ضامن
رودموسی کی کوہ پیکر موجین تھین ان خوفناک آوازون نے اور بھی زیادہ
مہیب کر دیا۔ بلکتے ہوئے بچے سہم گئے۔ عورتین جو کچھ دیر پہلے وقف نالہ و بکا
تھین اس نئی مصیبت سے مبہوت و بیخود ہو کر رہ گئین۔ مردون کے چہرون پر
یاس و حسرت چھا گئی۔ جو مکان میرے مکان کے سامنے تھا دیر تک سیلاب کا
مقابلہ کرنے کے بعد آخر کار بڑے زور سے گرا اور اُس پھاٹک کو جواب تک
سینہ سپر ہو کر ہمین فنا کے گھاٹ اُترنے سے بچاے ہوئے تھا لیکر سپرد زمین

ہوگیا۔ پھاٹک کا ٹوٹنا تھا کہ پانی کا ایک زبردست ریلا زبان حال سے یہ کہتا ہوا صحن مین داخل ہوا۔

از صحن خانہ تا لب بام از آن من
وز بام خانہ تا بہ ثریا از آن تو

صدہا مکانون کے گرنے سے ملبے کے بڑے بڑے پشتے قایم ہو گئے تھے جو اونچائی مین ان مکانون کی چھتون کے برابر تھے جو ابھی تک گرے نہ تھے۔ مین اوس امید کے سہارے جو کسی حالت مین انسان کا ساتھ نہین چھوڑتی مان اور بی بی کا ہاتھ تھامے اور بچی کو کاندہے پر اُٹھائے ہوئے ایک پشتہ پر پڑلیا اور ٹھوکرین کھاتے ہانپتے کانپتے کچھہ دیر کے بعد جس کا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے ایک ایک برس سے کم نہ ہوگا ہم چبوترہ کی شکل کے ایک بلند مقام پر پہونچ گیے جسکی سطح پانی کی رو سے چار پانچ فٹ اونچی ہوگی۔ معلوم نہین کہ اس سلامتی کے مقام تک ہماری رسائی کس طرح ہوئی کیونکہ ہر طرف اندھیرا گھپ چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہین دیتا تھا۔ مینھ لگاتار برس رہا تھا اور کالے بادل کے بیرحم ہاتھ نے سقف فلک پر تارون کی تمام قندیلین کو ایک ساتھ بجھا دیا تھا۔ بہر حال جون تون کرکے ہم اس چبوترہ پر پہونچے اور سجدہ شکر بجا لائے کہ جان تو بچی۔ لیکن یہ سجدہ قبل از وقت تھا۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ ندی بلیون اُچھل رہی تھی پانی لحظہ بلحظہ بڑھتا جا رہا تھا موجون کے شور اور گرتے ہوئے مکانون کے دھماکے سے جو توپون کی گرج کے مشابہ تھا دل کی جو کیفیت ہو رہی تھی اس کی داد تصور ہی دے تو دے قلم سے تو دی نہین جاتی۔

ادھر جسم کی یہ کیفیت تھی کہ بلاشبہ اگر کاٹا جاتا تو خون کا ایک قطرہ نہ نکلتا کیونکہ

سردی سے ہاتھ پاؤں ٹھٹھر کر رہ گئے تھے اور ہر ایک عضو شل ہو گیا تھا یہ
کوئی خرق العادۃ قوت ہی تھی جس کے بوتے پر ہم اتنے گھنٹوں سے اس مصیبت
مین اس چبوترے پر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی سکت باقی تھی بیکسیت
کیا تھی شمع کی اس آخری ٹمٹماہٹ کی طرح جو تھوڑی دیر کے لیئے محفل کو اپنے
پھیکے نور سے روشن کرکے ہمیشہ کے لیئے گل ہو جاتی ہے ہمارا یہ آخری سنبھالا
تھا۔ جب ہم چبوترے پر آئے تھے تو پانی انکی ہنڈیپھار نٹ نیچے تھا لیکن جون جون
ندی چڑھتی گئی وہ بھی بلند ہوتا گیا یہان تک کہ جب رات کے ۲ بجے تو پانی
چبوترے پر آ گیا اور ہمارے رہے سہے حواس گم ہو گئے پھر بھی امید جو کسی حالت
مین انسان کا ساتھ نہین چھوڑتی اس موہوم سے خیال سے ہمت بندھانے کی
کوشش کرتی تھی کہ پانی کوئی دم مین اتر جائیگا۔ میری والدہ اور بیوی رہ رہ
کر مجھ سے پوچھتی تھین کہ کیا پانی کے اترنے کی کوئی امید ہے اور مین ان کی تشفی
کی غرض سے یہ جواب دیدیتا تھا کہ ہان اب کوئی دم مین اترا جاتا ہے۔ تضرع اور
زاری خضوع اور خشوع کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو ہم نے اپنی ان انگنت دعاؤن
مین چھوڑ رکھا ہو جو ہمارے دلون کی طرح آج کی طوفان خیز اور مصیبت زا رات کو
ہزار ہا دلون سے نکل کر باری تعالے کے آستانہ جلال سے ٹکرائی ہونگی لیکن
آج کی رات شاید وہ رات تھی جبکہ رحمت اور اجابت کے دروازے بند کر دئے
گئے تھے۔ کیونکہ باوجود خلوص کے اور باوجود سچائی کے کسی کی دعا مقبول نہ
ہوئی۔ قہر پر قہر غضب پر غضب آفت پر آفت ٹوٹتی چلی گئی۔

مجھے اس خوفناک وقت مین رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ کیا وہ خدا جس نے
اپنے بندون سے اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کا وعدہ کرکے فلیستجیبوا لی
کا حکم دیا ہے اپنا وعدہ بھول گیا ہے یا اپنے ارشاد کو نظر انداز کر بیٹھا ہے اور اگر کچھ

کچھ دیر کے بعد میری والدہ جن کا ایمان اس علم کا شرمندہ احسان نہ تھا جو حجاب اکبر ہے اپنی تسبیح و تہلیل سے میرے کانون کے لیے سامان ایقان نہ بہم پہونچائی رہتین تو میرے کافر ہونے مین شک ہی نہ تھا۔

یاس و امید کی اسی ادھیڑ بن مین لمحے پر لمحے اور ساعتون پر ساعتین گزرتی چلی گئین پانی ایک، ایک انچ بڑھتا ہوا پاؤن سے ٹخنون۔ ٹخنون سے پنڈلیون۔ پنڈلیون سے گھٹنون اور گھٹنون سے کمر تک آپہونچا۔ اب حقیقتاً موت کا نقشہ آنکھون مین پھر گیا۔ ہم تینون نے اس خیال سے کہ بہین تو ایک ساتھ بہین۔ ڈوبین تو ایک ساتھ ڈوبین۔ ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔ بچی کو جو حیرتناک تحمل سے ہمارے ساتھ اس شب بلا کی ناقابل بیان مصیبتون کو برداشت کرنے مین شریک تھی اور دیر سے باوجود صحیح الحواس ہونے کے بالکل نہ روئی تھی مین نے اپنے کندھے پر جو اس وقت بجاے گوشت اور خون سے مرکب ہونے کے لکڑی کا ایک بے حس کندہ بنا ہوا تھا بٹھا رکھا تھا۔ پانی مین کھڑے کھڑے ہمین ساری رات گزر گئی تھی اور اس وقت صبح کاذب نمودار ہو رہی تھی۔ وہ صبح کاذب جس کی سیاہی ہمارے نصیبون کی سیاہی سے بھی زیادہ تیرہ و تار تھی۔ جس کا اجالا ہماری بگڑی تقدیر ہمارے پھوٹے مقدر کے حق مین خندہ دندان نما تھا۔ جس کا یہ ڈراونا تاروپود اوس گلیم کے بننے مین کام آرہا تھا جو بازار فنا مین بکتی ہے۔

اب پانی کمر سے بڑھ کر سینے تک آپہونچا۔

باقی آیندہ

ایڈیٹر

سب کمیٹی فراہمی چندہ برائے امداد مصیبت زدگان طغیانی رود موسیٰ

مصیبت زدگان طغیانی رود موسیٰ کی امداد کے لیے جو سرمایہ جمع کیا جارہا ہے۔ اوس کی فراہمی کے لیے علاوہ سنٹرل فلڈ ریلیف کمیٹی کی بلا واسطہ مساعی کے جن مین عالیجناب مدار المہام سرکار عالی کی ذاتی کوششون کا بہت بڑا حصہ شریک ہے ایک سب کمیٹی جس کے آنریری سکرٹری ہونے کی عزت ہمین حاصل ہے اس غرض سے قایم کی گئی ہے کہ جن جن لوگون کو ابھی تک اس سرمایہ کی اعانت کا موقع نہین ملا اون سے چندہ وصول کرنے کی تدابیر اختیار کرے سب کمیٹی کے انعقاد کو تین ہفتہ کی قلیل مدت منقضی ہوئی ہے اور اس کی عملی کارروائی کے آغاز کو دو ہی ہفتہ ہوتے ہین۔ اس مدت مین اس نے کم وبیش ساڑہے چھ ہزار روپیہ جمع کیا ہے۔ یہ رقم اگرچہ اوس مصیبت کے لحاظ سے جو ملک پر نازل ہوئی ہے کوئی حقیقت نہین رکہتی لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ پیسہ پیسہ دو دو پیسے کرکے فراہم کیا گیا ہے اور جن جن لوگون نے چندہ دیا ہے بطیب خاطر و برضا و رغبت خود چندہ کے صحیح مفہوم کو سمجھ کر دیا ہے تو اس رقم کی اہمیت بہت کچھ بڑھ جاتی ہے۔ اس رقم کے فراہم کرنے مین سب کمیٹی کو مختلف طریقے ملک کے قدیم و جدید مذاق کو پیش نظر رکھ کر اختیار کرنے پڑے۔ چنانچہ ایک طریقہ یہ تھا کہ آرایشی سامان تجارت کی ایک دکان قصبہ الوال مین جو حیدرآباد سے دس میل کے فاصلہ پر جانب

شوال واقع ہے - غرہ بہمن ۱۳۱۸ف کو لگائی گئی - الوال مین ہر سال ایک بہت
بڑی جاترا کسی ہندو دیوتا سری بالاجی کی ہوتی ہے اور چونکہ یہ علاقہ عالیجناب
مہاراجہ مدار المہام بہادر کی جاگیر ہے اس لیے جناب ممدوح اس زمانہ مین اکثر
یہان آکر قیام فرماتے ہین اور جاترا کے کل مصارف جو کوئی آٹھ دس ہزار
روپیہ کے قریب ہوتے ہین اپنے جیب خاص سے ادا فرماتے ہین - غرض
ہفتہ بھر الوال مین خوب چہل پہل رہتی ہے اور ہزارہا آدمیون کا دن رات
مجمع رہتا ہے - عالیجناب مہاراجہ مدار المہام بہادر کی سرپرستی اور توجہ خاص سے
رفیق شباب کی کامیابی مین جو حصہ لیا وہ اپنی مثال آپ ہے - جن امراے
دولت کو جناب ممدوح نے دعوت ایٹ ہوم دی تھی اون سب نے بمعیت
جناب ممدوح دکان مین قدم رنجہ فرما کر کچھ نہ کچھ مال خریدا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
سب کمیٹی کی مجموعی آمدنی اس موقع پر دو ہزار ایکسو روپیہ ہوئی - جلسۂ ایٹ ہوم
مین جب واجب الاحترام میزبان اور اوس کے عالیمقام مہمان ایک جگہ جمع تھے
تو ہم نے ایک نظم جو جلدی مین اس موقع کے لیے لکھی گئی تھی پڑھ کر ان اعیان
دولت سے استدعا کی کہ دکان مین چل کر رونق افروز ہون - وہ نظم ذیل مین ہدیہ
ناظرین ہے

تماشا مین نے دیکھا ہے بہت نیرنگ امکان کا — مرا دل آئنہ ہے گنبد گردون گردان کا
ہزارون بار کی دیکھی ہوئی ہے محفل عالم — میری آنکھون مین جلوہ ہے سب اسکے سامان کا
کبھی دیکھی ہے ہر شکل نازنین ماہ درخشان کی — کبھی دیکھا ہے روے خشمگین خورشید تابان کا
اوچھلتی بجلیون دل کو کبھی پایا ہے پہلو مین — کبھی دیکھا ہے جلنا بزم تن مین مشعل جان کا
ہزارون جشن جمشیدی میری نظرون سے گزرے ہین — چھلکنا مین نے دیکھا جب کبھی جام زرفشان کا
بصیرت کی جھروکے سے مری چشم جہان بین نے — دکھایا کر و فر مجھ کو فریدون اور سلیمان کا

یہ سب کچھ دیکھ کر جو جشن مین نے آج دیکھا ہے — نہ ہوئیگا کبھی بین عالم اوسکی رونق و شان کا

ہوئے ہین جمع اعیان دکن اول مین سارے — یہان ہوتا ہی مجمع ہر برس کفر اور ایمان کا

مگر وہ کفر صوفی کے لیے جو مین ایمان ہے — بصیرت کو نظر آتا ہے جلوہ جسمین عرفان کا

چلے آتے ہین تیرتھ کو ہزارون حسن کے پتلے — کوئی ٹیڑہا کوئی ترچھا کوئی تیکھا کوئی بانکا

نظر میلے کا جوبن لوٹتی ہے لاکھ حیلون سے — لسے دیکھا اوسی گھورا یہان تاکا وہان جھانکا

ہوا کو گرد کے مانند پیچھے چھوڑتی آئی — گمان ہوتا ہے موٹر پر یہان تخت سلیمان کا

ہزارون سر کے بل اور آنکھ کے بل چل کے آئے ہین — برستا ہے یہان نیسان کسی لطف و احسان کا

یہ رونق جس کے دم سے ہے وہ دستور معظم ہے — دکن کے مسند آرا میر محبوب علیخان کا

یمین السلطنة ہز اکسلنسی سر کشن پرشاد — بنا لطف و کرم جنکا ہے سرمہ چشم احسان کا

فسون سازی یہ ہے سرکار کے اقبال و دولت کی — بیابان پر یہین ہوتا ہے دہوکا صحن بستان کا

اک ادنی سا کرشمہ اونکی حشمت کا یہ رونق ہے — گلستان سے قیاس اہل نظر کر لین بہاران کا

ثوابت اور سیارے آج گردون سے اتر آئے — زمین پر جگمگاتا ہے مشتری و ماہ و کیوان کا

پتہ مہمان کی شان کا لگانا کچھ نہین مشکل — یمین السلطنة جب میزبان ہو خانخانان کا

شکوہ و شوکت و فر کا بیان جسوقت ہوتا ہے — لقب ہوتا ہے فخر الملک کا زیبا اسکی عنوان کا

معین الدین خان کو دیکھ کر یاد آگیا قصہ — بجھے سر آسمان جاہ رفیع القدر کی شان کا

امارت کا مرقع یہ ہے اور سالار جنگ اسمین — پتہ دیتا ہے اپنے خاندان کی شوکت و شان کا

رعایا کی مصیبت سے پر ان سب کا پسیجا دل — چلا ہے درد بن کر رہنما خود آج دربان کا

قدم رنجہ دکان مین گر یہ فرمائین زہے قسمت
ہمارا ہاتھ ہو اور قبضہ ان کے جیب و دامان کا

جانثار اسکے ختم ہوتے ہی جب دکان اٹھائی گئی تو ہمین خیال پیدا ہوا کہ یہی زمانہ گاگہ

سکے مشہور عرس کا ہے۔ اس موقع سے بھی فائدہ اوٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ بحصول اجازت جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب سنٹرل ریلیف سکریٹری جن کی سب بے غرضانہ مساعی بے مثل ایثار نفس اور خالص ہمدردی بنی نوع انتظام ریلیف کی تاریخ مین ہمیشہ سونے کے حروف مین لکھی رہے گی۔ ہم سیدہے گلبرگہ پہونچے اور وہان مختلف طریقون سے چندہ فراہم کرنے مین پانچ دن تک مصروف رہے۔ مولوی محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار۔ راجہ اندر کرن بہادر اول تعلقدار اور متعدد دوسرے سرکاری و غیر سرکاری اصحاب کی ہمدردی آمیز اعانت کی بدولت یہان بھی توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی اور ساڑھے تین ہزار چندہ ہوا۔ باشندگان گلبرگہ کا ایک جلسہ بصدارت مولوی محمد یوسف الدین صاحب۔ ہفت گنبد مین منعقد ہوا تھا جس مین اغراض و مقاصد ریلیف فنڈ ہم نے بوضاحت بیان کیے تھے۔ اس موقع کے لیے بھی جلدی مین دو چار شعر ہم نے اپنی نوٹ بک مین ٹانک لئے تھے۔ وہ بھی ناظرین کرام کی خدمت مین پیش کئے جاتے ہین۔

کس سے اس گرمی ہنگامہ کا معلوم ہو راز
جس سے کیفیت سوز آج ہوئی غیرت ساز

ہدف ناوک غم ہے جگر خستہ مرا
مگر اس غم کے سرور اور طرب ہین دمساز

درد پر لذت کو نہین نشار آج ہوئی
دل پر درد مرا ہے جسے سرمایہ ناز

رشک صد دانہ یاقوت ہے یک قطرہ خون
جس کی دیتے ہین شہادت مری مژگان دراز

زد کش گوہر یکدانہ ہین میرے آنسو
حقہ لولوے لالا ہے میرا سوز و گداز

آستان سجدہ گہ خیل ملایک ہے مرا
آج ہم پایہ معراج ہوئی میری نماز

کیون ہوئی آج مجھے ایسی فضیلت حاصل
کیون بڑھا ہے مرا اس درجہ شرف اور اعزاز

فیض کس کا ہے یہ مٹی ہوئی جس سے اکسیر
جس سے محمود کے رتبہ کو پہونچتا ہے ایاز

خوشہ چین فیض سے آج ادس کے ہوے بادشا
جس کو بخشا ہے ارادت نے لقب بندہ نواز

حضرت خواجۂ گلبرگہ کہ اس سے کے انوار
ہر طرف آج بصد مین ہوسے جلوہ طراز

خواجہ سے نے مشعل اسلام جلائی جس دم تت
بن گیا صحن دکن روکش وادی حجاز

مضمر اس مین ہوسے توحید و رسالت کے رموز
دخل گر یا بھی گیا اُس کی حقیقت مین مجاز

اوس نے سکھلایا ہمین کسب حقایق کا لزوم
اوس نے جتلایا ہمین ورک معارف کا جواز

جلوہ افروز ہوا مسند عرفان پہ وہ جب
دیکھتے دیکھتے آنکھون سے اُٹھا پردۂ راز

دل پگھل جاتے تھے جس دم تت وہ کرتا تھا نظر
نگہ ناز مین تھا اُس کے چھپا راز نیاز

وہ تو اب خلد مین ہے اور زمین والون کے
دل ہوسے ترک خفی بلکہ جلی سے دمساز

پردہ اوہام کا اب بھی جو اُٹھے کانون سے
عالم قدس سے سن لین گے ہم اُس کی آواز

درد سے ہو گئی دلہاسے خلایق عاری
بہول تم سب گئے ایثار علی النفس کا راز

جو مصیبت مین نہ کام آسے کسی کو انسان
ایسے انسان پہ ہوگا نہ ورد رحمت باز

ایڈیٹر

شور محشر

وہ دلگداز نظم جو مولوی ظفر علیخان صاحب بی۔ اے نے اہل حیدرآباد کے ایک عظیم الشان جلسہ مین جس کا انعقاد بہ تعمیل فرمان رحمت ترجمان حضور آصفجاہ سادس خلد اللہ ملکہٗ۔ مصیبت زدگان طغیانی رود موسی کی امداد کی غرض سے بہ صدارت صدر اعظم دولت آصفیہ ہوا پڑھی تھی ایک چھوٹی سی خوشنما کتاب کی شکل مین تیار ہے قیمت ۱؎

منیجر دکن ریویو

غزل

دل میں شرارت اُس کی سمائی ہوئی سی ہے
کچھ آگ دشمنوں کی لگائی ہوئی سی ہے

صورت عتاب کی یہ بنائی ہوئی سی ہے
او حیلہ گر ہنسی تجھے آئی ہوئی سی ہے

بادِ صبا یہ چال اُڑائی ہوئی سی ہے
یہ تو ادا کسی کی سکھائی ہوئی سی ہے

ہستی کا شور تو ہے مگر اعتبار کیا
جھوٹی خبر کسی کی اُڑائی ہوئی سی ہے

میں کس طرح فلک کے ستم کا گلہ کروں
چلتا ہے جو یہ چال سکھائی ہوئی سی ہے

شاہانِ سرفراز کا اتنا تو ہے نشان
کچھ گرد آسمان پہ چھائی ہوئی سی ہے

کچھ ایسا تفرقہ نہیں اسلام و کفر میں
دونوں طرف سے بات بڑھائی ہوئی سی ہے

دلکش عجب طرح کی صدائے الست تھی
کانوں میں آج تک جو سمائی ہوئی سی ہے

منزل اُسے سمجھ کے کمر کھولتے ہیں ہم
بستی جو رہزنوں کی بسائی ہوئی سی ہے

اُس بت کی دید کو نظرِ پاک ہیں ہے شرط
اور آنکھ آئینہ کی لگائی ہوئی سی ہے

پہلے تو اضطراب نہ تھا دل کو اس قدر
بجلی یہ آسمان کی گرائی ہوئی سی ہے

رنگین ہے میرے قتل سے دامن بھی یار کا
تلوار بھی لہو میں نہائی ہوئی سی ہے

پانی نہ مانگا کشتۂ شمشیرِ ناز نے
افعی کے زہر میں یہ بجھائی ہوئی سی ہے

آمد ہے ظلمتِ شبِ ہجراں کی دن سے آج
تاریکی آفتاب پہ چھائی ہوئی سی ہے

جلسہ تو ہوگا عید میں دورِ شراب کا
سُرخی ابھی سے چہرہ پہ آئی ہوئی سی ہے

نالے اُسی طرف ہیں رواں آہ اُسی طرف
جانِ حزیں فلک کی ستائی ہوئی سی ہے

زلفیں بھی حلقہ حلقہ ہیں کاکل بھی پیچ پیچ
آنکھوں میں وہ یہ دل میں سمائی ہوئی سی ہے

فصلِ بہار آگئی پیتے ہی ایک جام
ساقی گھٹا بھی آنکھوں میں چھائی ہوئی سی ہے

سمجھو اُسے بنے ہوئے شاعر کا ہے کلام
جس شعر میں کہ بات بنائی ہوئی سی ہے

آسان ہے نظم ترکِ ملاقات خلق سے
دل میں مگر بری یہ سمائی ہوئی سی ہے

ہز امپیریل مجسیٹی شی شہنشاہ بیگم چین

اس پچاس سال کے عرصے مین مشرق مین ایسے ایسے نامور عالی دماغ اُلوالعزم اور اپنے ملک کے خیر خواہ ہو گزرے ہین جن کے کامون کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ اِن کی محنت رائگان نہ جائے گی۔ اور درحقیقت رائگان نہین گئی۔ جاپان کی ترقی۔ ایران کی بیداری۔ ترکی کا انقلاب۔ مصر کا جوش اور ہلچل۔ چین کی حرکت اور ہندوستان کی جد وجہد انہین بزرگون کی محنت کا نتیجہ ہے۔ چند ہی روز کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایشیا کے اسٹیج سے ایک اور نامور شخص اُٹھ گیا ہے۔ یہ چین کی نامور ملکہ شی ہے[1]۔ یہ عورت بھی عجیب و غریب ہوئی ہے۔ اُس نے چالیس سال تک چالیس کروڑ بندگان خدا پر اس قابلیت قوت تدبر اور طنطنہ کے ساتھ حکومت کی کہ دنیا کے بڑے بڑے مدبّر اس کے کارنامون کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اور علاوہ مستقل مزاج مدبّر اور عالی دماغ ہونے کے وہ پولٹیکل چالون مین بھی ایسی ہی ماہر تھی جیسے یورپ کے بڑے سے بڑے مدبّر۔ ایشیا مین قدیم وجدید زمانہ مین بہت سی تاجدار عورتین گزری ہین۔ لیکن ہمین اس وقت کوئی ایسا نام نظر نہین آتا جسے ہم اس نامور ملکہ کے مقابلے مین لے سکین۔ اس ملکہ کا نام چین کی تاریخ مین نہین بلکہ دنیا کی تاریخ مین ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کیا یہ مشرق کی بیداری اور ترقی کے آثار نہین ہین؟ کیا اب بھی کپلنگ اور اس کی برادری والے یہی کہین گے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اور مشرق مغرب کو نہین پہنچ سکتا؟

شی درحقیقت حکومت وحکمرانی کے لئے پیدا ہوئی تھی اگرچہ نہ وہ شاہی محل مین پیدا ہوئی نہ شاہانہ ناز ونعم مین پلی۔ بلکہ وہ ایک منچو خاندان سے تھی اور اُس

[1] جس کی تصویر اس دفعہ کے پرچہ کی زیب عنوان ہے۔ ایڈیٹر

شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی جس نے ایک زمانہ مین چین مین اڑہائی سو سال تک حکومت کی تھی لیکن مثل اور بدقسمت شاہی خاندان والون کے اُسے بھی فلاکت و مصیبت کا ذائقہ چکھنا پڑا۔ اس کی زندگی خاصا فسانہ ہے۔

شی کا باپ سرکاری ملازم تھا لیکن گروش زمانہ سے تباہ ہوگیا تھا یہان تک کہ نان شبینہ کو محتاج ہوکر نہایت افلاس کی حالت مین کنٹن پہنچا۔ اِس وقت یہ چار آدمی تھے یعنی شی اُس کا باپ مان اور ایک بھائی۔ چونکہ شی منچو تھی اس لئے وہ پاؤن باندھنے کی تکلیف دہ رسم سے محفوظ رہی۔ وہ ایک خوبصورت اور جفاکش لڑکی تھی اور غالبًا دوسرے غریب لوگون کے بچون کی طرح وہ اپنے خاندان کے لئے لکڑیان چنتی اور گوبر اُٹھاتی ہوگی۔

۱۸۳۶ء مین جب یہ لوگ جلاوطن ہوکر کنٹن مین آئے تو اُس وقت اس کی عمر چار سال کی تھی۔ باوجود تمام محنت اور کوشش کے شی کے والدین اپنا اور اپنے بچون کا پیٹ نہ پال سکے۔ جنوبی چین مین جہان یہ رہتے تھے جب کسی خاندان پر ایسی مصیبت آپڑتی ہے کہ وہ روٹیون تک کو محتاج ہوجاتا ہے تو نجات کی صرف ایک تدبیر ہے کہ اپنی ایک لڑکی کو بیچ ڈالین۔ اور ایک لڑکی جس کی صورت اچھی ہو ایک معقول رقم بلکہ نوٹ ہے اُن کا قول ہے کہ تم اگر اپنی لڑکی کو کھلا پلا نہین سکتے تو بہتر ہے کہ اُسے بیچ ڈالو اور اس کی آمدنی سے اپنے دوسرے بچون کا پیٹ پالو۔ کہتے ہین کہ شی نے خود اپنے والدین سے درخواست کی کہ مناسب ہے کہ مجھے بیچ کر آپ اِس تکلیف سے نجات حاصل کیجئے۔ شی کا والد اِس پر چین بجبین ہوا کیونکہ وہ شمال کا رہنے والا تھا اور خاندان منچو سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن بھوک سب سے بڑی مشیر ہے آخرکار اُسے مجبور ہوکر شی کو ایک سوداگر کے ہاتھ بیچنا پڑا۔

تعجب ہے کہ اس لڑکی نے لکھنا پڑھنا کہان سے سیکھ لیا۔ کیونکہ چین مین عورتون کو
تعلیم دینا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ
ایک لڑکی جو باندیون کی طرح بکی۔ ایک ایسے اعلیٰ رتبہ پر پہنچ گئی جسے تمام دنیا
حیرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور خصوصاً چین سے ملک مین جہان اس امر کا تصور
کرنا بھی غیر ممکن ہے کیونکہ اس ملک مین عورت بہت ذلیل سمجھی جاتی ہے اور اسکے
حقوق بہت محدود ہین۔ ڈاکٹر سمتھ اپنی کتاب مین لکھتے ہین کہ:۔

"اُس مسئلہ کے متعلق چینیون کے اصول اور تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ عورت
مرد سے ایسی ہی کم درجہ ہے جیسے زمین آسمان سے اور وہ مرد کے رتبہ کو کبھی نہین
پہنچ سکتی۔ چینیون کے فلسفے کے مطابق موت اور بُرائی ین سے پیدا ہوئے جو
عورت تھی۔ اور حیات ورفاہیت کے قابو لانے سے پیدا ہوئے اور اُسے قابو مین
لانے والا ینگ یعنی مرد تھا۔ اس لئے عورت کو قبضے مین رکھنا اور اُسے کسی قسم
کی آزادی نہ دینا اُن کے نزدیک قانون قدرت کے عین مطابق ہے"

عورت کی ذلت چینیون مین یہان تک ہے کہ شیر خوار لڑکیون کا مار ڈالنا قتل
نہین سمجھا جاتا۔ اُن کے ہان ایک ضرب المثل ہے کہ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ اور قابل
سے قابل لڑکی ایک بھدے اور چوڑے پاؤن والے لڑکے کی برابری نہین کرسکتی۔
مس فیلڈ اپنی کتاب مین لکھتی ہین کہ ۱۶۰ چینی مائین جنھون نے ۶۳۱ بیٹے اور ۵۳۸
بیٹیان جنین اس امر کا اقبال کرتی ہین کہ اُنھون نے اُن مین سے ۱۵۸ بیٹیون کو
مار ڈالا۔ ایک عورت جسے نہایت بدقسمت خیال کرنا چاہیئے کہتی ہے کہ مین نے
اپنی گیارہ بیٹیان مار ڈالین۔

لیکن باوجود مرد کے اس قدر زور و قدرت کے وہان بھی عورتین کبھی کبھی
اس ذلت وخواری سے ابھرتی ہین۔ جس کی سب سے زیادہ روشن مثال چین کی

ملکہ مرحومہ شی ہت۔ نواڈی درجہ سے شہنشاہیت کے رتبہ تک پہونچی اور قریباً
چالیس سال تک دنیا کے سب سے بڑے ملک پر حکومت کی۔ اور صرف حکومت ہی
نہین کی بلکہ حکمرانی اور تدبر کی داد دی اور بعض ایسے موقعون پر جب کہ دنیا کی تمام مہذب
سلطنتین اس کے مقابلہ پر تلی ہوئی تہین وہ اپنا بیڑا صاف نکال لے گئی۔

غرض شی ایک نیک اور مہربان آقا کے ہاتھ بکی اور ۱۸۴۸ء تک اس کی ان
معمولی حالت مین رہی۔ ۱۸۴۸ء مین شہنشاہ ہین فونگ کی طرف سے اعلان دیا گیا
کہ تمام منچو لڑکیان جن کی عمر پندرہ اور اٹھارہ سال کے بیچ مین ہے اور جو
شہنشاہ کی دوسری بیوی ہونا پسند کرتی ہین اپنے آپ کو بمقام پکین شہنشاہ کے
محل مین حاضر کرین۔

شی نے بھی کہین گلی مین وہ اشتہار دیکھ لیا چونکہ وہ پڑھنا جانتی تھی۔ اس لیے
بہت جلد اس کے مطالب پر آگاہی حاصل کر لی وہ ٹھیک اُسی عمر کی تھی اور حسب
اعلان منچو نسل کی بھی تھی۔ باقی رہا حسن سو اس کا فیصلہ بھی اس نے اپنے دل مین
کر لیا ہوگا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اپنے آقا کی اجازت حاصل کی۔ اُسے
اس باندی کی تجویز پر کچھ زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ چونکہ اُس کے خیالات بہت وسیع
اور اس کی تمنا عجیب وغریب تھی اس لیے اُس کے آقا نے اس قسمت آزمائی کی نہ صرف
اجازت ہی دی بلکہ اس مین مدد دینے کے لحاظ سے اُسے اپنی بیٹی بنا لیا اور
معقول سامان کے ساتھ اُسے پکین روانہ کیا۔ اس قسمت آزمائی کے لئے وہان
ہزارون امیدوار موجود تھے۔ ان سب مین سے دس لڑکیان انتخاب کی گئین جنکی
نسبت ممتحنون نے یہ رائے لکھی کہ بالکل بے عیب اور اُن تمام خوبیون سے آراستہ
ہین جو عورتون کے لئے ضروری ہین اور فہم وفراست مین اول درجہ کے شاہی
امتحان کے گریجوایٹ کے برابر ہین۔ ان دسون مین سے سب سے بہتر شی

خیال کی گئی۔ چنانچہ اِس کو آسمان کے مقدس بیٹے یعنی شہنشاہ کے عقد کے لیے انتخاب کیا گیا۔

جب وہ شہنشاہ کے محل مین داخل ہوئی تو سترہ سال کی تھی اور بیس برس کی عمر مین مان بن گئی۔ یعنی اِس کے بطن سے ٹنگ جی چین کا آئندہ بادشاہ پیدا ہوا۔ اس سے اور بھی قدر و منزلت بڑھ گئی کیونکہ شہنشاہ نے اسی غرض سے دوسری شادی کی تھی۔ تھوڑے دلون تک امن و امان کے ساتھ بسر ہوئی۔ اور بڑی بیگم اور چھوٹی بیگم (یعنی شسی) بڑے محبت و پیار کے ساتھ رہین اور کسی کو محل مین شکایت کا موقع نہ تھا۔ لیکن دفعتہً سمندر مین ایک طوفان اٹھا جو ہوتے ہوتے شاہی محل تک پہنچا۔ انگریزی اور فرانسیسی فوجین چین پر حملہ آور ہوئین۔ ٹیکو کے قلعون پر گولہ باری کی گئی اور فتح و نصرت کے ساتھ پیکن پہنچین۔ اس وقت کی بربادی اور پریشانی اور بدحواسی بیان سے باہر ہے۔ یورپین فوج کے طیش و غضب کی آگ سے پناہ لینے کے لئے بادشاہ بے سر و سامان نہایت پریشان اور مایوسی کے ساتھ شسی اور چھ سال کے بچے کو ہمراہ لے گھر چھوڑ کر بھاگا اور شکارگاہ جیہو کے مکان مین پناہ گزین ہوا۔ یہ فلک زدہ لوگ شہر سے نکلے ہی تھے کہ فاتح فوجون نے شاہی محل کو لوٹ کھسوٹ کے پائمال و برباد کر دیا۔

جنرل گارڈن جو اُس وقت سبالٹرن کے عہدے پر تھا موقع پر موجود تھا۔ اُس نے اپنے خطوط مین اِس دردناک واقعہ کو اِن الفاظ مین بیان کیا ہے:-

"اُس بُری سلوک کی وجہ سے جو قیدیون کے ساتھ شاہی محل مین کیا گیا تھا جنرل نے اس محل کو بالکل مسمار کرنے کا حکم دیا اِس لیئے ہم نے اُسے خوب لوٹنے کے بعد آگ لگا دی اور اُس کے نہایت بیش بہا اسباب جو دس کروڑ روپیہ مین بھی مہیا نہین ہو سکتا تھا نہایت وحشیانہ طور سے غارت کر دیا۔ یہان کے لوگ بہت خوش اخلاق

ہین لیکن مین خیال کرتا ہون کہ امرا ہم سے نفرت کرتے ہین - ایک ایسی حرکت کرنے کے بعد اُنھین نفرت کرنا بھی چاہیئے - جس محل کو ہم نے جلایا اس کے حسن اور شان و شوکت کا آپ تصور بھی نہین کر سکتے - ایک ایسی چیز کے جلانے سے ہماری روح اور دل کانپ اُٹھتا ہے - ہر شخص لوٹ کھسوٹ کے نشہ مین مخمور تھا - آپ نہ تو اس مکان کی شوکت کا اور نہ اِس ہیبت ناک غارتگری کا صحیح اندازہ کر سکتے ہین - جو فرانسیسیون کے ہاتھ سے ہوئی یہان تہذیب اور شان و شوکت کا اسی قدر سامان موجود تھا جتنا کہ ونڈسر مین - فرانسیسیون نے ہر ایک چیز کو نہایت بے پروائی کو ساتھ پامال کر دیا - یہ ایک ایسی تباہی و غارتگری کا منظر تھا جس کا بیان کرنا میری قدرت سے باہر ہے "

ہین فون اس صدمے کے بعد زیادہ مدت تک زندہ نہ رہا - اِس نے سنہ ۱۸۶۱ء مین انتقال کیا - اور اس کا جانشین اِس کا بیٹا ٹنگ جی ہوا - جس کی عمر اِس وقت سات سال کی تھی - اِس نے اپنے مرنے سے پہلے ایک کونسل انتظام سلطنت کے لیئے قائم کر دی تھی - جس مین دو شہزادے اور ایک وزیر لنگ چی تھا - لیکن لڑکے کی ولی دونون شہنشاہ بیگمون کو قرار دیا - کہتے ہین کہ اِس نے ایک سربمہر کاغذ بڑی بیگم کو دیا تاکہ اگر کوئی بُرا وقت آپڑے تو لڑکے کو اس کاغذ کی رو سے اپنے کامل اختیار مین رکھ سکے -

یہ امر کہ اِس نے اِس اختیار کو کبھی نہین برتا اُس کی دانشمندی اور لڑکے کی مان سے حزم پر دلالت کرتا ہے - یہ بہت شاذ و نادر بات ہے کہ دو سوکنین جو آپس کی ہون - ہتی عظیم الشان کام کو اٹھائیس سال تک اس سہولت اور خوبی کے ساتھ چلائین - چین کی حالت اِس وقت بہت خراب تھی - اِس کی عظمت مین فرق آگیا تھا - ذرائع آمدنی بہت گھٹ گئے تھے - ملک مین امن و امان بھی نہ تھا - علاوہ صوبے جو نہایت

زرخیز تھے اُجاڑ پڑے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ سلطنت کے مختلف حصوں میں متواتر میں
بغاوتیں ہوئیں اور پھر غیر ملک والوں سے جو جنگ کرنی پڑی اس میں اور بھی
زیر بار ہوئی۔ یہ سب مشکلات تسی کے سامنے تھیں۔ مگر وہ گھبرائی نہیں۔ لیکن
ایک مشکل اس کے رستہ میں اور تھی جسے وہ بہت ناپسند کرتی تھی یعنی وہ نہیں
چاہتی تھی کہ سلطنت کے کاروبار میں دوسروں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنی رہے
کیونکہ ہین فون کے فیصلے کے بموجب تمام اختیارات کونسل کے ہاتھ میں تھے۔ اسوقت
تسی کی عمر ستائیس سال کی تھی اور اس نے یہ ٹھان لی تھی کہ معاملہ کی صورت اب
یہ نہ رہے گی اور اس لئے وہ اُن تمام مشکلات کو جو اوپر بیان کی گئی ہیں ذرا بھی
خاطر میں نہ لائی اور اب اس نے تدبیریں لڑانی شروع کیں۔

اس امر کا تصفیہ کرنا مشکل ہے کہ کونسل کی شکست کو تسی سے منسوب کیا جائے
یا شہزادہ کونگ سے جو وزیر تھا۔ لیکن خیال ہے کہ اُس وقت کونسل کی شکست
سے سب سے زیادہ فائدہ شاہزادہ کونگ کو تھا۔ اس لئے وہی اِس کا بانی مبانی
خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن تسی کے بعد کے حالات پڑھنے سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ
اِس سازش میں اِس کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔ شاہزادہ کونگ شاہ مرحوم کا چھوٹا بھائی
تھا۔ اور ہین فون کی موت کے وقت ساری حکومت اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اور
جب شہنشاہ بھاگ کر شکارگاہ میں پناہ گزین ہوا تو فاتح جرنلوں سے تمام عہد وپیمان
شاہزادہ کونگ ہی کو کرنے پڑے اور صلح نامہ بھی شاہزادہ نے ہی لکھا۔ اور اُس محکمہ کا
پریسیڈنٹ مقرر ہوا جو ۱۸۶۱ء میں دول خارجہ سے خط وکتابت کرنے اور معاملات
طے کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ شہزادہ اِن لوگوں سے
جو شہنشاہ کی وفات کے بعد نگران کار سلطنت قرار دئے گئے تھے ایسی ہی نفرت
کرتا تھا جیسے تسی۔ اور اِس امر خاص میں دونوں متفق ہوگئے اور کونسل کی خرابی

کی تدبیرین سوچنی شروع کین جو چین مین مشکل نہین اور جب وہ لوگ شہنشاہ مرحوم کی تجہیز وتکفین کرنے کے بعد واپس آرہے تھے توشہزادہ کونگ نے انہین اسس جرم پر ماخوذ کرلیا کہ انھون نے شہنشاہ مرحوم کی تجہیز وتکفین کے رسوم مین سخت فروگزاشتین کی ہین اور آخر وہین اُن سب کو قتل کروا ڈالا جب سلطنت کے نگرانکار کا خاتمہ ہوگیا تو کونسل کا وجود بھی نہ رہا اور بڑی شہنشاہ بیگم اور چھوٹی شہنشاہ بیگم شئی محلات شاہی کی پوری مختار ہوگیئن۔ اُدھر شہزادہ کونگ کے سامنے سلطنت کے کاروبار اور انتظام کا ایک وسیع میدان تھا۔ تین سال تک کام بدستور چلتا رہا اور چین کو جو صدمہ جنگ اور بغاوتون سے پہنچا تھا اس کی بھی کسی قدر تلافی ہوگئی تھی اور شہزادۂ کونگ کو سب نے بہت بڑا مدبّر اور قابل تسلیم کرلیا۔ لیکن ملکہ شئی کو یہ امر کیون گوارا ہونے لگا تھا چنانچہ ۲ اپریل ۱۸۶۵ع کو ایک شاہی فرمان اس مضمون کا شایع ہوا کہ شاہزادہ کونگ اپنے تمام عہدون سے اس خطا پر موقوف کیئے جاتے ہین کہ وہ حد اعتدال سے زیادہ بڑھ چلے ہین۔ شاہزادہ کونگ نے اس کی اطاعت کی لیکن اس کے یکایک غائب ہوجانے سے اس قدر تشویش پھیلی کہ پانچ ہی ہفتہ کے بعد ایک دوسرے شاہی فرمان کی رو سے سوائے کونسل کی پریسیڈنسی کے باقی تمام عہدون پر اس کا دوبارہ تقرر کیا گیا لیکن اس سے اُسے یہ سبق مل گیا کہ شئی بھی کوئی چیز ہے اور اس سے انحراف کرنا مناسب نہین۔

اس اثنا مین شہنشاہ ٹنگ چی بھی بڑا ہوگیا اور اس کی شادی کی فکرین ہونے لگین منچو خاندان کی لڑکیان جمع ہوئین۔ اور شہنشاہ کی ماں نے سب کو دیکھ بھال کے اور امتحان لے کر ایک لڑکی کو انتخاب کیا جس کا نام آل یوٹ تھا۔ جو بہت نیک اور عقلمند اور شریف لڑکی تھی۔ عقد سے تین روز پہلے ٹنگ چی نے اپنی دلہن کے لیئے ایک لباس فاخرہ بھیجا اور دو روز بعد ایک سونے کی تختی بھیجی

جس پر یہ کہدا ہوا تھا کہ تمھاری رسائی تخت شاہی تک ہوئی۔ [illegible] دل کھول کر روپیہ خرچ کیا گیا۔ دلہن شاہی جلوس کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہوئی [illegible] ملکہ نے شاہانہ شان سے اپنی بہو کا استقبال کیا۔ بہت کم ایسے موقع ہوتے تھے کہ شی عام طور پر باہر نکلتی اور لوگ اُسے دیکھتے لیکن اس شادی کے روز ایسا موقع پیش آیا۔ اگرچہ وہ ہر ایک کام میں دخل دیتی اور ہر چیز کا خود انتظام کرتی تھی لیکن یہ سب کچھ پردے کی آڑ میں ہوتا تھا۔ وہ اِن تمام ملاقاتوں میں موجود ہوتی جو اُس کے بیٹے اور وزراء میں ہوتیں اور اگرچہ وہ سب کچھ سنتی تھی لیکن کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر ساٹھ سال کی عمر میں اُس نے قدم پردے سے باہر نکالا اور وزراء سے بالمشافہ ملاقات کرنے لگی۔

پیکن میں اس کے عادات و خصائل اور چال چلن کے متعلق بہت سی جھوٹی سچی افواہیں مشہور تھیں لیکن بڑے لوگوں کی نسبت اس قسم کی افواہوں کا ہونا نئی بات نہیں ہے۔ خصوصاً جب اِن کا مرجع بیوہ عورت ہو اور بیوہ بھی ایسی ہو جو دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت پر فرمان روا تھی۔

اگرچہ شاہزادہ کونگ نے دونوں بیگموں میں نفاق پیدا کرنے کی بہت کوشش کی لیکن دونوں ایسی صلاحیت سے رہیں کہ کسی قسم کی ناچاقی کا موقع نہ آیا۔ بڑی بیگم محل کے مشرقی جانب رہتی تھی اور اس لئے اُسے مشرقی بیگم کہتے تھے اور چونکہ شہنشاہ کی ماں مغرب کی طرف رہتی تھی اس لئے وہ مغربی بیگم کہلاتی تھی۔ بلیک وڈ میگزین (۱۸۹۹ء) کے ایک نامہ نگار کے بیان کے بموجب ۱۸۷۲ء میں اِن دونوں بیگموں کے دوستانہ تعلقات کا خاتمہ اس طور پر ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ

"بڑی بیگم نے اپنی ہمسر شہنشاہ بیگم کو یہ کہلا بھیجا کہ میں آپ سے محل میں

فلان مقام پر گفتگو کرنے کے لئے ملنا چاہتی ہون۔ معمولی سلام اور مزاج پرسی کے
بعد مشرقی بیگم نے کہا کہ مین اس موقع پر آپ سے یہ کہنا چاہتی ہون کہ اب ہمارا
مشترک کام ختم ہو چکا ہے اور اس لئے یہ مناسب ہے کہ ہم اپنا منصب چھوڑ دینا
اور ایک دوسری سے رخصت ہون مجھ سے اگر آپ پوچھتی ہین تو مین بہت
خوش ہون کہ اس ذمہ داری کا بار میری گردن سے اُٹھ گیا اور نیز یہ بڑی مسرت
کی بات ہے کہ ہم دونون نے اتنی مدت تک اتفاق کے ساتھ چھوٹے شہنشاہ اور
سلطنت کی بہبودی کا کام کیا۔ یہ کہہ کر اُس نے ایک ایسا کام کیا جو صرف ناولون
اور ناٹکون مین نظر آتا ہے۔ اُس نے اپنے مرحوم خاوند کا وصیت نامہ نکالا اور اپنی
ہمسر بیگم پر پہلی ہی دفعہ یہ ظاہر کیا کہ اُس کے اختیارات کس قدر وسیع تھے جن کا اظہار
اب تک اُس نے نہین کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد اُس نے کہا کہ اب ایک ایسے کاغذ کی
ضرورت نہین رہی ہے اور یہ کہہ کر مغربی بیگم کے سامنے اُسے جلا دیا۔ اِس تو شہنشاہ بیگم
تشی پر بے انتہا اثر ہوا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مشرقی بیگم کی معتقد ہوتی اس کی
حالت مین ایک نیا تغیر پیدا ہو گیا۔ یعنی وہ شہنشاہ مرحوم اور مشرقی بیگم دونون سے
نفرت کرنے لگی شہنشاہ سے اس لئے کہ اُس نے اِس کا اعتبار نہ کیا اور بیگم سے
اس لئے کہ وہ اِس راز سے واقف ہو گئی۔

یہ قصہ بلیک وڈ کے نامہ نگار نے لکھا ہے لیکن نہ معلوم کہان تک صحیح ہے۔
کیونکہ دوسرے ہی سال دونون بیگمین پھر ملین اور معاملات سلطنت مین دخل دیا۔
اس کی ضرورت اس لئے واقع ہوئی کہ ۱۸۶۵ء مین شہنشاہ ٹنگسچی نے اپنے
فرمان سے شہزادہ کنگ اور اس کے بیٹے کو نا زیبا الفاظ استعمال کرنے کی خطا پر
نکال دیا تھا۔ لیکن دوسرے ہی روز دونون بیگمون کے فرمان سے وہ بحال کیا گیا۔
اور ۱۸۶۵ء تک اپنے عہدہ پر رہا جب کہ تشی نے اُسے بالکل موقوف کر دیا۔ ۱۸۷۵ء مین

شہنشاہ کا انتقال ہوگیا۔

شہنشاہ نے مرتے وقت اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑا۔ اس ضرورت سے
دونون بیگمین پھر یک جا ہوئین اور انتظام سلطنت مین پہلے سے زیادہ تغیر و تبدل
کیا۔ مناسب یہ تھا کہ دونون بیگمین اس امر کا انتظار کرتین کہ شاہ کے ہان بیٹا ہوتا
یا بیٹی۔ اگر بیٹا ہوتا تو اس کی مان کاروبار سلطنت کی مالک ہوتی اور یہ دونون بیگمین
گوشہ گمنامی مین رہ جاتین اور اگر بدقسمتی سے بیٹی ہوتی تو چینی قانون کے مطابق کسی
لڑکے کو متبنیٰ بنا کر بادشاہ کا بیٹا قرار دیا جاتا اور عنان حکومت بیوہ کے ہاتھ مین رہتی۔
اس لئے شہنشاہ بیگم تسی نے بڑی بیگم اور شہزادہ کونگ کی مشورے سے اس قدیم
رسم کو بالائے طاق رکھا اور نوجوان بیوہ کے حقوق تلف کر دئے۔ اور شہنشاہ ہین فو
کے چھوٹے بھائی چون کے بیٹے کو جس کی عمر چار سال کی تھی وارث سلطنت و تاج قرار
دیا۔ اس مین بڑی بات یہ تھی کہ چونکہ یہ لڑکا شہنشاہ متوفی کی اولاد نہین تھا اس لئے
اپنے بزرگون کی ان رسوم کو ادا نہین کر سکتا تھا جو چینیون کی نگاہ مین بے انتہا وقعت
اور عظمت رکھتی ہین اور اس لئے شہنشاہ متوفی کی بیگم الیوٹ کسی شمار مین نہ رہی
اور بڑی بیگم اور تسی ایک مدت دراز کے لئے سلطنت کی مالک ہوگئین۔

ادھر دونون بیگمون نے شاہی محل کے تمام اختیارات و اقتدارات اپنے
ہاتھ مین لئے ادھر شاہزادہ کونگ نے کاروبار سلطنت کو ۱۸۸۴ء تک حتی الامکان
اچھی طور سے چلایا۔ لیکن اسی سال موقوف کر دیا گیا اور اس کی جگہ شاہزادہ چون
مقرر ہوا جو آئندہ شاہ کا باپ تھا۔ چون اگرچہ شاعر تھا اور شہنشاہ بیگم سے جو خود بھی
شاعرہ تھی شعربازی کیا کرتا تھا لیکن مستقل مزاج نہ تھا اس لئے شہنشاہ بیگم ایک
دوسرے چینی مدبر پر زیادہ اعتماد کرتی تھی جس کا نام دنیا مین بہت مشہور ہو چکا ہے
یعنی لی ہنگ چنگ۔

جب صوبہ شانتنی مین بہت بڑا قحط پڑا تو دونون بیگمین اپنی ہمدردی کی وجہ سے بہت ہر دل عزیز ہوگیئن۔ انھون نے دریافت کرنے سے معلوم کیا کہ روزانہ محل مین جو گوشت خرچ ہوتا ہے اس کی قیمت ۵۲۵ روپئے ہے۔ چنانچہ انھون نے یہ ارادہ کیا کہ جب تک اُن کی رعایا بھوکی ہے وہ گوشت نہین کھائین گی اور جو روپیہ اس طرح بچا اُسے شانتنی کے امدادی فنڈ مین بھیج دینے کا حکم فرمایا۔

لڑکے کی تعلیم کے لئے شہنشاہ بیگم نے قابل قابل استاد انتخاب کئے اور حتی الامکان اُس کی تعلیم و تربیت مین بہت کوشش کی۔ سنہ ۱۸۸۱ء مین بڑی بیگم کی وفات پر سلطنت کے تمام اختیارات شہنشاہ بیگم ٹسی کے ہاتھ مین آگئے۔ اور کنفٹن کی بندور چیزن کی خود مختار شہنشاہ ہوگئی۔

خوش قسمتی سے جو لوگ ٹسی کے رقیب یا مخالف تھے رفتہ رفتہ پنجۂ اجل کے شکار ہوگئے۔ اور اُس کے لئے خود بخود راستہ صاف ہوگیا۔ سب سے اول بڑی شہنشاہ کے تین مختار یا ممبران کونسل ایک غدر لنگ پر قتل کئے گئے اس کے بعد اس کے بیٹے شہنشاہ ٹنگ چی کا انتقال ہوا۔ پھر خاوند کی وفات کے بعد شہنشاہ بیگم ایلیوٹ بھی انتقال کر گیئن۔ مارکوئس سٹینگ جو کسی قدر سنگ راہ ہونا چاہتا تھا دفعتہً بیمار ہوکر مرگیا اور اب مشرقی بیگم راہی ملک بقا ہوئی۔ کہہ سکتے ہین کہ ان موتون مین شہنشاہ بیگم ٹسی کی سازش تھی مگر یہ محض افواہ ہے اور قابل اعتماد نہین۔

سنہ ۱۸۷۴ء سے جب کہ اُس نے شہزادہ کوننگ کو موقوف کیا سنہ ۱۸۸۸ء تک جب کہ اُس نے نوجوان شہنشاہ کے لئے دلہن منتخب کی وہ سلطنت کی سیاہ سفید کی مالک رہی ہے۔ دسمبر سنہ ۱۸۸۸ء مین پیکن گزٹ مین اس مضمون کا فرمان شایع ہوا کہ چونکہ شہنشاہ سن بلوغ کو پہونچ گئے ہین اس لئے یہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نیک بیوی انتخاب کرین جو انہین شاہی محل کی انتظام مین مدد دے اور خانگی کاروبار کو سنبھالے اور بادشاہ کو عمدہ خیالات اور نیک برتاؤ کی ترغیب دے۔ بنا برین ٹمٹ ہونا لا لفٹننٹ جنرل کوئی ینگ کی بیٹی کو اعلی اور پاکیزہ خصائل کی وجہ سے انتخاب کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا فرمان اس مضمون کا جاری ہوا کہ ٹاٹا لاجس کی عمر پندرہ سال کی ہے اور جو چنگ سی سابق وائس پریزیڈنٹ بورڈ کی لڑکی ہے درجہ اول کی حرم بنائی گئی اور ٹاٹا لاجس کی عمر تیرہ سال ہے اور وہ بھی چنگ سی وائس پریزیڈنٹ بورڈ کی لڑکی ہے درجۂ دوم کی حرم قرار پائی۔

ملکہ چینی کے متعلق ہم باشندے کی بدگمانیان اور غلط فہمیان تھین اور ہین لیکن دنیائی پھر بھی اُسے ایک زبردست باتدبیر اور عالیہ ماغ حکمران تسلیم کرلیا ہے۔ بعض لوگ جنھین مدت تک پیکن مین رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہ کہتے ہین کہ وہ ایک پاکیزہ مذاق اور اعلی قابلیت کی ملکہ ہے۔ فنِ مصوری جانتی ہے اور شعر بھی کہتی ہے۔ چنانچہ اس نے ہیملٹن کالج کو اپنی تصنیف کے چھ سو بند نذر کئے مسٹر ایف بی کارپنٹر پیکن سے اخبار نیو یارک ورلڈ کو بتاریخ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۹ء شہنشاہ بیگم کے نسبت یہ الفاظ لکھتے ہین:۔

"شہنشاہ بیگم کی عمر اس وقت پچاس سے اوپر ہے اور کہتے ہین کہ وہ مضبوط اور باوقار عورت ہے .... وہ نہایت آزاد خیال ہے۔ جو چاہتی ہے کرتی ہے اور چینی ریت رسوم کی پرواہ نہین کرتی۔ کہتے ہین کہ وہ محل مین چار دیواری کے اندر تیراندازی کی بھی مشق کرتی ہے اور سنا ہے کہ اس نے ایک بوڑھے خواجہ سرا سے مشت زنی بھی سیکھی ہے۔ وزیر ڈن بی مجھ سے کہتا ہے کہ وہ تمام قضایا مین اور معاملات پر غور کرتی ہے اور بخوبی سمجھتی ہے اور بڑی محنتی ہے۔ اس کا خیال

ہے کہ وہ تاریخ میں دنیا کے نامور فرمان رواؤں میں شمار کی جائے گی۔ اور وہ کہتا تھا کہ اُسی کی وجہ سے چین کو دنیا کی اقوام میں موجودہ وقعت حاصل ہوئی ہے شہنشاہ بیگم کے خیالات چینیوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اگرچہ چین دنیا کی مہذب اقوام سے بالکل الگ تھلگ ہے لیکن یہ امر حیرت کا باعث ہوگا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ محلات چھ ہزار برقی روشنی کے لیمپوں سے روشن ہونگے۔ اور شہنشاہ اپنا کھانا آبنوس کی لکڑی سے جس کا سر اسنہری ہوگا برقی روشنی کے شعاعوں میں کھائے گا۔" مسٹر کارپنٹر کی پیشین گوئی پوری ہو کے رہی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ترقی نظر آتی ہے۔

شی کا قد میانہ، جسم چوڑی ہڈی کا۔ آنکھیں سیاہ اور رنگ زیتونی تھا پاؤں برخلاف چینی رسم کے قدرتی طول رکھتے تھے۔ آواز کرخت تھی اور زیور و جواہرات کا بیحد شوق تھا۔

انگریزی وزیر مقیم پیکن شہنشاہ بیگم کی اس ملاقات کو جو اس نے دول خارجہ کے سفراء کی بیویوں سے کی اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"ملاقات کے رسوم اچھی طرح ادا ہوگئے۔ شہنشاہ بیگم کے اخلاق و تہذیب کا اثر سب حاضرین پر نہایت عمدہ ہوا۔ جو لوگ اس خیال کے ساتھ گئے تھے کہ ہم جس سے ملنے جاتے ہیں وہ ایک بدمزاج اور مغرور عورت ہے انہیں شہنشاہ بیگم کی خوش اخلاقی اور عنایت مزاج کی صفائی اور فراست دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔"

باقی آیندہ

عبدالحق

(اس اشتہارسے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات براہ مہربانی
(خط وکتابت ہندی وانگریزی زبان میں کریں)
مرض دور ہو۔ ناامیدی معدوم ہو۔ اور نسلاً بعد نسل فتح)

اٹنک نگرہ گولیاں

مردمی کے قوتون کے غیر موقع استعمال کے باعث مباشرت کی کثرت کے سبب جو مخفی امراض پیدا ہوتے ہین ان کو اچھا کرنے کے لئے یہ اتنک نگرہ گولیاں تمام دیگر علاجون کی بہ نسبت بےخوف اور اعلیٰ قسم کی دوائی ہے۔ عارضہ کثرت احتلام۔ اور پیشاب کرنے کے وقت اور رندی و ودی کی بیماری ان گولیون سے بالکل موقوف ہوجاتی ہے۔

جسم وجان کی قوتون کو تازہ اور طاقتور بنانے اور تولید منی کرنے کے باب مین ان اتنک نگرہ گولیون کا مقابلہ کوئی نہین کرسکتا۔ اسی طرح کمزوری اور نامردی کے بارہ مین یہ گولیان جادو ئی اثر رکھتی ہین۔

اتنک نگرہ گولیان زائل شدہ قوت ہاضمہ کو پھیر لاتی ہین اور اچھی طرح سے اشتہا پیدا کرتی ہین۔ اصلاح خون کرتی ہین اور روز شباب حاصل ہوتا ہے۔ پرمیہ۔ جریان اور بول الدم کے عارضون کے لئے صحت بخش ہے اور زندگی کی طاقتون کو کامل طور سے معاون ہین۔

۳۲ گولیون کی ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ

دو مرتبہ غذا کھانے کے بعد دودھ کے ہمراہ ایک گولی کھاؤ اگر دودھ بہم نہ پہونچ سکے یا دودھ کھانے سے بےرغبتی ہو تو پانی کے ہمراہ کھا سکتے ہین۔

ویدشاستری منی شنکر گوبندجی اتنک نگرہ اوشدھالیہ
(دواخانہ) جامنگر (کاٹھیاواڑ)

مولانا شبلی کی تصانیف

الفاروق - قیمت سے

الغزالی - درجۂ اول (عہ)

درجۂ دوم عہ

موازنۂ انیس و دبیر - سے ر

الکلام حصہ دوم چھاپہ نامی کانپور سے

مولوی ظفر علیخان صاحب کی تصانیف

خیابان فارس - سفرنامہ لارڈ کرزن کا ترجمہ قیمت قسم اول مجلد ۲ قسم دوم مجلد

جنگ روس و جاپان - روس اور جاپان کی لڑائی ابتدای جنگ سے تمام امن و صلح تک کے واقعات ڈراما کی شکل مین لکھے گئے ہین قیمت قسم اول مجلد ہے دوم غیر مجلد عہ ۸ر

فریاد ظفر - المعروف بہ شور محشر یہ نظم حیدرآباد کے ایک عظیم الشان جلسہ مین جو مصیبت زدون کی امداد کے لئے باغ عامہ کے دربار ہال مین ہوا تھا پڑھی گئی - ضخامت ۳۶ صفحے خورد قیمت ۴ر اسکی قیمت فنڈ مین جمع کیجاتی ہے -

مولوی مفتی امیر احمد صاحب مینائی کی تصانیف

صنمخانۂ عشق - یہ عاشقانہ دیوان تعریف سے مستغنی ہے قیمت مجلد عا ۹ر

محامد خاتم النبیین و خیابان آفرینش - نعتیہ دیوان مقبول میلاد شریف ہے جو نظمین غیر مطبوعہ ہین وہ شریک کر دی ہین قیمت عہ ۴ر

نظم امیری - یہ آخری تصنیف ہے اور دو قصیدے جناب قمر و جناب جلیل کی تصنیف سے ہین قیمت ۴ر

ناز کے اسرار - یہ بھی امیر مینائی کی تالیف ہے ناز کی روح ہے قیمت ۴ر

زاد الامیر - ہر قسم اور ہر ضرورت کی ماثورہ دعائین اجابت صحیحہ امیر مینائی مرحوم نے چن چن کر جمع فرمائی ہین قیمت ۸ر

تذکیر و تانیث - جناب جلیل جانشین امیر مینائی مرحوم کی تالیف جو لکھنؤ اور دہلی کی زبان کا جامع فتاوی ہے اس مین ۱۰ ہزار الفاظ کی تذکیر و تانیث استحکام کیساتھ بتائی گئی ہے - اور کتاب (۳۸۰) صفحہ پر تمام ہوئی ہے قیمت عا علاوہ محصول

امیر اللغات - جس مین تمام عربی ترکی اور فارسی لغات مفصلاً درج ہین - قیمت عا

چنچل نار - یہ وہ ناول ہے جو دکن سے زبان کے سانچہ مین ڈھلکر نکلا قیمت مجلد عہ

ضلع جگت - تلازم الفاظ کیساتھ فقرات و محاورات برجستہ لکھے گئے ہین - قیمت - عہ

دربار اکبری - مصنفہ مولوی محمد حسین آزاد - قیمت سے ر

گلشن ہند - شعرائے اردو کا مشہور تذکرہ مرزا علی لطف نے ۱۸۰۱ء مین جان گل گرسٹ کی فرمائش سے اردو زبان مین تصنیف کیا تھا - (صفحہ ۲۳۵) قیمت عہ

آثار الصنادید - سر سید کی مشہور تاریخ دہلی کا اعلی اڈیشن مطبع نامی کانپور مین چھپی ہے قیمت سے

سفرنامۂ یورپ - ۲۰ صفحہ قیمت ۸ر

آئین اکبری - اردو ترجمہ از سیرتو آف انڈیا - قیمت عہ ۴ر

حیات جاوید - مولانا حالی کی مشہور کتاب چھاپہ مطبع نامی کانپور قیمت ۴ر

مخزن القوافی - یہ کتاب شعرا کیلئے نہایت مفید - قوافی الفاظ یکایک اس مین درج ہین قیمت عہ

مثنوی مولانا روم - قیمت عہ

مثنوی راسخ سرہندی - فارسی کی نایاب مثنوی ہے جو عنقا تھی فی الحال طبع ہوئی ہے قیمت ۸ر

زرتشت نامہ - پارسی کے مشہور پیغمبر زرتشت کی سوانح عمری اور انکا فلسفہ مذہب - صفحہ (۲۰۰) قیمت عہ ۴ر

تاریخ دکن - یہ مشہور تاریخ سید علی صاحب بلگرامی کی ہدایت سے تصنیف ہوئی ہے ضخامت سو جز مطبع معتمد عام آگرہ مین چھپی ہے قیمت عہ

نقشۂ طغیانی

چھاپہ مطبع سے ملسکتا ہے - قیمت ار

قیامت صغری

جس مین ابتدائے طغیانی کے حالات مفصلاً درج ہین ضخامت ۳۶ صفحہ قیمت ۲ر

تمام درخواستین سید وقار علی منیجر مطبع اختر دکن کتنہ گوشہ محل حیدر آباد دکن کے نام آنی چاہئین

عرق ماء اللحم انگوری دو آتشہ

مرگ مفاجات اور روحانی حالات

خداوند تعالے حکیم مطلق نے اس عجائب گاہ عالم میں جہاں لاتعداد قسم کے امراض اور ہزارہا آفات موجود ہیں ہر مخلوق کی ادب و تنبیہ کے واسطے قائم و مسلط کئے ہوئے ہیں وہی اپنے اپنے وارد ... بھی پیدا کر رکھے ہیں جنکا وجود فرشتگان رحمت سے کسی طرح کچھ کم نہیں ہے۔ البتہ شرط علم کی ہے۔ اگر کوئی شخص محض کم علمی کی وجہ سے غافل و بے خبر رہے تو یہ خود اسکی نادانی جہالت اور بیوقوفی ہوگی۔ ورنہ رحمت الٰہی کو اپنی عاجز مخلوق کے حق میں ہرگز بخیل نہیں۔ ہر روز ہی ایسے بہت سے آیات بینات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ جو کہ بجائے خود نمونہ عبرت ہیں۔ اور جنکو دیکھ کر بہت کچھ نصیحت و عبرت کے سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری ہی غفلت ہے کہ ہم ان پر کچھ دھیان اور توجہ نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم آخر میں خود بخود نہایت ہی حسرتناک خمیازے اٹھاتے ہیں۔ افسوس انہیں چند دنوں میں بہت سے ایسے ہی واقعات ناگہانی وفاتوں کے گوش زد ہوئے ہیں

نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے
کہ نزد یار رساند ز سوے ما خبرے

اور کیا کیا آرزوئیں تمنائیں اور حسرتیں ہونگی جو کہ یک زبان بند ہو جانے کی وجہ سے بوقت مرگ ظاہر نہ کر سکے اور بغیر کچھ وصیت کرنے کے ملک الموت ان کو کشاں کشاں ہم سے چھین کر لے گیا۔ ایسی موت سے بچنے کے لئے یہ ایک مجرب و آزمودہ ہم بتلاتے ہیں:-

دوران خون کی واضح ہو کہ دوران خون اگر ایک منٹ بھی بند ہو تو فوراً قلب کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام موت ہے۔ سو جہاں تک ہو سکے اور جس طرح ہو سکے۔ دوران خون اور حرکت قلب کا انتظام ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے اور وہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیشہ ایسی اشیاء کا باقاعدہ استعمال جاری رکھیں جن سے بالخصوص دوران خون و حرکت قلب کا انتظام ہر وقت درست طور پر جاری رہے۔ اس مدعا کے واسطے خاص کر ہمارے شفاخانہ کا تیار کردہ

عرق ماء اللحم انگوری دو آتشہ حکم اکسیر

اور تاثیر برقی رکھتا ہے کیونکہ ہر حالت اور ہر موسم میں یہ عرق **اعضائے رئیسہ** کے افعال کو باقاعدہ رکھنے میں اعجاز کا کام دیتا ہے۔ تمام امراض کے جسم میں داخل ہونے کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اول درجہ کا **مصفی خون** ہے۔ ہر قسم کے خون کے بگاڑ کو قطعی نیست و نابود کر کے بجائے اس کے تازہ و صالح خون پیدا کر دیتا ہے اور زردی خون کو مطلق صاف کر کے جلا دیتا ہے۔ اسکے پینے سے آنکھوں میں **نور** اور دل میں **سرور** پیدا ہوتا ہے۔ شراب کا بدل ہے اور تمام البدن سے ... سستی وغیرہ جملہ عوارضات کو ... [illegible]

... بالکل کھٹکا نہیں رہتا۔ اور سو بات کی ایک بات یہ ہے کہ

دوران خون اور حرکت قلبی کو

ہمیشہ اور ہر وقت بالکل باقاعدہ رکھتا ہے۔ اور اس کے پینے والے کو خدانخواستہ کبھی مرگ ناگہانی یا مرگ مفاجات کا سامنا نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ عرق حلق سے نیچے اترتے ہی فوراً **خون** بن جاتا ہے۔ وہی خون جس کو اطبا **روح** کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک متعارف روح خارجی کوئی چیز ہی نہیں۔ بلکہ وہ محض خون ہی کو روح کہتے ہیں اور اسکی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ جان نکلتے ہی سارے بدن میں خون کی بوند تک باقی نہیں رہتی۔ بہر حال اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:-

ماء اللحم دوران خون او خون صالح

پیدا کرنے میں نہایت ہی ضروری اور بہت ہی مفید چیز ہے۔ چونکہ جسم میں سراسر خون ہی خون پیدا کر دیتا ہے جو چیز خون پیدا کرنے والی ہو وہی ہمارا جزو بدن بنتی ہے اور یوں تو ہر روز دوائیں کھاتے ہیں۔ اور وہ جزو بدن نہ ہوں تو کیا فائدہ۔ علماء نے فرمایا ہوا ہے بھی اس امر پر متفق ہیں کہ ایسی دوا یا غذا جزو بدن نہ ہو۔ بلکہ صرف اعضا کو صرف ایک قسم کی تحریک پیدا کر کے رہ جاوے۔ وہ انتہائی ... کہ آنا فاناً میں اس کا اثر زائل ہو کر پھر کچھ باقی نہیں رہتا جیسا کہ شراب۔ اور فاسفورس۔ اسٹرکنیا وغیرہ۔

پس جو صاحب چاہیں وہ بے الفور اس ماء اللحم انگوری دو آتشہ کو بغرض حفظ ماتقدم طلب فرما کر استعمال کریں اور پھر روحانی حالات بچشم خود ملاحظہ فرما دیں۔

قیمت

فی بوتل دو روپے [illegible]۔ تین بوتل [illegible]
چھ بوتل [illegible]۔ درجن بوتل [illegible]

نوٹ:- ... یہ ماء اللحم تین بوتل سے کم روانہ نہ ہوگا۔ ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا۔ بذریعہ ریل منگانے میں محصول کم لگتا ہے۔ صحت یافتہ حضرات کے ہزاروں سرٹیفکٹ دیکھنا چاہو تو کتاب منگواؤ۔

علاوہ ازیں اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب ادویہ موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب و دافع نامردی [illegible]۔ (۲) طلائے ... قیمت [illegible]۔ (۳) دوائی سوزاک نمبرا [illegible] ... (۴) حب دافع آتشک [illegible] (۵) حب دافع بواسیر ... (۶) حب دافع جریان و احتلام ایک روپیہ (۷) سرمہ ... نیتولہ [illegible]۔ (۸) جوہر ... خون ... تین روپیہ خورد [illegible]۔ (۹) منجن ... دنداں [illegible]

پتہ: مینیجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور

لاکھ روپیہ کی جان کیواسطے

صرف چار آنے خرچنا بات ہی کیا ہے

دیکھو گرمی کا ایام آیا اور ساتھ ہی جگہہ بجگہہ ہیضہ ہونا ممکن ہے اس لئے وقت پڑے کیون نہین ایک شیشی عرق کافور گھر مین ڈال رکھئے یہ ڈاکٹری

اصلی عرق کافور

۳۳ برس سے ہندوستان مین لاکھون بار آزمایا ہیضے کا اکسیر علاج ہے سن ۱۹۰۰ع مین جب احاطہ بمبئی مین قحط اور ہیضہ پھیلا تھا تب اسی عرق کافور سے ہزارون اشخاص کی جان بچی تھی۔ اور تین مہینے مین ایک لاکھ شیشیان فروخت ہوئی تھین۔ سینکڑون نہین بلکہ ہزارون سارٹیفکٹ اس کے موجود ہین منگا کر دل بھر دیکھئے نقلی عرق سے ہشیار۔ قیمت فی شیشی ۴ر ڈاک محصول ایک سے ۴ شیشی تک ۵ر

امتحاناً بلا قیمت دیا جاتا ہے

ضرور آزمائیے اگر آپ بلا قیمت اس عرق کافور کو آزمانا چاہین تو صرف محصولڈاک کے لئے ۲ پیسہ کا ٹکٹ بیڈ لفافہ مین بھیجئے۔ اور اسی خط مین دس خواندہ اور رئیسون کے نام وپتہ صاف طور پر لکھ دیجئے۔ پتہ لکھنے مین مقام ڈاکخانہ و ضلع لکھئے گا۔

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی۔اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — جلد سوم

حیدرآباد دکن

قسم اول

نمبر ۳ — ۱۹۰۹ء — جنوری

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول ۶ قسم دوم ۶ سکہ انگریزی

دکن ریویو

فہرست مضامین

سلسلۂ جدید

جلد ۳ — جنوری سنہ ۱۹۰۸ء — نمبر ۳


DISTANT
NEAR
DISTANT
NEAR



دکن ریویو

حقیقت شعر

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

یہہ رد مین ہے مشرکین عرب کے جو کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ شاعر ہین۔

قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن شریف کلام موزون نہین ہے جس پر شعر کا احتمال ہوسکے۔ مشرکین کا اوسکو شعر کہنا اس بنا پر تھا کہ مضامین قرآن کو وہ قضایاے شعریہ سمجھتے تھے اور قضایاے شعریہ کو جس طرح اہل منطق مفید یقین نہین سمجھتے عرب کے جہلاے مشرکین بھی اس بات سے واقف تھے اون کا یہ قول رد کیا گیا کہ اس وحی آسمانی کو قضایاے شعریہ نہ سمجھین کہ ہم نے پیغمبر کو شاعر نہین بنایا اور شعر اس کی شان کے سزاوار نہین۔

کیونکر شعر شان نبوت کے سزاوار ہوسکتا ہے جب کہ شعر کی بنا قضایا شعریہ پر ہے اور قضایاے شعریہ مضامین خیالی کا نام ہے اور خیال اور

وحی مین زمین آسمان کا فرق ہے۔
شعر کا تخییل پر مبنی ہونا ارسطو کا قول ہے جس کو یورپ کے محققین بھی استاذ الکل فی الکل کا خطاب دیتے ہین اور دنیا کے دقیقہ سنجون مین اسے متفرد سمجھتے ہین۔ اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ شعر ایسی چیز نہین ہے کہ مواعظ وعقاید ومعارف مین بکار آمد ہو کیونکہ ان مسائل کے ثبوت کے لیے مبادی یقینیہ چاہیئے اور شعر مضامین خیالی کا نام ہے۔
نظامی کا مبلغ شعر ایسا نہین ہے جس مین کسی کو گفتگو کی گنجایش ہو سکی گو اون کے کلام مین اغراق ومبالغہ بھرا ہوا ہے لیکن مضامین عالیہ سے خالی نہین وہ شعر کے متعلق اپنی راے اس طرح ظاہر کرتے ہین ؎

در شعر مپیچ و در فن او   زان اکذب اوست احسن او

لفظ اکذب سے وہی مضمون خیالی مراد ہے اور قضایاے شعریہ پر کذب کا اطلاق کیا ہے۔
اسی طرح بعض علما بھی شعر سے بیزار ہو کر کہتے ہین ؎

ولولا الشعر بالعلماء یزری   لکنت الیوم اشعر من لبید

لیکن کسی عالم کا یہ سمجھنا کہ شعر ہماری شان کے خلاف ہے غلط خیال ہے کیونکہ جو شاعر نہین ہے وہ عالم ہو نہین سکتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ علوم عقلیہ کے اکتساب مین شعر کی طرف متوجہ نہو۔
علاوہ تخییل کے کس زبان کی شاعری ایسی ہے جس مین پرستان کا اور پریون کا ذکر نہو زمانہ قدیم کے بت پرستون کے افسانے نہون اون کے خوارق عادت کے تلمیحات نہون۔ اگر فارسی مین رستم وافراسیاب وفریدون وجم وغیرہ کا ذکر شعرا کے زیر مشق ہے تو یورپ کے شعرا ڈائنا وسٹا منٹن جوق

وغیرہ کے ذکر کو ضروریات بلاغت سے سمجھتے ہین - وہ قدیم داستانین
پرانی کہانیان جو ہر زبان مین مشہور ہوتی ہین کیسے ہی بے سروپا خلاف عقل
واہیات افسانے ہون شاعر کے اداے مطلب کا بڑا آلہ بن جاتے ہین -
کاکوری کے ایک شاعر محسن مرحوم اس نکتہ کو کیا سمجھے - اونہون نے رام لچھمن
کنہیا اور گوالنون کا ذکر نعتیہ قصایدہ مین داخل کیا اور کیا بھلا معلوم ہوتا ہے -
اس کے علاوہ مضامین عاشقانہ شعر کا جزو اعظم ہین لیکن عشق کو عقلا
نے جنون کے اقسام مین شمار کیا ہے اور حقیقت عشق کی محض خیال و وہم
ہے جو سراسر عقل و ہوش کے خلاف ہے اس سے ظاہر ہے کہ شعر مین اثر
برسبیل استدلال ہرگز نہین ہے بلکہ برسبیل مجانست ہے - شاعر مثلاً کسی
چیز سے متاثر ہو کر لذت یا حسرت ظاہر کرتا ہے سننے والے مجانست فطری
کے سبب سے اوس شے کی طرف راغب ہو جاتے ہین - استدلال کے اثر مین
اور شعر کی تاثیر مین فرق ہے - براہین و استدلال جن کی بنا مقدمات یقینیہ پر ہے
اونہین لوگون پر اثر کرتے ہین جو اونہین سمجھ سکین اور یہ قابلیت ہر دماغ مین
نہین ہوتی اور شعر سب پر اثر ڈالتا ہے اور بقول عارف روم اہل استدلال پر
زبان تشنیع دراز کرتا ہے کہ ع

پاے استدلالیان چوبین بود

قضایاے شعریہ شعر کا ہیولی اور وزن وقافیہ اوس کی صورت ہے ان
قضایا کی تخییل مین تاثیر ہونا شرط ہے اور وہ اس ہیولی و صورت کی جان
ہے اور جان ڈالنا خدا کا کام ہے - جس چیز مین جان پڑ جاتی ہے وہ متحرک
ہوتی ہے اسی طرح جس شعر مین اثر ہوتا ہے اوس شعر مین برجستگی ضرور ہوتی ہے
اثر شعر کا اگر نشاط و اہتزاز ہے تو وہ تخییل کا فعل ہے اور اگر استعجاب و استغراب ہے

تو تشبیہ و استعارہ وغیرہ کا فعل ہے مگر استعجاب مین تبادر شرط ہے اگر شاعر کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ اس شعر مین فلان صنعت بھی ہے اوس کے بعد استعجاب پیدا بھی ہو تو قابل التفات نہین اور تنقید صنائع کی یہ معیار ایسی ہے جسے کبھی بھولنا نہ چاہیئے۔

پھر قضیہ شعریہ کے موثر ہونے کے لیے محض تخییل کافی نہین بلکہ وہ مضمون خیالی شاعرانہ زبان مین ادا ہونا چاہیئے۔ شاعر کو ایک خداداد ملکہ ہوتا ہے لفظ و ترکیب کے انتخاب و اختیار کا اور اس سبب سے اُس کا طرز بیان غیر شاعر کے طرز بیان سے ممتاز ہوتا ہے اوسکے نظم کر دینے سے لفظ کے معنی کھلتے ہین اور محل استعمال معلوم ہوتا ہے۔ شاعر لفظ کی خوبصورتی و بدصورتی کو اسی طرح پہچانتا ہے جسطرح اپنے ابناے جنس کی صورتون کے حسن و قبح مین امتیاز رکہتا ہے اوسے الفاظ مین شان و شکوہ و رکاکت و وہن اوسی طرح دکھائی دیتی ہے جس طرح کسی شخص کا محتشم یا کم رو ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کسی لفظ مین کسے روشنی دکھائی دیتی ہے اور کوئی لفظ اوداس معلوم ہوتا ہے۔ کسی لفظ مین کہنک سنائی دیتی ہے اور کوئی لفظ کھنکہنا معلوم ہوتا ہے۔ غرضکہ حسن لفظی یہی نہین ہے کہ لفظون کے تقابل و تضاد و تشابہ و تناسب سے پیدا ہو بلکہ ہر ہر لفظ مین فی نفسہ بھی حسن و قبح موجود ہے۔ جسکو شاعر جانتا ہے اور اسی سبب سے شاعر کی زبان کا تتبع کرنا ہر قوم مین جاری ہے اور جب تک کسی زبان مین کوئی شاعر پیدا نہین ہوتا اُس وقت تک وہ زبان ناکمل سمجھی جاتی ہر قوم زبان وضع کرتی ہے اور شاعر اس مین اصلاح کرتا ہے۔ اور اسی سبب سے یورپ کے لوگ تو اُن الفاظ کو گنا کرتے ہین جو شاعر کی قلم سے نکلین۔ اور جب تک زبان کا قوام درست نہین ہوتا اُس زمانے تک الفاظ و محاورات

مین شعرا اضافات و متروکات کرتے رہتے ہین یہان تک کہ بعد امتداد زمان
و تکمیل زبان ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ غیر قومون کے خلط سے زبان بگڑنا
شروع ہوتی ہے۔ اس زمانہ مین وہ تمام متروکات پھر مستعمل ہو جاتے ہین اور
شیرین معلوم ہوتے ہین۔ رودکی و فردوسی و خاقانی و نظامی کے الفاظ و محاورات
سعدی و حافظ کے زمانہ مین متروک رہے لیکن قاچاریون کے تسلط سے ایران
کی زبان بگڑ گئی ترکی الفاظ اُس مین بہت سے شامل ہو گئے اور فارسی کے
اکثر الفاظ کی صورت بدل گئی۔ شعرا کو اس بات کا حس ہوا کہ ہماری زبان کچھ
اور ہو گئی اور اس زمانہ مین جو شاعر پیدا ہوئے اونہون نے پھر اُسی قدیم
فارسی کو زندہ کیا۔ قاآنی اور خاقانی کے نام ہی مین نقط مشابہت نہین بلکہ
زبان مین بھی ہے۔ اب سعدی کی زبان اور طرز بیان ایران سے مفقود
ہے اور سب قدیم فارسی کو پسند کرتے ہین۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ محاورہ
حال کو زبان شعر سے بیگانہ سمجھتے ہین۔

جس شہر مین کوئی ایسا شاعر پیدا ہو جاتا ہے جس کا کلام شہرہ آفاق ہو جائے
اُس شہر کی زبان مطبوع و مانوس ہو جاتی ہے۔ ظہیر فاریاب سے نکلا اور نظامی
گنجہ سے۔ دونون شہرون مین بعد مشرقین ہے۔ اسی طرح عرفی شیراز سے
اور صائب تبریز سے۔ نظیری نیشاپور سے اور شوکت بخارا سے غرضکہ تمام
ملک ایران و توران کی فارسی انہین شعرا کی سخنوری کے طفیل سے مستند
ہو گئی۔ زبان اردو کی عمر ابھی کم ہے۔ ہان ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر اردو
بولنے والے جب تک تباہ نہ ہو گئے تو جہان جہان اردو بولی جاتی ہے
مستند ہو جائے گی اور لکھنؤ و دہلی کی تخصیص نہ رہے گی۔ لیکن ابھی ویسے
شاعر نہین پیدا ہوئے۔ زبان کو شعر مین اس قدر دخل سبب ہے کہ اُس کی برخلاف

عقل و علم و قیاس کچھہ نہین چل سکتا۔ اگلے وقتون کی باتین جیسے عناصر اربعہ گردش فلکی۔ ابر کا سمندر سے پانی پی کر آنا یورپ اور ایشیا کے شاعر آج تک باندھے جاتے ہین۔ کوئی علمی مسئلہ ہو جب تک زبان پر چڑھہ نہ جائے شاعر اوسکو نہین صرف کرسکتا۔ گو عناصر کا انحصار چار مین ہونا غلط ثابت ہو چکا حرکت زمین مشاہدہ و یقین کے درجہ کو طے کرچکی مگر شعر مین ابھی تک اس تحقیق نے دخل نہین پایا۔ ایران کے گبر یزدان و اہرمن کو خالق کائنات سمجھتے تھے اور اسی سبب سے افعال قدرت اون کے محاورہ مین بصیغہ جمع جاری تھے مثلاً خلق می کنند و رزق می دہند۔ ایران مین توحید پھیلنے کے بعد بھی جمع کے صیغے آج تک محاورہ سے نہ چھوٹے۔ امیر خسرو دہلوی بہار کے ذکر مین فرماتے ہین۔ ع

سکہ گل چون درم شہ زدند

تحقیق کی نظر سے دیکھیے تو چاند سا منہ کہنا کس قدر غلط تشبیہ ہے چاند ہزارون کوس کا ایک کرہ ہے جس مین اونچے اونچے پہاڑ اور گہرے گہرے غار پڑے ہوے ہین۔ غرضکہ اہل تحقیق و اہل مدرسہ شعر کو سمجھہ نہین سکتے۔

تشبیہ و استعارہ و مجاز وغیرہ مین زبان کو اس قدر دخل ہے کہ ایک زبان کی تشبیہین دوسری زبان مین بے لطف معلوم ہوتی ہین مثلاً بھاکھا والے آنکھہ کو بھونرے سے تشبیہ دیتے ہین۔ اردو اور بھاکا مین کچھہ زیادہ فرق نہین ہے مگر اردو مین کوئی اس تشبیہ کو کہہ کر دیکھے۔ یہی سبب ہے کہ نئی تشبیہ پیدا کرنا دراہم ہے اس کے واسطے زبان پر عبور ہونا چاہیے۔ یورپ کے فلاسفہ شاعری و مصوری و موسیقی کو ایک ہی شے سمجھتے ہین جسکا ماخذ غالباً شیخ الرئیس کا قول ہے۔ شیخ نے بھی شعر کو تصویر سے مثال دی ہے اور یہ

ایسی مثالین ہین جو تعریف سے بڑہ کر حقیقت شعر کو واضح کرتی ہین یعنی ایک ہی طرح کی تخیل ہے جسے شاعر زبان سے اور مصور قلم سے ادا کرتا ہے اور مثل موسیقی کے مصوری و شاعری بھی ایک طرح کا کھیل ہے یعنی شعر اگر خبر ہے تو صدق و کذب کے درمیان اور اگر انشا ہے تو جد و ہزل کے بیچ مین واقع ہے۔ جہان وسط سے شاعر نے تجاوز کیا تو پھر شعر کو شعر نہین کہہ سکتے۔ اگر راستی کی طرف مائل ہوا تو ؎

الليل ليل والنهار نهار　　　والارض فيها الماء والاشجار

دندان تو جملہ در دہانند　　　چشمان تو زیر ابروانند

اسی قبیل کا کلام ہوگیا اور اگر ہزل کی طرف جھک پڑا تو خاصہ مسخرا ہے۔

اس کے علاوہ یورپ کے علما رفن بلاغت ان باتون کو بھی صنایع و بدایع شعر مین شمار کرتے ہین کہ شاعر در و دیوار سے باتین کرے آسمان و زمین سے خطاب کرے جو شخص سامنے موجود نہین ہے اس سے مخاطب ہو جاے ہر زمانے کو زمانہ حال بنا لے۔ پھر مبالغہ جو صریح جھوٹ ہے اُس کو بھی ان لوگون نے بدایع شعریہ مین لکھا ہے۔ یہ تکلف اور تصنع نہین تو اور کیا ہے۔

اسکے علاوہ فسانہ لکھنا بلکہ فسانہ بنانا شعر کا بڑا میدان ہے اور شاعر کے بہت سے کمالات ایسے ہین کہ اگر فسانہ گوئی سے اُس نے احتیاط کی تو وہ ظاہر نہین ہونے پاتے اس سبب سے کہ فسانہ مین ایک دوسری قسم کی بھی تخیل شاعر کو کرنا پڑتی ہے یعنی جس شخص کا ذکر کر رہا ہو اوس کی نسبت وہ باتین بیان کرے جو مقتضاے حال سے مطابق ہو جائین یعنی سچ معلوم دین غرضکہ فسانہ کو اگر جھوٹا نہ کہیے تو سچا بھی نہین کہہ سکتے۔

غزل مین فسانہ کی گنجایش تو کجا لیکن جس شعر مین کوئی معاملہ بندہ جاتا ہے
وہ شعر اصل مین ایک چھوٹا سا فسانہ ہوتا ہے لیکن ایسے شعر بھی کم نکلتے ہین
اور غزل گو کو مجبور ہوکر یہ میدان چھوڑ نا پڑتا ہے اور فسانہ کو چھوڑ کر جس کوچہ
مین اب وہ جاتا ہے وہ نہایت تنگ ہے جس مین مضمون کی طرف جانے
کا کوئی رستہ نہین ملتا تنگ آکر لطیفہ گوئی و بدیع گوئی کرنے لگتا ہے اور
اسی سبب سے غزل کے اکثر اشعار تخییل سے خالی ہوتے ہین اور غزل گو
شاعر متکلف معلوم ہوتا ہے۔

حقیقت شعر کے متعلق یہان تک جو کچھ قلم فرسائی ہوئی اس مین کسی کے
لیے اختلاف کی گنجایش نہین یہ سب وہی امور بیان ہوے ہین جو مسلمات سے
ہین اس تمہید کے بعد انگلینڈ کے ایک فیلسوف جادو نگار مسٹر اڈیسن کا بنایا ہوا
ضابطہ مزید بصیرت کے لیے یہان لکھنا مقصود ہے۔

رعایت لفظ و صنایع لفظی کے باب مین اون کی تحقیق یہ ہے کہ اس صنعت
کا مادہ ہر شخص کی طبیعت مین ہر زمانہ مین موجود تھا اور موجود ہے۔ اور جتنی
کتابین فن بلاغت مین لکھی گئین سب مین رعایت لفظی اور ضلع بولنے کو زیور
کلام لکھا ہے۔ ارسطو نے کتاب بلاغت کے گیارہوین باب مین کئی صنعتین
جو ضلع جگت کی قسمین ہین محاسن کلام مین شمار کی ہین اور یونان کے مشاہیر
اہل ادب کے کلام سے اون کی نظیرین دی ہین۔ سسیرو بڑا فصیح
و بلیغ مقرر و خطیب گزرا ہے اوس نے تقریر و خطابت کی جو جو خوبیان اپنی کتاب
مین بیان کی ہین غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نری رعایت لفظی
اور ضلع وغیرہ ہے انگلینڈ مین ضلع بولنا ہنسی دل لگی کی تحریرون مین پہلے
جاری تھا لیکن ایک زمانہ ایسا آیا کہ بڑے بڑے لوگ بہت ہی بے محل

اسے صرف کرنے لگے یہان تک کہ تیس آنڈریوز کے مواعظ اور شکسپیر کے غم انگیز فسانے انہین باتون سے بھرے ہوے ہین لیکن اس کے ساتھ ہی حیرت کا مقام یہ ہے کہ ایسے ایسے مشاہیر و فضلاے دہر کے کلام مین ان صنعتون نے دخل پایا اور اس زمانہ مین (۱۰ اسمے ۱۸۱ء) انگلینڈ کی شاعری سے وہ تمام صنایع مفقود ہو گئے مگر کوئی ضابطہ اس بات کے سمجھنے کے لیے کہ آیا کلام مین دراصل خوبی ہے یا لفظون کا بنایا ہوا طلسم ہے کسی نے آج تک نہ بنایا مین اس کے متعلق ایک ضابطہ مقرر کیے دیتا ہون کہ جس کلام سے کچھہ اہتزاز یا استعجاب حاصل ہوا اسکو کسی دوسری زبان مین ترجمہ کر کے دیکھو اگر اب بھی وہی مزہ آتا ہو تو سمجھو کہ دراصل خوبی ہے اور اگر دیکھو کہ ترجمہ مین وہ لطف باقی نہ رہا تو سمجھو کہ کچھہ لفظون کا کھیل تھا اور محض جھوٹی نمایش تھی،،

اس ضابطہ کی رو سے وزن کہ جزو اعظم شعر کا ہے گیا گزرا کہ ترجمہ مین وزن کا لطف نہین باقی رہتا۔ قافیہ جو فصول شعر مین سے ہے وہ بھی ترجمہ مین نہین باقی رہتا۔ جزالت الفاظ و سبک عبارت کا بھی ترجمہ مین خون ہو جاتا ہے۔ وہ تلمیحات و تشبیہات جو ہر زبان کے ساتھ خاص ہین ترجمہ مین اون کا لطف بھی جاتا رہتا ہے اس کے علاوہ انگلینڈ کے مشاہیر شعرا جو اڈیسن کے معاصر تھے یا بعد ہوئے ہین اون کا کلام بھی اس معیار پر پورا نہین اترتا بہت لوگ ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہین مگر ناکامیاب رہتے ہین اون کے تلمیحات اردو مین بے مزہ اور اُن کے تشبیہات بے لطف معلوم ہوتے ہین۔ زیادہ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ خود مسٹر اڈیسن کی یہی تحریر جو معرض بحث مین ہے اس معیار پر پوری نہین اترتی اسی تحریر کے ابتدائی فقرون مین

استعارات موجود ہین فطرت انسانی کو زہین اور بدیع گوئی کو کبھی حناتش اور کبھی تخم سے تعبیر کرتے ہین یہ ظاہر ہے کہ استعارہ کی بنا تشبیہ پر ہے اور تشبیہ ایک زبان کی دوسری زبان مین اکثر بے مزہ ہو جاتی ہے زلف کو ناگن کہنا اردو مین بہلا معلوم ہوتا ہے لیکن انگریزی مین اس کا ترجمہ کہان ہو سکتا ہے مگر اس مین بھی شک نہین کہ وزن وقافیہ وجزالت لفظ وسبک عبارت وتلمیح وتشبیہ واستعارہ وغیرہ سب ظاہری نمایش ہے معانی کی خوبی ان سب باتون کے علاوہ ایک چیز ہے۔ گو ابن خلدون وابن رشیق وغیرہ خوبی معنی کا قطعاً انکار کرتے ہین اور یورپ کے فلاسفہ نے بہی اس نکتہ کو ثابت کر دیا ہے کہ خود لفظ کا معانی کے ساتھ جو علاقہ کہ ہم سمجھے ہوئے ہین وہ جھوٹا تعلق ہے مگر بغیر اس تعلق کے معانی مجردہ تک رسائی ہی نہین کیونکہ معانی بے لفظ کے ادا ہی نہین ہو سکتے اور لفظون کی جزالت ورکاکت کو معنی کے حسین وقبیح کر دینے مین بڑا دخل ہے۔ اڈین نے یورپ کے بعض فلاسفہ کا قول نقل کیا ہے کہ اونہون نے خوبی معانی کو ایک حسین عورت سے مثال دی ہے کہ لباس پہنے ہوئے ہو جبھی خوبصورت ہے ابن خلدون وغیرہ اس مثال کو صحیح نہین سمجھ سکتے اس سبب سے کہ معانی تو کبھی اپنے لباس سے عریان ہو ہی نہین سکتے ترجمہ کر کے یہ سمجھنا کہ معانی لباس لفظ سے عریان ہو گئے غلط ہے بلکہ یہ سمجھو کہ پہلے اصلی لباس مین تھے اب جامہ عاریت پہنے ہوئے ہین یہان تک کہ جو معانی ظرف ذہن مین ہین وہ بھی کلام نفسی کا لباس پہنے ہوئے ہین مجرد ہونا کجا لیکن پھر بھی معانی ایک بے تعلق اور علیحدہ چیز ہے اور جو شعر کہ بے تصنع ہوتا ہے اور اوس کے معنی مین ذاتی خوبی ہوتی ہے وہ عجیب دلکش کلام ہوتا ہے بشرطیکہ شاعر کے جذبات نے

اوسے تہذیب کی حد سے خارج نہ کر دیا ہو اور سادگی کے اختیار کرنے مین اکثر کھلے کھلے جذبات شاعر کے قلم سے نکل آتے ہین جو معشوق ہین مگر بے حجاب خوش چشم ہین مگر بے شرم نہ استعارہ کا پردہ نہ کنایہ کی نقاب اور سادگی مین زیادہ تر یہ امر ہی پیش آتا ہے کہ شاعر کے بیان مین اور عامیانہ کلام مین کچھہ زیادہ فرق نہین باقی رہتا مگر باوجود اسکے کہ فارسی و اردو کی شاعری اکثر رنگین و مرصع ہے پھر بھی سادہ اشعار سے خالی نہین خواجہ حیدر علی آتش کے دو چار شعر مجھے یاد ہین سے

نہ تو بھوکے ہوئے تھے ہم نہ تو پیاسے پیدا ۔۔۔ ہوگئے روگ یہ دنیا کی ہوا سے پیدا

سینہ صافی سے ہے آئینہ کا رتبہ حاصل ۔۔۔ جیسا ہووے کوئی ویسا نظر آتا ہونین

تعلق روح سے مجکو جسد کا ناگوارا ہے ۔۔۔ زمانہ مین چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

جگر خون ہوگیا بدگو کا اپنے چپکے رہنے سے ۔۔۔ خموشی مین بھی مظلومون کی نالہ کا اثر دیکھا

اس طرز کے اشعار کہنے کے لیے شاعر کا علم اخلاق و علم حقایق سے باخبر ہونا ضرور ہے کہ مضامین عالیہ پیدا کر سکے مبصرون نے یہ نکتہ کیا خوب کہا ہے کہ جسکو مضمون ہاتھہ نہین آتا اور شاعرون مین داخل ہونا چاہتا ہے وہ ضلع جگت بولنے لگتا ہے اور صنایع و بدایع کہنے لگتا ہے - ایک مشابہت شاعر کے ساتھ پیدا کر لیتا ہے اور اپنی دانست مین بہ تکلف و تصنع اوس الہامی دولت مین شریک ہو جاتا ہے صنائع معنوی و لفظی سے نفرت دلانے والے یہی لوگ ہین جس کلام مین کچھہ جان ہی نہ ہو اور صنایع و بدایع بھرے ہوے ہون وہ ایک کٹ پتلی ہے جسے زیور سے لاد دیا کہ اوسکے سبب سے وہ زیور بھی ذلیل ہوا ہان اگر کسی حسین نے کوئی زیور پہن لیا تو وہ سب کو اچھا معلوم دے گا اتنا زیور اوسے بھی نہ پہننا چاہیئے جسے اوسکی نزاکت برداشت نہ کر سکے پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹین کان - غرض کہ جس کلام مین خوبی معانی کے ساتھ

بے تکلف کوئی صنعت پیدا ہوگئی ہو وہ بلا شبہ حسن رکھتی ہے اور جس کلام مین یہ معلوم ہو کہ صنعت ہی بالذات مقصود ہے وہ صنعت مکروہ و قبیح ہے غالب مرحوم کا یہ شعر

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا تجھپہ کھل جاوے کہ اسکو حسرت دیدار ہے

اس مین کھل جانے کا لفظ جو آنکھ کے اور سرنامہ کے ضلع کا لفظ ہے اس بے تکلفی سے آگیا ہے کہ حسن دیتا ہے اور اونکا یہ شعر

خط عارض سے لکھا ہی زلف کو الفت نے عہد یک قلم منظور ہے جو کچھہ پریشانی کرے

اس مین صاف معلوم ہوتا ہے کہ ضلع اور ایہام مقصود بالذات ہے اور یہ شعر

بسکہ روکا مین نے اور سینہ مین اوبھرین پے بہ پے
میری آہین بخیہ چاک گریبان ہوگئین

اس مین صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک نئی تشبیہ تراشنا اصل مقصود ہے اور بخیہ اور سینہ کا ضلع ضمناً آگیا ہے یعنی تشبیہ تبکلف آئی ہے اور ضلع بے تکلف آگیا ہے۔

تمام صنعتون مین رعایت لفظی اور ضلع بولنا زیادہ تر ذلیل و مبتذل ہے میرے خیال مین اس کے ابتذال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ صنعت مبتذل لوگون کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے اور اہل قلم کا طرز بیان عامیانہ زبان سے ممتاز ہونا چاہیے خصوصاً جہان کوئی بھرتی کا لفظ رکھنے کی شاعر کو ضرورت ہوئی اور اُس نے کچھہ رعایت لفظی کرکے اس عیب کو چھپایا ہو اوس مقام پر رعایت اور بھی زہر معلوم ہوتی ہے مثلاً یہ شعر

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پانو
ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

اس کے دوسرے مصرع مین پہلے رکن کی جگہ افسوس صد حیف ہیہات
تین لفظ بے تکلف موجود تھے شاعر نے ان تینون مین رعایت لفظی کے
خیال سے ہیہات کو اختیار کیا برخلاف اسکے انگلینڈ کے شعرا اس صنعت سے
ایسے بیزار ہوسے ہین کہ جہان سب بے تکلف بھی کوئی رعایت اون کے کلام مین
آجاتی ہے جس کے نکالنے مین ضرور تکلف کرنا پڑتا ہوگا۔ وہ بھی گوارا کر لیتے
ہین مگر اس صنعت کو نہین گوارا کرتے مگر ساتھ ہی اس کے یونانی و لاطینی
کا انگریزی کی شاعری پر اتنا اثر ہے کہ جس طرح عرب کے شعرا مین ٹوٹے ہوئے
مکانون پر رونا ہمیشہ سے بندھا ہوا میدان ہے۔ اسی طرح انگریزی شاعری
مین بت پرستون کے افسانون کی تلمیحات معرکہ شعرا ہے اور یہ فقط یونانی و
لاطینی کی تقلید ہے اکثر لوگون نے بہت چاہا کہ عروض بھی انہین دونون زبانون
کا اختیار کر لین مگر بہت جلد اس نکتہ کو سمجھ گئے کہ ہر زبان کا عروض اوس زبان
کے اوزان کلمات کا تابع ہوتا ہے اور وہی عروض اوس زبان کا طبعی
عروض ہے اگر انگریزی مین یونانی یا لاطینی عروض کو جاری کرین گے تو شعر
مین صدہا قسم کے تکلفات پیدا ہو جائین گے۔ غرضکہ وہ لوگ تو اس غلطی
سے باز رہے مگر ہمارے شعر مین عرب کے اوزان و میزان کو دخل ہو گیا وزن
خود ایک طرح کا تکلف ہے اور جب غیر زبان کا وزن اختیار کیا تو تکلف در تکلف
ہو گیا اور وزن ہی مین تکلف و تصنع کرتے کرتے فارسی و اردو گو شعرا کو ہر چیز مین
تکلف کی عادت ہو گئی۔ اساس الاقتباس مین محقق طوسی کا قول دلالت کرتا
ہے کہ وزن کو تخییل مین دخل ہے میرے خیال مین اگر کوئی غلطی ان دونون
زبانون کی شعر مین ہے تو بس یہی ہے کہ عروض غیر طبعی کو اختیار کیا ہے اور
اس بے راہ روی پر کسی کو تنبیہ بھی ابھی تک نہین ہے۔ رہا یہ کہ صنائع و

بدایع کے استعمال مین حد اعتدال سے بڑھ جانا اس سے کوئی نہین بچا ہے شیکسپیر جس مرتبہ کا شاعر گزرا ہے اور زبانون مین ایسے شاعر کم پیدا ہوئے ہین۔ کارلائل نے اُسے پیغمبر سخن کا خطاب دیا ہے اور اُس کے کلام کو سلطنتِ ہند سے بڑھ کر گران قدر شمار کیا ہے اُس کی نسبت اڈیسن کا قول ہے کہ شیکسپیر مین یہ عیب ہے کہ مضمون واقعی کو استعارون مین الجھا کر خراب کر دیتا ہے اور فسانہ کنگ لیر مین شاعری کر کے اُس کی آدمی خوبی اُس نے برباد کر دی۔

قول فیصل یہ ہے کہ تمام صنائع و بدائع لفظی و معنوی کے زیور کلام ہونے مین شک نہین اگر بے محل نہ ہو اور حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔ یہان تک کہ ضلع اور جگت بہت ہی مبتذل صنعت ہے اگر مزاح و تمسخر و ہجو کے محل مین صرف ہو تو وہ بھی حسن سے خالی نہین۔ البتہ صنعت کے بے محل استعمال ہونے سے یا افراط صنائع سے یا کبھی ہوئی صنعت کے بار بار کہنے سے سامعین کو تنفر پیدا ہوتا ہے وہ جانتے ہین کہ صنعت بڑی چیز ہے اور اصل امر یہ ہے کہ اس مقام پر منشاء تنفر نفس صنعت نہین ہے بلکہ شاعر کی بے سلیقگی منشاء نفرت ہے جو لوگ اِن دونون باتون مین امتیاز نہین کرتے وہ نفس صنعت کو برا کہنے لگتے ہین۔ صنائع و بدائع کو اگر لفظون کا کھیل سمجھ کر ترک کیا جائے تو وزن و قافیہ سے بھی دست بردار ہونا چاہیے کہ وہ بھی تو لفظون ہی کا کھیل ہے الفاظ کے اُلٹ پلٹ کرنے سے کلام موزون پیدا ہوتا ہے بلکہ وزن کے لیے ترتیب الفاظ مین تکلف و تصنع کو عمداً اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اگر صنائع کے ساتھ وزن و قافیہ کو بھی خیرباد کہین تو البتہ لفظی تکلفات سے بالکل چھٹکارا ہو جائے گا اور ہماری زبان کی شاعری محض قضایائے شعریہ پر منحصر ہو جائے گی

لیکن اب بھی مین کہون گا کہ تضایائے شعریہ تخییل سے خالی نہیں ہو سکتے اور تخییل خود ایک تکلف وتصنع ہے یفظی نہین معنوی سہی - جس کو محض سادگی ہی پسند ہے وہ اِس تصنع معنوی کو بھی کیون گوارا کرے - اِس تصنع کے علاوہ جن لوگون نے حقیقت تخییل پر فلسفیانہ نظر کی ہے اُنھون نے بڑی قباحت اِس مین پائی ہے - مسٹر لوک کی رائے ہے کہ جن لوگون مین تخییل کی قوت زیادہ ہوتی ہے اُن مین تحقیق وتدقیق کی صفت اکثر نہین ہوتی اِس وجہ سے کہ تخییل کا تو کام یہ ہے کہ اُس کے سامنے جو خیالات کا انبار لگا ہوا ہے اُن مین تشبیہ وتمثیل ڈھونڈھ کر ایک دل کش مرقع تیار کرے اور باغ سبز لگائے برخلاف اِس کے تحقیق کا یہ کام ہے کہ تمام خیالات مین تمیز وتدقیق کرے کہ ایک دوسرے سے مشابہ ہو کر دھوکے مین نہ ڈالین یہی سبب ہی کہ صاحب تخییل کو اکثر امور مین التباس واشتباہ رہتا ہے وہ متنائز باتون مین ذرا سی مشابہت دیکھ کر دونون کو ایک سمجھتا ہے وہ متغائر مضمونون مین ذرا سا میل دیکھ کر دونون کو خلط کر دیتا ہے اِس کے علاوہ امام غزالی کا مین نے ایک قول دیکھا ہے جس سے تخییل کی اور بھی مٹی خراب ہو گئی حاصل اُس کا یہ ہے کہ جو تخییل کا دلدادہ ہوتا ہے وہ فیضانِ معارف سے دور رہتا ہے وہ فرماتے ہین کہ اسی سبب سے شاعر کے قلب مین انعکاس انوار معرفت کی بہت کم قابلیت ہوتی ہے گویا کہ تخییل آئینۂ ذہن کے لیئے زنگ ہے۔

غرض کہ زاہد خشک بن کر شعر کو دیکھیئے تو شعر ایک دل لگی اور کھیل اور شاعر ایک جنونی وسودائی معلوم ہوتا ہے استعارہ وتشبیہ معانی کے کرتب اور مراعات وترصیع لفظون کا کھیل اور ایہام واستخدام اِن دونون کا ایک

شعبدہ ہے تخیل شعر ایک طلسم آب و رنگ ہے جو حقیقت مین کچھ بھی نہین لیکن شاعر کی نظر مین یہ حضرات مرفوع القلم ہین جب ان کی نگاہ مین آئینہ خانۂ قدرت ایک نمائش سراب اور نگارستان فطرت محض نقش بر آب ہے تو پھر شعر کی کیا حقیقت رہی۔ یہ سچ ہے کہ شاعر نبی یا ولی تو نہین ہو سکتا لیکن اُس کی زبان بھی خزانۂ تحت العرش کی مفتاح ہے یہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ تخیل شعر نے ملٹن کے محقق ہونے مین اور حکیم سنائی و مولوی روم کے عارف ہونے مین کچھ شبہ ڈال دیا ہو۔ بات یہ ہے کہ تخیل کے اقسام ہین ایک تخیل ہے رندانہ جس مین شاعر مذہب طبیعین رکھتا ہے اور یہ تخیل البتہ معرفت سے دور ہے۔ ایک تخیل ہے عارفانہ جس مین شاعر مذہب الٰہیین رکھتا ہے اور یہ تخیل عین عرفان ہے۔ شاعر جب نازک خیال کرتا ہے تو اُس کی فکر انتہا کی دقیقہ شناس ہوتی ہے اور جب اشعار مثالی کہتا ہے تو اُس کی فکر غلط و التباس سے کام نکالتی ہے۔

غرض کہ شعر ایک فطری و طبعی فن ہے اس پر اہل مدرسہ و اہل فلسفہ کے جتنے اعتراض ہین سب ناقابل قبول ہین جس نے اِن کے اعتراضات سے دھوکا کھایا اُس نے اپنی شاعری کو خراب کیا۔

سید علی حیدر نظم

ابو العلا معری جس کی نکتہ آفرینی عربی شاعری کے حسن کے لیے مایۂ زینت ہے خاقانی کا استاد تھا اور اس کا فارسی کلام بھی بڑے پایہ کا تھا ایک دفعہ استاد اور شاگرد مین چھڑپ ہو گئی۔ فارسی شاعری اُن فواحش کے لحاظ سے جو اسی کی اداجی کا حصہ ہین اپنی مثال آپ ہے۔ استاد و شاگرد مین جو جو جھگڑ بازی ہوئی حیا آتی ہے کہ اُسے سپرد قلم کیا جائے۔ البتہ ابو العلا کے ان دو شعرون مین زیادہ چلبلاہٹ پائی جاتی ہے۔

خاقانیا اگرچہ سخن نیک دانیا | یک نکتہ گویمت ۔ بشنو را ئگانیا
ہجو کسے مکن کہ ز تو مہ بود بسن | باشد کہ او پدر بود ت تو ندا نیا

بادل

بجلی چمکی گرجا بادل — برسات آئی چھایا بادل
جل تھل آج بھرے گا بادل — پانی پی کر آیا بادل
وہ پورب سے چمکی بجلی — وہ اُتر سے اُٹھا بادل
کجلی بن کا رہنے والا — شاید ہے یہ کالا بادل
آمد ہے پھر فصل گل کی — صحن چمن پر چھایا بادل
میکش کہتے ہیں خوش ہو کر — اٹھا بادل اُٹھا بادل
گلشن میں پھول اٹھتا ن — بن جائے گا ہالا بادل
کوکتے ہیں ندا کس چمن میں — دیکھتے ہیں جب کالا بادل
گوری گوری گوری بجلی — کالا کالا کالا بادل
میری آنکھوں سے نیچے ہے — نظروں میں ہو اونچا بادل
گلے سے گریاں لگا ہے نالاں — بجلی پہ ہے شیدا بادل
دیکھو تو ستانا چاہیں — کچھ تو ہے متوالا بادل
ندیا نکھری ہے اور بے صبر — کالا بادل بھورا بادل
اس کی طینت میں ہے پستی — کہنے کو ہے بالا بادل
بجلی جب بڑھتی ہے آگے — راتوں کو ہے جلتا بادل
قیس کو ہجر میں کالی بلا ہے — موروں کو ہے لیلا بادل
دردوں میں اب ایک کرے گا — دونوں گنگا جمنا بادل

کیا پیارے ہین ٹکڑے اسکے | تختہ حسن کا ہے یا بادل
شاہد گل پہ للچاتا ہے | ڈال رہا ہے ڈورا بادل
بجلی چمکی اب تو بدلے | اپنا رونا پھیرا بادل
دوڑ رہا ہے چارون جانب | ہے منعمس کس کا بادل
قطرے گرتے موتی بن کر | کچھ فیاض جو ہوتا بادل
گرگٹ کی خاصیت سیکھی | رنگ بیا ہے بدلتا بادل
رنگا رنگ ہین ٹکڑے اسکے | دلق صوفی ہے یا بادل
دیکھ کے رنج ہے دیو اسنے | پریون کا ہے سایا بادل
جھوم کے اٹھی کالی گھٹائین | جھوم کے برسا کالا بادل
پانی مین ہے نشہ صہبا | گرتا پڑتا آیا بادل
پیر فلک کی بند ہین آنکھین | آنکھون پہ ہے پردا بادل
بجلی سے کیا چمکا تا ہے | اپنا کالا چہرا بادل
کالے کالے ڈورے اپنے | بجلی پر ڈالے گا بادل
زندہ کیا دم بھر مین زمین کو | ہے اعجاز مسیحا بادل
چلتا ہے کس ناز و ادا سے | آہستہ آہستا بادل
رنگین صورت قوس قزح کی | بارش مین ہے دکھاتا بادل
قدرت کی رنگینی دیکھو | سرخ شفق ہے کالا بادل

شیفتہ سب ہین فنا کی شکلین
کوئی ہو بجلی یا بادل

سید کاظم حسین شیفتہ لکھنوی

دیباچهٔ مثنوی راسخ

(از یمین السلطنت مهاراجه سرکشن پرشاد بهادر کے سی آئی ای)

الله الله شاهد سخن را چه دلربائی داده اند که بدین جمال او دل از دست میرود و تاثیرے عجیب پیدا می شود. نمی دانم که سحر است یا اعجاز الامی دانم که سحر و اعجاز همان می کنند آنچه سخن میکند. خصوصاً سخنے موزون که از زبان صاحب دلے بر آید نادر باشد که در دل ها نه نشیند. راقم السطور که از بدو شعور مخمور صهباے معانی است فی الحال مثنوی راسخ چنان کلامے دلاویز دیده که از ذوقش بے خود گردیده و یقین است که هر که بیند واله و شیدا گردد ؎

راسخ است این و بدلها راسخست ‌ ‌ ‌ ‌ نسخه اش دیوانها را ناسخست

بنده را این مثنوی از دست مولوی سید نور الضیاء الدین ضیا هدیه رسیده است و بلاشبه هدیهٔ گران قدر است که مرا به سپاس گزاری ایشان مجبور گردانده توصیف چنین کلام بدیع چندان که نگاشته آید کافی نیست هر مصرع مصرع او مصرع یگانه مردان سخن دان است. و هر استعارهٔ او نشتر زن رگ جان است. استعارات لطیف و تشبیهات نادر ظریف باین پایه در هیچ سخن بنظر نیامده. قال است حال است که روح را بوجد و قلقله آرد. و دل را بنشاط و لوله انداز د. ذوق را هر که بچشد حلاوتے تازه بخشد. چونکه این مثنوی مطبوع طباع غیر مطبوع انطباع بود خواستم که دیگر مشتاقان سخن هم ازین خوان سخن که راسخ گسترده است بهره یاب شوند. طبع کردن ایما کردم. بحمد الله که مطبوع گردید. و نام راسخ را که بگوشهٔ خمول افتاده بود به اوج شهرت رسانید. واضح باد که مولد و منشاء راسخ سرهند شریف

است۔ اسم گرامی او میر محمد زمان سید الاثر او بود۔ در تذکرہ دیدم کہ راسخ از عمدہ
ملازمان شہزادہ محمد اعظم بود و بمنصب ہفت صدی سرفرازی داشت۔ وفاتش
در ۱۱۰۷ھ واقع شد۔ راسخ بمرد تاریخ رحلت اوست۔ ناصر علی سرہندی
و راسخ سرہندی ہمعصر بودند و ہر دو صوفی مشرب و فلسفہ عالی داشتند و ہر دو
مثنوی در تصوف گفتند۔ الابرار باہل بصیرت پوشیدہ نیست کہ کلام راسخ در
نزاکت و لطافت عالمی دیگر دارد۔ باشد کہ دیوان راسخ مطبوع شدہ باشد
لیکن از نگاہ من نگذشتہ۔ مشتاق و متلاشی ام۔ چند بیت از دیوان او
بہ تذکرہ یافتم در اینجا نقل می کنم ؎

یاد از شام غم بزم خموشان کردیم ... مشتی از سرمہ گرفتیم و پریشان کردیم
جامۂ صبر بہ بالای جنون تنگ آمد ... آنچہ از دست برآمد بہ گریبان کردیم

۔۔۔۔۔

گلی شگفت کہ من جام بادہ نازم ... دمی طپید کہ من نیم بسملی رانم
می بجلوہ در آمد کہ عاقبت سوزم ... شکست شیشہ کہ قربان شوخی نازم
خروش ریختہ بر دل کہ نغمۂ شوقم ... بسینہ تاختہ ناخن کہ زخمۂ سازم
زپا فتاد تمنا کز آشیان دورم ... طپید دست تأسف کہ بال پروازم

۔۔۔۔۔

کدامی نالہ شد افسانۂ خوابی پالطفت را ... چو شبنم سوخت چشم انتظار ای نامہ بر ہیچی
زبوی مرہم کافور داغم رنگ می بازد ... چراغم ناز پروردست ای باد سحر ہیچی

واقع کلام این سید سید الکلام است۔ و از فوائش بجائش اولہ ترین انسجام
ہر بیتش رابیت منتقی و ربہ است و دیوانش را ہزار دفتر تنا درخور است۔ اگرچہ تمہیدش
ازنمایش ازین شایان۔ لیکن آن جا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است۔
شاد عفی عنہ

مولانا بحر العلومؒ کی نسبت "سب ایڈیٹر صاحب الندوہ" کے اعتراضات اور اُن پر ایک نظر

مولانا بحر العلومؒ کی اُن عربی تحریرات مین جس پر مولوی سید سلیمان صاحب نے نکتہ چینی کی ہے مین ہرگز ایک کوئی ایسی سستی نہین پائی جاتی جس سے اُن کے اونچے مرتبے پر کوئی حرف آسکے

مولانا کی تصنیفین باوجودیکہ مضامین دقیقہ پر مشتمل ہین عموماً داخل نصاب مدارس نہین کی گئین۔ اور اس عدم تداول بین المتعلمین کی وجہ سے جن اہل مطابع نے مولانا کی بعض مصنفات کو چھاپا ہے تصحیح و مقابلہ کا بہت کم اہتمام کیا ہے۔ علاوہ برین قلمی نسخے بھی جو کمیاب ہین اکثر بوجہ عدم تداول اصل نسخہ سے مقابلہ شدہ نہین ہین بنابرین مولانا کی عربی عبارات کے متعلق صحیح تنقید اُسی وقت ہوسکتی ہے کہ بلا نسخ ومسخ مولانا کی اصلی عبارات دستیاب ہون مگر یہ امر دشوار ہے۔

اب مین اُن ادبی لغزشون کو جو بحر العلوم کی عبارات مین مولوی سید سلیمان صاحب نے دکھائی ہین انھین کے الفاظ مین نقل کرکے اس کی متعلق اپنی رائے ظاہر کرتا ہون

نام کتاب	نقل عبارت	فاضل سب ایڈیٹر کے اعتراضات
دیباچہ میر زاہد جلالی	یعربہ عمانی الضمیر	تعریب کے معنی کسی سے حمایتاً بولنے کو کہتے ہین جو یہان مناسب نہین۔ بلکہ اعراب ہونا چاہئے تھا جس معنی اظہار مطلب کے ہین۔ اگر اعراب ہی سے اس کو مشتق تسلیم کرلیا جاے تو یعربہ کی ضمیر منصوب کا مرجع کیا ہے؟

فاضل ایڈیٹر نے اس لفظ کو جو بزعم خود یعربہ سمجھا ہے بالکل غلط ہے بلکہ یہ فقرہ یعبر عما فی الضمیر التعبیر سے مشتق ہے نہ کہ تعریب و اعراب سے اور اس ضمیر کو

منصوب لکھا ہے حالانکہ وہ منصوب نہین بلکہ مجرور ہے۔ اور لفظ یعبر بہ بصلہ عن
کثیرالاستعمال ہے۔ مین نے یہ فقرہ اُس قلمی نسخہ مین جو شیخی و مرشدی کے پاس موجود ہی
اور آپ کی نظر انور سے گذرا ہے صاف طور پر یعبر بہ عما فی الضمیر لکھا ہوا دیکھا ہے
بلکہ نسخہ مطبوعہ ہاشمی مین بھی ایسا ہی چھپا ہے۔ پس یعبر بہ عما فی الضمیر کے صحیح اور
ناقابل اعتراض ہونے مین شک وشبہ کی گنجائش نہین رہی۔

دیباچہ حاشیہ میر زاہد	نشکرہ بما خصصنا	شکر کا صلہ ب نہین آتا ہے علی آتا ہے دوسرے نشکرہ سے نشکر لہ زیادہ فصیح ہے۔

کتب ادب کے اس قول سے کہ شکر کا صلہ علیٰ آتا ہے یہ مراد ہے کہ شکر
مشکور علیہ کی طرف علیٰ کے ذریعہ سے متعدی ہوتا ہے اور اس سے یہ مراد نہین کہ
لفظ شکر کے بعد دوسرا کوئی حرف نہ لایا جائے۔ جب مشکور بہ کا ذکر کرنا چاہین تو شکر کے
بعد ب ضرور لگانا ہوگا جس طرح حمد مین چار چیزین ہوتی ہین۔ حامد۔ محمود۔ محمود علیہ
محمود بہ اسی طرح شکر مین بھی شاکر۔ مشکور۔ مشکور علیہ۔ مشکور بہ چار ہوتے ہین۔ اور
جب مشکور بہ کو بولنا چاہین تو ضرور اُس کو ب کے ساتھ ہی استعمال کرین گے اور یہان
مولانا نے جو شکر کے بعد بما خصصنا فرمایا ہے وہ مشکور بہ ہے نہ کہ مشکور علیہ ایسے
مقام مین شکر کے بعد ب کا لانا جائز ہے نیز اس ب کو بائے سببیت بھی کہہ سکتے ہین
اور مشکور علیہ محذوف ہے۔

افصح الکلام کلام اللہ مین شکر جس طرح باللام مستعمل ہے بغیر اللام بھی مستعمل
ہوا ہے۔ سورہ نحل ع ۱۴ واشکروا نعمة اللہ الخ

افصح العرب والعجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (جن کی یہ شان ہو کہ انا افصح العرب
بید انی من قریش) متعدد احادیث مین لفظ شکر بے لام مستعمل ہوا ہے من لم یشکر
الناس لم یشکر اللہ۔ واذا شئت حمدتک وشکرتک۔ (رواہ احمد و الترمذی)

در نعت مین ہے لئن شکرتم ولا تکفرت۔ کسی اہل زبان کا شعر ہے ؎ سا شکر عمرو ان تراخت منیتی۔ ایادی لم تمنن وان ھی جلت۔ بنابرین شکر کا بے لام استعمال کرنا کسی طرح باعتبار علم ادب قابل گرفت نہین ہوسکتا بلکہ صاحب صراح کا بانام کہ بے لام ہے افصح کہنا مذکورہ اقوال کو مد نظر رکھنے کی بعد بے اصل سا معلوم ہوتا ہے

دیباچہ حاشیہ میرزاہد	اشہد ..... نحمد	ایک ہی عطفی عبارت مین ایک جگہ واحد متکلم دوسری جگہ جمع متکلم

جو نسخہ کہ ہمارے پاس موجود ہے اُس مین نحمد سے پہلے کوئی حرف عطف نہین ہے بلکہ نحمد و نشکرہ لکھا ہوا ہے جس کو نحمدہ و نشکرہ جمع متکلم یا بحمدہ و بشکرہ جار و مجرور دونون طرح سے پڑھ سکتے ہین پس اس صورت مین کہ نسخون کی صحت پر اطمینان نہین ہم کو چاہیے کہ صورت ثانی اختیار کرین جس پر کسی قسم کی غلطی کا احتمال نہین ہوسکتا

حاشیہ میرزاہد صفحہ ۱۴۲	لاتقیم حقیقتہا	فعل متعدی کے یہان کوئی مناسب معنی نہین ہوتے بلکہ لا تقوم چاہیے۔

یہان مولانا نے افلک لا تھتدی الخ مین لفظ لا تھتدی کے (جس مین کہ بحث ہو رہی ہے) مرادی معنی بیان کرتے ہین۔ یعنی لا تھتدی سے مراد لا تقیم حقیقتہا الا بادات المعجزات۔ یعنی اے نبی حقیقت ہدایت کو تم بجز آیات معجزہ کے قائم نہین کرسکتے ہو اور معجزات تو میری جانب سے ہین پس ہدایت میری ہی جانب سے ہے نہ کہ تمھاری قدرت سے۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ لفظ تقیم برمحل استعمال کیا گیا ہے اور اُس کی جگہ مین تقوم کہنا بے محل ہے۔

دیباچہ رسالۂ ارکان	جعلہ مظہرا العجائب مؤتلفۃ	کی یہان کوئی معنی ہین اور نہ ترکیب صحیح ہو

فاضل ایڈیٹر نے یہان لفظ مظہر کو العجائب کی طرف مضاف سمجھ لیا ہے مگر دراصل ایسا نہین ہے لفظ مظہر کے بعد جو الف ہے وہ علامت نصب ہی جیسا کہ ضربت زیداً

مین زید کے بعد لکھا جاتا ہے لعجائبہ جار و مجرور ہے موتلفہ عجائب کی صفت ہے یعنی جناب باری نے نبی کریم کو تناسب عجائب کا مظہر بنایا مراد تناسب سے تناسب فی الکمال ہے پہلے فقرہ مین مختلفہ اور دوسرے مین موتلفہ صنعت طباق کی بنا پر لایا گیا ہے۔

۵	سید ولد آدم	ولد کی جگہ اولاد چاہیے۔

حدیث مین ہے انا سید ولد آدم ولا فخر (ح) مولانا نے اس حدیث سے دیباچہ مین اقتباس کیا ہے جب حدیث مین لفظ ولد مستعمل ہے تو اس مین مولانا کا کیا قصور ہے علاوہ برین صراح و قاموس وغیرہ سے ظاہر ہے کہ لفظ ولد مفرد و جمع دونون مین مستعمل ہوتا ہے الولد محرکۃ بالضم و الکسر و الفتحۃ واحد و جمع و قد یجمع علی اولاد۔

۶	ولنبی الی عمل	ولالت کا صلہ الی آتا ہے۔

ولنبی الخ مولانا کی عبارت نہین ہے بلکہ یہ حدیث نبوی ہے جس کو مولانا نے نقل کیا ہے۔ حدیث مین علی عمل ہے پس الی کی جگہ علی لکھ دینا چاہیے اس کو مولانا کے ادب سے کچھ تعلق نہین۔ ارکان کے اس غلطی نامہ مین جو نسخہ مرشدی کے پاس ہے علی عمل لکھا ہوا ہے یہ نہین کہ الی کو چھیل کر علی بنایا گیا ہو۔ بلکہ سرے سے ہی علی لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس نسخہ مین الی لکھا ہوا ہے غلط نسخہ ہے فقط

محمد عبد الجبار

مدرس مدرسہ باقیات الصالحات

ویلور

فنونِ لطیفہ

(۱)

فنِ تعمیر

سائنس (علم) اور آرٹ (فن) بہنین بہنین ہین ـ یا یون کہو کہ بھائی بہن ہین آرٹ کا کام بعض باتون کے لحاظ سے عورت کے کام سے مشابہ ہے اُسکا فرض یہ نہین ہے کہ دنیا کے جنگل مین ہاتھ پاؤن مارے۔ بلکہ یہ ہی کہ اپنی گرد وپیش کی اشیا مین جلوۂ حسن پیدا کرے اُنھین اپنے صنعت کے سانچے مین ڈھال کر سرمایۂ لذت وسرور بنادے۔

(ایک)

ایک زمانہ تھا کہ انسان ننگا پھرتا اور ساگ پات پھل پھلاری اور گوشت کھاکر پیٹ پالتا تھا۔ اس حد سے جب اس نے قدم آگے بڑھایا تو تمدن نے جانور پالنے اور کھیتی کرنے کی تعلیم دی۔ اب آفتاب صنعت نے افق اکتشاف سے سر نکالا یعنی آدم مین اپنی ضرورت کی چیزین تیار کرنے کا سلیقہ پیدا ہو چلا اور اُنھون نے پتھر اور پھر لوہے وغیرہ کی چیزین بنائین۔ اسی طرح ایک ضرورت کے بعد دوسری ضرورت پیدا ہوئی اور مصنوعات انسانی مین اضافے پر اضافہ ہونا شروع ہوا۔

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ انسان کچھ چیزین اپنے شوق سے تفریح طبع کے طور پر بنانے لگا اور ضروریات عالم سے اتنا فارغ ہوگیا کہ بہت سی چیزین جو مرغوب طبع ہوئین اس نے الگ کرلین اب گویا اشیاء نفیسہ کا احساس اُس کے ذہن مین ہونے لگا اور طبیعت مین اچھی چیزون کو دیکھ کر ایک قسم کی گدگدی سی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ اس حالت نے اور ترقی کی اور ایسی چیزون کی ایجادین شروع ہوئین جن کی انسان کو اپنے لوازمات زندگی کے لیئے حاجت نہ تھی بلکہ محض اس لیئے بنائی گئین کہ وہ اُسے اچھی معلوم ہوتی تھین۔

یہی چیزین جو اُس نے اپنی رغبت طبع اور ذوق حسن کی خاطر بنائین اختلاف نوعیت کے لحاظ سے مختلف فنون مین تقسیم ہوگئین۔ جنھین بعد مین فنون لطیفہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس لیئے کہا جاسکتا ہے کہ فنونِ لطیفہ انسانی افعال کے ایسے نتائج کا نام ہے جو محض حب جمال کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہین۔ نہ کہ ضروریات دنیا کی وجہ سے۔ اس لیئے جو شئے اُن سے پیدا ہوتی ہے اُس سے کوئی دنیاوی نفع نہین ہے بلکہ وہ اس ظاہری نفع اور آمدنی کے خیال سے منزہ اور اس قسم کی تمام کدورتون سے پاک ہے۔ سڈنی کالون۔ انسکلوپیڈیا برطانیکا مین فنون لطیفہ کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔ "بہت سی مختلف چیزین جو انسان اس لیئے کرتا ہے کہ وہ اُسے پسند ہین۔ فنونِ لطیفہ ان مین ایسے ہین جن کے نتائج سے بہت سی مستقل اور بے لاگ خوشیان حاصل ہوتی ہین۔ اور جن کے بقائے دوام کے لیئے ایسے ہنر (ملکہ) کی ضرورت ہے جو غور و فکر کا نتیجہ ہو۔ یہ بقا ایک حد تک ضابطہ اور قواعد کے حدود مین آسکتی ہے۔ لیکن اس سے آگے وہ قواعد کی رسائی سے باہر ہے اور کسی قاعدہ سے محیط نہین ہوسکتی"۔

اسی مصنف نے فنونِ لطیفہ کو تین مدارج مین تقسیم کیا ہے۔

الف { (۱) صورت گری اور
(۲) علم

پہلے زمرہ مین اُس نے فنِ تعمیر۔ فنِ بُت تراشی اور فنِ مصوری کو داخل کیا ہے اور دوسرے مین فنِ موسیقی۔ اور فنِ شاعری کو۔

ب { (۱) وہ فنون جن مین کسی شے کی نقل کی جاتی ہے اور
(۲) وہ جن مین کسی شے کی نقل نہین کی جاتی

اول الذکر سے وہ فنون مراد ہین جو کسی شے کو بیان کرتے ہین اور آخر الذکر وہ جو کسی شے کو بیان نہین کرتے۔ اول الذکر مین مصنف مذکور نے فنِ بُت تراشی۔ فنِ مصوری اور فنِ شاعری کو داخل کیا ہے اور آخر الذکر مین فنِ موسیقی اور فنِ تعمیر کو۔ کیونکہ ان کے سُننے یا دیکھنے سے کسی خاص شے یا واقعہ کی تصویر ہمارے آنکھون کے سامنے نہین پھر جاتی۔ گانا ہم سُنتے ہین تو آوازین جو نکلتے کے ساتھ ہی فنا ہوتی جاتی ہین۔ اُن کا ایک سلسلہ ہمارے کانون مین ایک قسم کی سریلی اور دلربا جھنکار پیدا کرتا ہے اور ہمین ایک ایسا نغمہ سنائی دیتا ہے جو کسی پہلے سے موجود شے کی نہ تو نقل ہے اور نہ کوئی واقعہ اُس سے ہماری نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ بلکہ ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اپنے انداز مین بالکل نرالی ہے۔ اسی طرح عمارات ہمارے قوائے ظاہری و باطنی پر اپنے حسن و لربایانہ سے جو بخلاف موسیقی کے ان مین دائمًا باقی رہتا ہے ایک دلفریب اثر پیدا کرتی ہین اور ایک ایسی شکل سامنے لاکھڑا کرتی ہین جو نہ تو کسی واقعہ معین کی تصویر ہے اور نہ کسی اور شے کی۔ بلکہ اپنی جگہ پر بالکل ایک نئی چیز ہے۔

ج { (۱) وہ فن جو کارآمد ہین اور
(۲) وہ جو کارآمد نہین ہین

اول الذکر مین صرف فن تعمیر ہے۔ اور باقی چار فن قسم آخر الذکر مین شمار کیے جاسکتے ہین۔ لفظ "کار آمد" سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اِس فن سے جس کی یہ تعریف ہے ہمارا کوئی کام نکلتا ہوگا اور جب ہمارا کام نکلا یعنی ہماری احتیاج دنیاوی مین سے کوئی حاجت پوری ہوئی تو کیا فنون لطیفہ کی تعریف کے لحاظ سے جو اوپر بیان کی جاچکی ہے کوئی نقیض تو واقع نہین ہوتی ؟ فنون لطیفہ جب انسانی افعال کے ایسے نتائج ہین جو دنیاوی ضرورتون کی وجہ سے منتج نہین ہوتے تو پھر اُن کی زمرہ مین فنِ تعمیر کو کیون داخل کیا گیا ؟ کیونکہ اِس سے بے شک ہماری ضرورتین رفع ہوتی ہین اور ہم مکانون مین رہتے اور اُن سے نفع حاصل کرتے ہین۔

اِس اعتراض کے جواب مین یہ کہا گیا ہے کہ فنِ تعمیر سے دو نوان باتین حاصل ہوتی ہین۔ اِس سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہ نہ کسی مالی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی غرض پر مبنی ہوتی ہے بلکہ محض ذوقِ حسن وحب جمال اِس کا باعث ہے کسی عمارت کو دیکھ کر طبیعت خوش اِس وجہ سے نہین ہوتی کہ وہ اتنی بڑی قیمتی ہے بلکہ اِس لئے کہ وہ کس قدر خوبصورت ہے۔ احساس حسن کی یہ گدگدی اُسی طرح کی ہے جیسی کسی عمدہ تصویر یا کسی خوبصورت پتھر کی مورت کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فنِ تعمیر کا شمار باوجود ایک کار آمد فن ہونے کے فنون لطیفہ مین کیا جاتا ہے۔

فنون لطیفہ کی تحصیل کے لیئے تندہی شرط ہے مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر شخص محض تندہی سے ماہرِ فن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مذاق سلیم اور میلان طبع وہ ایسی چیزین ہین جو ہر شخص کو حاصل نہین ہوتین بلکہ انہین انسان اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے تعلیم وتربیت سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ یہ کچی معدن سے نئی نکلی ہوئی دھات آلودگی سے پاک ہوجاتی ہے اور صیقل ہوکر چمکنے لگتی ہے اور آگ کی یہ چنگاری جو کہ من کے کسی کونے مین دبی موجود ہوتی ہے تعلیم وتربیت کی ہوا سے بھڑک اُٹھتی ہے۔ علاوہ اِس کے

فنونِ لطیفہ مین کمال اس طرح حاصل نہین ہوتا کہ اشیاء قدرت مین کوئی تغیر تبدل یا ترقی کی جاسئے بلکہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ تمام کائنات مین اس بات کی تلاش کی جاسئے کہ کون کون سی چیزین نہایت پیاری۔ ستھری اور عیوب ظاہری سے پاک ہین۔ ان سے محبت کرنا۔ صانع کا اپنی مقدور بھر شئے مصنوعہ مین ایسی ہی دلآویزی پیدا کرنا جیسی کہ اشیا قدرت مین موجود ہے اور شئے مصنوعہ مین ایک خاص ادا پیدا کر کے دوسرون کے خیالات کو متوجہ کرنا۔ حصول کمال کے لازمات مین سے ہے۔ صنعت اُس وقت تک کامل نہین سمجھی جاتی جب تک مصنوع کی تکمیل مین صناع اپنی محبت حسن کا ایک اندازۂ مناسب کے ساتھ اظہار نہین کرتا۔ مگر اس مین بھی یہ خطرہ ہے کہ حب جمال سے مغلوب ہو کر اُس نے اپنی غرض کے پورا کرنے مین حقیقت کا کوئی جزو نہ زائل کر دیا ہو[1]۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ فنون لطیفہ سے مراد فی زماننا یہ پانچ فن ہین (۱) فن تعمیر (۲) فن بت تراشی (۳) فن نقاشی (۴) فن موسیقی اور (۵) فن شاعری۔ ذیل مین ان مین سے ہر ایک پر مختصر سی بحث کی جاتی ہے۔

فن تعمیر انسان نے جس وقت معاشرت مین ترقی شروع کی تو یہ ضروری معلوم ہوا کہ رہنے سہنے کے لئے مکانات بنائے جائین اس پر جھونپڑون کی ایجاد شروع ہوئی پھر جھونپڑون سے لکڑی اور مٹی کے مکانات اس کے بعد پتھر کے مکانات بننے لگے[1] رفع ضرورت کے بعد مکان کو خوبصورت بنانے کا خیال پیدا ہوا اور ایک خاص قوت نے جو انسان کو دیگر حیوانات پر ترجیح بخشتی ہے اندر ہی اندر ابھارا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فن تعمیر نے فنونِ لطیفہ کے میدان مین قدم رکھا اور ایسے مدارج اعلیٰ پر فائز ہوا کہ انسان کی بنائی ہوئی عمارات کو باغِ عدن سے تشبیہ دینے لگے۔ ماہرین فنون لطیفہ

---

[1] سکن

لئے بعض اوقات مصنوعات کو اشیائے قدرت پر بھی ترجیح دی ہے۔ یہ ترجیح کسی دوسرے فن کے لحاظ سے اس قدر مناسب نہین معلوم ہوتی جس قدر کہ فن تعمیر کے لحاظ سے عمارات کسی قدرتی شئے کی نقل نہین ہوتین بلکہ بڑے بڑے کارگیرون کے نازک خیالات کا نتیجہ ہوتی ہین۔ آگرہ کے تاج محل کو ایک کم سن یورپین لڑکی پہلی نظر مین دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھی تھی کہ " یہ ایک گلاب کا پھول ہے جو خود بخود اُگ آیا ہے"

" کتاب اورسی اینٹال کا مصنف الحمرا کو دیکھ کر کہنے لگا تھا کہ" یہ عالم بیداری نہین عالم خواب ہے۔ یہ سب طلسماتی کرشمہ ہے جسے جنّات نے بنایا ہوگا" سرجان لوبک کہتے ہین کہ " فن تعمیر سے نہ صرف ایک قسم کی انتہائی خوشی حاصل ہوتی ہے بلکہ قلب پر ایک ایسی شئے کا اثر محسوس ہوتا ہے جسے بجائے زمین کے آسمانی کہا جائے اور بجائے انسان کے کام کے انسان سے بزرگ تر مخلوقات کا کام کہا جائے تو مناسب ہے" مادام ڈی اسٹیل نے اسے " فروزن میوزک" یعنی موسیقی منجمدہ کہا ہے۔ کربے کے ایک شاندار عمارت کو دیکھ کر وہ کہتی ہے کہ " یہ ہمارے خیالات ہین جو پتھر کی صورت مین ظاہر ہین"

فن تعمیر کی تعریف مسٹر ٹی۔ ہیٹر۔ لیوس اے پروفیسر فن عمارت۔ یونیورسٹی کالج لندن انسکلوپیڈیا برطانیکا مین اس طرح کی ہے " یہ عمارت بنانے کا ایک فن ہے جس کے اصول صرف اُن اغراض پر وضع نہین کئے گئے ہین جو عمارت سے منتج ہوتی ہین بلکہ ان مین حسن و موزونیت کا بھی بہت زیادہ خیال کیا گیا ہے" یہی پروفیسر آگے چل کر کہتا ہے کہ " اس فن کی تعریف مین یہ نہین کہا جا سکتا کہ تعمیر مکان یا مکان کو اچھا بنانا صرف اس کی غایت الغایات ہے بلکہ علاوہ ضروریات مکانی کے یہ بھی ایک امر لازمی ہے کہ عمارت بناتے وقت اور اُس کے نقشہ مین اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اس کے دیکھنے سے ایک لطف پیدا ہو۔ عمارت مین چاہئے کہ حسن موجود ہو۔ شان

دلکشا ہو۔ ہر حصہ مین موزونیت اور تناسب پایا جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ عمارت بنانے مین جہان مہندسی کی ضرورت ہے وہان اس کی بھی ضرورت
ہے کہ قوت متخیلہ بہت زبردست ہو۔

فن تعمیر کی مختصر تاریخ اگر بیان کی جائے تو زمانہ ماقبل تاریخ مین سوائے
چند معمولی آثار کے جن سے اُس زمانہ کی تہذیب کا پتہ ملتا ہے اور کچھ موجود نہین ہے۔
مثلاً برطانیہ مین پتھر کے سیدھے ستون واقع کارنک اور "کراملیک" یعنی پتھر کی بڑی
بڑی سلین۔ سوئیزرلینڈ اور اٹلی کے مکانات جو بین جو جھیلون مین غرق ہو گئے تھے
اور دیگر اسی طرح کے مختلف آثار جو جبل سینا اور عدن مین پائے جاتے ہین۔

اس فن کی تاریخ سب سے پہلے مصر سے شروع ہوتی ہے۔ بعض کا یہ بیان ہے
کہ مصریون نے اس فن کو ہندیون سے سیکھا تھا مگر وہان کی عمارات کے دیکھنے
کے بعد یہ دعوی محض غلط معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ فن تعمیر کے
سب سے قدیم نمونے مصر ہی مین پائے جاتے ہین۔ ہیروڈوٹس کے بیان کے
مطابق مصری عمارات کے قدیم ترین نمونے۔ دریائے نیل کا بند تعمیر کردہ۔ مینز
بنیاد شہر ممفس اور ولکن کا مندر ہین۔ یوسی بس پسندیدہ بیان کرتا ہے کہ شاہان
مصر کے پہلے خاندان کے چوتھے بادشاہ وینی فیس نے کوکامن مین بعض اہرام
تعمیر کئے تھے۔ اس کے بعد کئی خاندان گذرے اور بادشاہ سیاپس نامی مصر کا حکمران
ہوا۔ یہ نہایت ظالم تھا اور رعایا سے تمام مذہبی عبادات چھڑا کر اپنا ذاتی کام لیا کرتا
تھا۔ موجودہ اہرام مین سب سے پہلا اور سب سے بڑا مینار اس نے اپنے لئے
بنوایا تھا تاکہ اُس مین دفن کیا جائے۔ یہ مینار قاہرہ کے نواح مین اب تک باقی ہے
اور نہ معلوم کب تک باقی رہے گا۔ اس کی تعمیر مین سخت ترین سنگ سماق استعمال
کیا گیا ہے جو کوہستان عرب سے دریائے نیل کے راستہ لایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس مینار

کو ایک لاکھ آدمیون نے لگاتار بیس برس کی مدت مین تعمیر کیا تھا۔ دوسرا مینار جو اُس کے قریب ہی واقع ہے سیاپس کے جانشین نے بنایا تھا جس کا نام ہیرو ڈوٹس کے بیان کے مطابق شفرین اور ایک کتبہ کی رو سے شفرا معلوم ہوتا ہے اس کے چالیس برس بعد تیسرا مینار منشریز نے بنوایا اور علے ہٰذالقیاس یکے بعد دیگرے چھوٹے بڑے تمام اہرام تعمیر ہوے جن کی تعداد بقول لپ سیس کے سو سے کم نہ ہوگی۔ مصری اپنے مُردون کی بہت عزت کرتے تھے۔ اسی خیال سے اُنھون نے بہت سی قبرین بنائی تھین۔ ان مین سے بعض زیر زمین اور بعض بالائے زمین بنائی گئی ہین مگر ان کی بھی شکلین اہرامی ہین اور غالباً اہرامون کے بعد بنی ہون گی۔ اکثر قبرون مین سے لاشین نکال کر قاہرہ کے عجائب خانہ مین رکھی گئی ہین اور نیز دوسرے ممالک کو بھیجدی گئی ہین۔ ان کے علاوہ قدیم مصری مندر ہین جو حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل قیصران روم کے زمانہ تک برابر تعمیر ہوتے رہے ہین۔ ان مین سب سے زیادہ مہتم بالشان وہ مندر ہے جو نوبیا مین چودہ سو برس قبل حضرت عیسیٰ ٹھوس سخت چٹان کو کاٹکر بنایا گیا تھا۔ ایک مندر غزہ مین ہے جو جلا شدہ سنگ سماق سے بنایا گیا ہے۔ اس مین سے شفرین کی لاش نکلی تھی۔ اسی طرح ادفو اور کارنک وغیرہ کے بھی مندر اور دکہ کے قلعون کے آثار ہین جن سے مصری معمارون کے کمال کا پتہ لگتا ہے۔

یہودیون نے اس فن مین کچھ ترقی نہین کی بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ اینٹون کے بنانے سے واقف ہون تو ہون مگر فن عمارت مین کبھی دستگاہ کامل نہین رکھتے تھے۔ علاوہ چند بادشاہون کی قبرون کے بیت المقدس کی عمارت ان کی خاص یادگار کہی جاتی ہے۔ مگر اس کے متعلق بھی بعض کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ

سے نے ٹائیر کے بادشاہ ھائیرام سے چند ماہرین فن طلب کیئے تھے جنھون نے اس عمارت کو بنایا ہے۔

بخلاف ان کے ہندیون کا پایہ فن تعمیر کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ اُن کی عمارتین تین قسمون مین منقسم ہین۔ (۱) شمالی ہند کے آریہ اقوام کی عمارتین۔ (۲) جنوبی ہند کے تامل اقوام کی عمارتین۔ (۳) پنجاب و کشمیر کی عمارتین۔ اول الذکر اور آخر الذکر کا ہمین بہت کم علم ہے مگر جنوبی اقوام کی عمارتون کی تاریخ بہت اچھی طرح معلوم ہے۔ رام راج ایک دکھنی مصنف نے ان کا بہت کچھ حال لکھا ہے جس کا حوالہ پروفیسر لیوس نے اپنے مضمون مین بھی دیا ہے۔ جنوبی ہند کے ہندی عمارتون کی یادگار مین اجنٹا۔ اورنگ آباد اور الورا کے غار اب تک قائم ہین۔ موسیو یادرسی لار ایک فرانسیسی مصنف الورا کے غارون کو دیکھ کر جن مین کیلاس کا کمرہ بہت نفیس ہے کہتا ہے کہ "الورا کے مندرون کی عالیشان آثار کے سامنے تمام شرحین بیکار ہین دیگر آثار باقیہ کے مقابلہ مین یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہین جنھین دیکھ کر قوت متخیلہ مبہوت رہجاتی ہے" ان کی قدامت کے متعلق پہلے بہت مبالغہ کیا جاتا تھا مگر اب یورپ کے محققین نے جو ہربات کا پتہ پتال تک لگاتے ہین یہ دریافت کیا ہے کہ ان کی تعمیر تیسری صدی قبل حضرت مسیح علیہ السلام مین ہوئی ہوگی۔ سنہ ۲۵۰ قبل مسیح مین اشوک ہندوستان کا راجہ تھا اور بدھ مذہب رکھتا تھا۔ اس کے زمانہ کی یادگار مین اب تک لاٹین باقی ہین جن پر اس کے فرامین کندہ ہین۔ اکثر جگہ مثلاً سانچی (بھوپال کے مضافات سے ہے) وغیرہ مین ٹوپ بھی ہین جو ابتداءً کسی واقعہ یا مقدس مقام کی یادگار مین بنائے گئے تھے۔ اس کے بعد بدھ مذہب کے بزرگون کی نشانیان مثلاً دانت یا جسم کی کوئی ہڈی ایک بکس مین رکھکر دفن

کر دیتے اور اس پر ایک ٹوپ بنا دیتے تھے۔

بدھ مت والون کے بعد جین مذہب والون کی عمارتین ہین جو دسوین صدی عیسوی مین بنی تھین۔ سومنات کا مشہور مندر اِن کے کمال کی اب تک یادگار باقی ہے۔ جینون کی عمارت مین ستون بکثرت ہوتے ہین جو مربعون کی شکل مین استادہ کئے جاتے تھے۔ اِن کی عمارتون مین گُنبد بھی پائے جاتے ہین۔

ہندوستان کو چھوڑ کر آؤ اب قدیم شاہی عمارتون کی سیر کرین یہان ۱۸۴۵ء مین موصل کے گرد و نواح مین کچھ پُرانے آثار پائے گئے تھے۔ اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ مین بابل کالدیہ نینوہ مین مکانات کی کرسی بہت اونچی رکھی جاتی تھی اور اکثر اینٹین لگائی جاتی تھین۔ خورساباد (نواح موصل) مین نمرود کے محلات اپنی گئی گذری شان اور قدیم تمدن کی عظمت آج تک ظاہر کر رہے ہین کالدیہ مین سب سے عالیشان مندر برس نمرود ہے جو کرہ اسے سبع کے نام پر بنایا گیا تھا اور بخت نصر نے دوبارہ اسے تعمیر کیا تھا۔

ایران قدامت اور تمدن کے لحاظ سے روما سے کچھ کم نہ تھا۔ اِس کی حد دساسانیون کے زمانہ مین تمام بالائی ایشیا۔ ایشیای کوچک۔ فنیشیا۔ مصر تھریس اور مقدونیہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ مگر چونکہ اُس کی قدیم تاریخ اچھی طرح سے معلوم نہین اِس لئے سوائے چند پرانے آثار مثلاً مرغاب مین کیخسرو کی قبر۔ اکبا تانا کے پُرانے کھنڈر اور پرسی پولس اور سوسا کی قدیم عمارتون کے ویران اور بوسیدہ کھنڈر انگلیون پر گنائے جا سکتے ہین۔

بخلاف اِن کے یونانیون کی تاریخین بکثرت ہمارے پاس موجود ہین۔ اِن لوگون مین دیوتاؤن کے نام مندر بنانے کی رسم بہت جاری تھی۔ یونان مین قدیم ترین عمارت کے نمونے دو مکرے ہین جو ماسی سینا مین واقع ہین۔ قدیم یونانی

طرزِ عمارت کی تین قسمین بیان کی جاتی ہین وہ (۱) ڈورسی (۲) آیونی اور (۳) کارنتھی
اول الذکر کی ابتدا وٹروویس اس طرح بیان کرتا ہے کہ آشا نیا اور پے لوپانی سس
کا ایک بادشاہ ڈورس نام تھا۔ اس نے قدیم شہر آرگوس مین جونو کا ایک مندر
بنوایا تھا جس وضع مین یہ عمارت تیار ہوئی وہ ڈورسی وضع کے نام سے تعبیر کی جاتی ہو۔
ثانی الذکر وضع جزائر آیونین کے آباد کنندگان اول نے اختراع کی جس مین دو قسم
کے ستون تھے ایک مین مردانہ سادگی تھی اور دوسری مین زنانہ زیبائش اور
آراستگی۔ تیسری وضع کے متعلق وٹروویس کہتا ہے کہ بنانے والون کو در حقیقت
منظور یہ تھا کہ "ایک جوان خوبصورت لڑکی کی نزاکت ظاہر کی جائے جس کی عمر نے
اس کی صورت کو اور زیادہ دلآویز بنا دیا ہے اور اس قابل کر دیا ہے کہ زیورات
سے اس کے حسن خداداد مین چار چاند لگ جائین"

مگر در حقیقت یہ سب کہانیان ہین۔ تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ستونون کا
انداز یونانیون نے ابتداءً قدیم شامیون سے لیا تھا مگر بعد مین خود بہت کچھ
ترقی کر لی۔ اس مین شک نہین کہ حسن جو موجودہ وضع مین پایا جاتا ہے وہ خود
یونانیون کا ایجاد کردہ ہے۔ اس وضع کی بہترین مثالیں ایتھنس کی عمارتہائے
تھیسیم۔ پارتھینان۔ ارکٹیم مین پائی جاتی ہین جو پانچوین صدی قبل
حضرت مسیح علیہ السلام تعمیر ہوئی تھین۔ "پڈیمنٹ" (مثلثی یا کروی رو کار) بھی یونانیون
کی ایجاد ہے جس کا پتہ مصریون کی عمارتون مین کہین نہین پایا جاتا۔

یونانیون کے بعد تہذیب و تمدن کا ماہتاب جب رومیون پر طالع ہوا تو
انھون نے یونانی وضعون مین اپنی ایجادین شامل کین۔ محراب کا استعمال
ان کے زمانہ مین بہت کیا گیا ہے۔ یونانی طرز ڈورسی کی سادگی انہین پسند
نہ آئی۔ اس مین انھون نے اپنی جانب سے بہت کچھ اضافے کیے جنکی مثال

تھیٹر مارسیلس واقع رومتہ الکبری کے سب سے نیچے کی منزل ہے رومی آئونی
وضع کا صرف ایک مندر "فارچونا ورلیس" اب تک باقی ہے مگر یہ وضع رومیون
کو کچھ زیادہ پسند نہ تھی رسب سے زیادہ انھین کارنتھی وضع پسند تھی۔ خود اپنے
گھرون مین اور نیز جہان کہین باہر فتوحات کین وہان اسی طرز کی عمارتین انھون نے
بنائین۔ آئی بیریا گال (یعنی فرانس) آسٹریا۔ یونان اور شام مین جہان جہان
اُن کی بنائی ہوئی عمارتین باقی ہین (باستثنا مصر کے) یہی طرز ہویدا ہے۔ رومی
کارنتھی وضع عمارت مین بھی یونانیون کی وضع کی طرح تین بڑے اہم حصے تھے۔
(۱) "اسٹائیلوبیٹ" (حصہ زیرین ستون) (۲) ستون اور (۳) "انٹیبلیچر" (حصہ بالائے
ستون) اول الذکر حصہ رومی بمقابلہ یونانیون کے ذرا زیادہ بڑا بناتے تھے۔
مندرون کے بعد رومی عمارات کے سب سے زیادہ مہتم بالشان نمونے پامپیای
اور ھرکولینیم کے تھیٹرون کے آثار قدیمہ مین پائے جاتے ہین۔ ان مین بھی
یونانیون ہی کی تقلید پائی جاتی ہے۔ آرائشون مین بے شک کسی قدر اُن سے
تجاوز کیا گیا ہے۔ امفی تھیٹر بالکل رومیون کی اپنی ایجاد ہے جن کا موجد جولیس قیصر تھا
رومیون کے فن تعمیر کی ابتدا آغاز سنہ عیسوی سے ہوئی ہے مگر
جس سرعت کے ساتھ اس نے تمام مقبوضات روما پر اپنا اثر پھیلا دیا وہ بہت
حیرت انگیز ہے۔ تمام رومی ملکون نے قومی وضع چھوڑ کر اپنے فاتحون کی وضع
اختیار کر لی مگر جب مسیحیت کا غلبہ زیادہ ہوا اور مذہبی عمارات بہت بننے لگین
تو قدیم رومی حمامون۔ تھیٹرون۔ گرجاؤن اور مکانات کی وضع ساقط ہو گئی
اور بائی زنتیم (یعنی قسطنطنیہ) کی وضع نے اس کی جگہ لے لی۔ مگر اس کے بعد
فوراً گاتھک وضع نے رواج پایا۔ اس وضع کی ابتدا اُس وقت ہوئی تھی جبکہ
قوم گاتھ نے اٹلی پر حملہ کیا تھا۔ بعد مین ترقی کرتے کرتے تمام یورپ مین اس کا

رواج ہوگیا اور ہر قوم نے اپنے تمدنی و قومی خصوصیات کو مرعی رکھکر اس وضع کو اختیار کرلیا۔ انگلستان مین اس وضع کی سب سے مشہور عمارات وسٹ منسٹر ایبی اور لنکن کیتھیڈرل ہین۔

زمانہ وسطی کی تاریخ فن تعمیر پر جس قدر زیادہ مسلمانون کے تمدن نے اثر ڈالا اتنا کسی دوسری قوم نے نہین ڈالا۔ اِن کی تہذیب اور اِن کا تمدن تعلیم قرآن پاک پر مبنی تھا۔ اِن کے فن تعمیر نے زیادہ تر مساجد و مقابر کی تعمیر مین اپنا جلوہ دکھایا ہے۔ اِن کے علاوہ مسلمانون کے اکثر محلات جیسے غرناطہ کا الحمرا اشبیلیہ کا القصر اور دہلی کے شاہی قصور اپنے بانیون کی یاد اِس وقت تک تازہ کررہے ہین۔ موسیو لی بان نے مسلمانون کے طرز تعمیر کو تین حصون مین تقسیم کیا ہے۔ (۱) شرقی عربی طرز (۲) خالص عربی طرز اور (۳) ملاجلا ہوا عربی طرز۔ اول الذکر نے شام۔ افریقہ۔ صقلیہ اور کسی قدر اندلس و مصر مین رواج پایا۔ جس کے نمونہ کے طور پر ہم شام کے عمارات مین حضرت عمرؓ کی مسجد۔ مسجد اقصی اور جامع دمشق مصر کے عمارات مین مسجد عمروؓ بن العاصؓ اور جامع طولون۔ افریقہ کے عمارات مین مسجد قیروان اور مسجد الجزائر۔ صقلیہ مین صفیرہ اور توبع کے قصر۔ اور اندلس مین مسجد قرطبہ اور طلیطلہ کی عربی یادگارین پیش کرسکتے ہین۔ ثانی الذکر طرز نے بھی ایک حد تک مصر و اندلس مین رواج پایا تھا جس کی مثال کے طور پر مصر کی مسجد قائت بی اور اشبیلیہ و غرناطہ کی عمارتین اب تک موجود ہین۔ ثالث الذکر کے متعلق یہ کہنا چاہئے کہ عربی وضع مین قدیم اندلس کی وضع یہودیون۔ ایرانیون۔ ہندیون اور مغلون کی وضع نے بہت کچھ اپنا اثر دکھایا ہے۔ مثلاً فتح اندلس کے ابتدائی زمانہ مین جو عمارتین طلیطلہ مین تعمیر ہوئی تھین اُن سے صاف مفتوح قومون کا اثر پایا جاتا ہے یہودی طرز اُنہین عمارات

سے ظاہر ہے جو پہلے یہودیون کی تھین اور بعد فتح مسلمانون کی ہوگئین مثلاً طایطلہ کی عمارت سینٹا ماریا لا بلانکا۔ ایرانی اثر اُن تمام عمارتون سے ظاہر ہے جو اشاعت اسلام کے بعد ہی ایران مین تعمیر ہوئین مثلاً مساجد اصفہان۔ تبریز میل جول کی شال دہلی مین قطب صاحب کی لاٹ۔ اور علاء الدین خلجی کے مشہور دروازہ سے معلوم ہوتی ہے۔ انھین دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کمال کے ساتھ عرب ہر چیز کو اپنی کر لیتی تھی۔ رہا مغلی اثر وہ سلاطین مغلیہ کے اُن عمارات سے ٹپکا پڑتا ہے جو اُنھون نے اپنے زمانہ مین ہندوستان مین بنائین مثلاً تاج بی بی کا روضہ وغیرہ۔

افسوس ہے کہ مسلمانون کے فن تعمیر کی کتابین بہت کم ہمین مل سکین اور جو کچھ کہ ملین بھی وہ اکثر غیر مذہب والون کی ہین۔ موسیو لی بان جس کی کتاب تمدن عرب سے ہم نے بہت کچھ اس مضمون مین اخذ کیا ہے اُس نے کسی قدر ضرور لکھا ہے مگر وہ اتنا ہے جتنا کہ کھانے مین نمک۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "یہ کام آسان نہین ہے کیونکہ ہم اُس میدان مین قدم رکھ رہے ہین جہان پہلے کسی کا گذر نہ ہوا تھا اور وہ مختصر جگہہ جو ہمین اپنی کتاب مین اس بیان کے لئے ملی ہے اُس نے ہمین مجبور کر دیا ہے کہ ہم صرف جل مطالب سے بحث کرین"۔

اس مین شک نہین کہ مسلمانون نے فن تعمیر مین ابتداءً بہت کچھ ایرانیون اور عیسائیون سے لیا تھا مگر وہ بہت جلد تقلید کے بند سے آزاد ہوگئے۔ اور اپنے واسطے ایک جدید وضع اختیار کر لی۔ انھون نے اپنی عمارات مین پتھرون کا بھی استعمال کیا اور اینٹون اور ایک خاص قسم کے مسالہ کا بھی۔ یہ مسالہ جو چونے۔ ریت۔ مٹی اور سنگریزون سے بنتا تھا مضبوطی مین سنگ مرمر سے کم نہین ہوتا تھا اور ناظرین کو حیرت ہوگی کہ الحمرا مین بجائے پتھر کے ایک قسم کا چونا استعمال کیا گیا ہے جس کی کیفیت آگے

لائم کہتے ہین۔ عربون سنے مفتوحہ ممالک کے ستون اوربا اس العمود کو دیکھ کر اپنی
عمارتون مین بھی انھین داخل کیا مگر بعد مین اُنھون سنے خود ستونون کا ایک طرز
ایجاد کیا جو الحمرا کے بیت الاسود کے ستون سے ظاہر ہوتا ہے اور موسیو براں شی
کے قول کے موافق کسی پرانی طرز کے تابع نہین ہین بلکہ خاص مسلمانون کی ایجاد ہے۔
نکیلی اور پھیلی ہوئی محرابین تعمیر عرب کے خصوصیات سے ہین اور مینار مسلمانون
کی خاص ایجاد ہین۔ یہ ہر ملک مین ایک خاص وضع کے پائے جاتے ہین۔ موسیو لی بان
تمدن عرب مین لکھتے ہین کہ "کسی چیز سے عربون کی ذکاوت اور صناعی اس قدر نہین
معلوم ہوتی جیسی ان مختلف رنگ ڈھنگ کے مینارون سے" دہلی کی جامع مسجد کے
مینار جو مغلون سنے بنائے ہین اور جونپور کی مسجدون کے مینار جو ہندوستان کے پٹھان
بادشاہون سنے بنائی ہین اس اختلاف کی خاصی مثالین ہین۔ گنبد مسلمانون کی ایجاد
نہین ہین بلکہ شرقی عمارات مین پہلے سے موجود ہین۔ عربون کی اس مین اپنی ایجاد
اوپر سے پتلا اور نیچے سے دبا ہونا ہے۔ عرب اپنی عمارات کی دیوارون مین
یونانیون کی سادگی کو ناپسند کرتے تھے اور زیبائش کے لئے طاق بناتے تھے
جن کی صورت مثلث کروی کی سی ہوتی تھی۔ اندلس کے عربون سنے اُن کروی
طاقون کی صورت بدل کر انھین منشوری بنایا اور اُن کے اضلاع مقعر کئے۔
طاقون کے علاوہ دیوارون پر خط نسخ مین گلکاری کرتے تھے جو ایسے خوبصورت
معلوم ہوتے تھے کہ بعد مین عیسائیون سنے بھی عربی حروف کی گلکاری اپنے ہان
شروع کی اور کلیسای سینٹ پیٹر کے اُس دروازے پر جہان پوپ یوجین چہارم
کی مورت ہے حضرت عیسیٰ کے سر کے گرد عربی حرفون کا ہالہ ہے اور سینٹ پیٹر
اور سینٹ پال کے کپڑون پر بھی ایک ایک سطر عربی لکھی ہوئی ہے۔" اس قسم
کی زیبائشون کے علاوہ مسلمان اپنی عمارتون مین رنگین آرائشین بھی کیا کرتے تھے۔

چنانچہ الحمرا کی کل دیوارین پہلے زمانہ مین رنگین تھین اور مساجد کی بیرونی دیوارون پر بھی اکثر اوقات رنگ ہوا کرتا تھا۔

ہندوستان مین جب مسلمان آئے تو یہان ایک نہایت ہی اعلی درجہ کے تمدن کی بنیاد مستحکم پائی جس کے اثر نے رفتہ رفتہ اُن پر بھی غلبہ پانا شروع کیا جس کی ایک نظیر دروازہ علاؤ الدین ہے۔ اس کے بعد ایرانی اثر نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔ اکبر کا مقبرہ۔ تاج بی بی کا روضہ اور دہلی کے شاہی قصر ان تینون عربی ہندی اور ایرانی طرزون کی آمیزش کی اچھی مثالین ہین اس میل سے درحقیقت ایک نئی وضع پیدا ہو گئی جسے ہم مغل طرز کہہ سکتے ہین۔

اس موقعہ پر ہم بخوف طوالت مسلمانون کے فن تعمیر پر خصوصیت کے ساتھ بحث نہین کر سکتے۔ اس مین شک نہین کہ مسلمانون کے فن تعمیر پر بہت کم کتابین لکھی گئی ہین مگر یہ ہمارا ہی قصور ہے۔ رہا موجودہ زمانہ کے مسلمانون کا میلان اس فن کی طرف اس کے متعلق ہم نہایت افسوس کے ساتھ پروفیسر لیبوس کے یہ الفاظ دہرانے پر مجبور ہین "عربون کے موجودہ جانشینون نے اس فن مین دعوای خصوصیت کو بالکل ہاتھ سے کھو دیا۔ مرقع جات قلمی جن مین پچی کاری یا لکڑی یا ہاتھی دانت مین کھودی ہوی کام کو دکھایا گیا ہی جس سے پرانی کامون مین بے انتہا زیبائش پیدا ہوتی تھی۔ آج کل کے مسلمان اُنکی صحیح صحیح نقل یا تقلید تک نہین کر سکتے۔ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اپنی یوروپین ہمعصرون کی صرف نقل اور وہ بھی بہت بھدی نقل کر لیا کرتے ہین"

موجودہ زمانہ کی فن تعمیر پر سب سی زیادہ اطالیہ والون کا اثر پڑا ہی۔ انھون نے گاتھک وضع کو بدلکر پرانی یونانی وضع کو پھر اختیار کرنا چاہا۔ فن تعمیر کے اس انقلاب مین سب سی پہلا قدم فلی پو برونلسچی فلارنس کے ایک معمار نے ڈالا۔ اس نے پُر اسنے اندانہ کے مشارکت سے ایک ایسی عمارت بنائی کہ لوگ پھڑک اُٹھے اور پُرانی وضع کا خیال پھر پیدا ہو گیا بجائے اس کے کہ آثار قدیمہ سے کچھ مدد

مدولین اور اُن کی تقلید کرین ایک شخص دنیرو ویس کی کتاب پر چلے جس نے دعویٰ تو کیا ہے کہ مین قدیم یونانی اور رومی وضع کا ذکر کرتا ہون مگر درحقیقت اُس سے بون بعید ہے۔ قدیم تین وضعون یعنی ڈورسی۔ آیونی اور کارنتھی وضع مین پندرھون صدی عیسوی کے معمارون نے دو وضعین یعنی طرز ٹسکنی اور وضع مرکب اور اضافہ کین (ملاحظہ ہون ان تینون وضعون کی تصویرین مندرجہ انسائکلوپیڈیا برطانیکا صفحہ ۴۴۴) ٹسکنی وضع کے ستون سادی ہین اور ڈورسی وضع کے مخطط۔ آیونی وضع کے ستون مخطط ہوتے ہین مگر ان کے اوپر گنڈلیان پڑی رہتی ہین۔ کارنتھی وضع اور وضع مرکب کے ستون بھی مخطط ہوتے ہین مگر اوپر کے حصہ مین کسی قدر فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر مین تاج کی شکل کے پھول بنے ہوتے ہین اور آخر الذکر مین اس تاج پر ایک بیل بنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان سب کے رو کارون مین بھی فرق ہوتا ہے اور بتدریج سادگی سے زیبائش کی طرف میلان پیدا ہو جاتا ہے۔

اٹلی کی اس طرز کی تقلید تمام یورپ مین کی جاتی ہے۔ انگلستان مین گاتھک وضع کا خاتمہ صدی ہشتم کے زمانہ مین ہوا سولھوین صدی عیسوی مین اٹلی کے اثر سے متاثر ہو کر یہان بھی ایک وضع پیدا ہو گئی ہے جس مین پرانی گاتھک وضع کے بھی چند خصوصیات پائے جاتے ہین جس قدر زمانہ ترقی کرتا گیا اور لوگون کا مذاق بدلتا گیا ان طرزون مین بھی تغیرات ہوتے گئے۔ موجودہ زمانہ مین تجارت کی ترقی اور روپیہ کی زیادتی نے انجنیرون اور معمارون کے ہاتھون بہت کم رفاہ عام کے کام سپرد کئے ہین۔ ممالک متحدہ امریکہ کا قدم اس مین سب سے آگے تھا جس کی دار السلطنت واشنگٹن کو دیکھ کر موجودہ زمانہ کی ترقی کا کافی اندازہ ہو سکتا ہے۔ انگلستان کی اکثر عمارتین اور یورپ کے دیگر ممالک کی جدید عمارتون کو مذکورہ بالا طرزون کا مجموعہ کہنا چاہئے۔

محمد معشوق حسین خان

غزل

ہنگامِ نزع وصل کی حسرت ہی کیون نہ ہو — کھینچنا رگون کا جذبِ محبت ہی کیون نہ ہو
کس واسطے مین ہون درِ کعبہ پہ جبہ سا — یہ ہے تو آستانِ محبت ہی کیون نہ ہو
ساری حرارتون کا ہی مرکز یہ داغِ دل — گرمیٔ آفتاب قیامت ہی کیون نہ ہو
نورِ نظر کو خواہشِ ہم جنس حسن ہے — پیشِ نگاہ پھر تری صورت ہی کیون نہ ہو
بیدرد کو سناؤن مین کیون سرگذشتِ دل — مانا بطرزِ حرف و حکایت ہی کیون نہ ہو
اخفائے رازِ عشق مین ناسور چاہیئے — دل مین بھی کوئی گوشۂ خلوت ہی کیون نہ ہو
جب وہ ہمہ مین ذات ہی اسے قائلِ شہود — ظاہر مین پھر بتون کی عبادت ہی کیون نہ ہو
سو طرح کے خیال ہین انشائے راز مین — رونا ہی ہی تو گوشۂ خلوت ہی کیون نہ ہو
تاثیرِ جذبِ عشق کو بدنام کیون کرون — سمجھون محبت اُن کو عداوت ہی کیون نہ ہو
مجبور ہون مین گریۂ طوفان خروش سے — گو آنسوؤن مین دل کی حقیقت ہی کیون نہ ہو
تھا اصل مین اشارۂ ابروے ماہ مصر — گو اب ترنج و تیغ کی شہرت ہی کیون نہ ہو
وادیٔ عشق مین مجھے سو طرح کے ہین وہم — ہمراہ میرے پیرِ طریقت ہی کیون نہ ہو
دیکھون گا مین بھی حوصلۂ طاقتِ نظر — موسیٰ کی طرح مجھ کو خجالت ہی کیون نہ ہو
الزامِ بےقراریٔ دل بھی ہے اک ستم — مانا کہ وہ بہ رسمِ شکایت ہی کیون نہ ہو
ہے وسعتِ خیالِ جنون سے وہ دشت تنگ — ہر ذرہ ذرہ عالمِ وحشت ہی کیون نہ ہو
مرتا ہون پھر ہون سرخوشِ پیمانۂ نگاہ — گو وہ شرابخانۂ عبرت ہی کیون نہ ہو
کیون آہ و لگداز کا ہمراز ہو کوئی — مانا کہ شمع گوشۂ خلوت ہی کیون نہ ہو
ویرانہ ڈھونڈھتے ہو جو رونے کے واسطے — اے کشتگانِ غم مری تربت ہی کیون نہ ہو
کہہ دو جو بی زبان سے اک دن تو حالِ دل — اندیشۂ ملالِ شکایت ہی کیون نہ ہو
زار رہتے ہین دیکھ کے حالِ مریضِ عشق — یہ دوسرون کے واسطے عبرت ہی کیون نہ ہو
ہے بندگانِ عشق کا مشرب یہی **عزیزؔ** — آزادگی بہانۂ وحشت ہی کیون نہ ہو

مرزا محمد ادریس — عزیز

ہر امپیریل مجسٹی شی شہنشاہ بیگم چین

(۲)

اِس کے دشمن اسے یہ الزام دیتے ہین کہ وہ جُوے کی بہت شوقین ہو اور روپیہ سے بے انتہا محبت رکھتی ہے۔ اِس کا سب سے بڑا مخالف جس نے اُس پر بڑے بڑے الزام لگائے ہین کینگ یوزی ایک ریفارمر (مصلح) تھا۔ جسے شہنشاہ بیگم نے اندیادھند آزادانہ خیالات کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ اِس نے اپنے آخری خط مین جو وزرائے دول خارجہ کے نام ہے شہنشاہ بیگم شی کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا ہے کہ اِس نے اپنے بیٹے کو غلامی کی حالت مین رکھا اور تمام اختیارات شاہی پر خود قابض رہی۔ اِس نے شہنشاہ کو جان بوجھ کر خراب کیا۔ اور اپنی سوکن مشرقی بیگم نیز اپنی بہو یعنی ٹنگ جی کی بیوی کو زہر دیکے کر مروا ڈالا۔ وہ بڑی غاصب ہے کہ اُس نے ایک ہونہار اور لائق شہنشاہ کو تخت سے اُتار دیا اور خود مالک بن بیٹھی اور اپنے خاوند مین فون کو اپنے حرکات سے ستا ستا کر ہلاک کر ڈالا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک دشمن کا بیان ہے جس مین اکثر سچ کم اور جھوٹ زیادہ ہوتا ہے۔

جب شہنشاہ کوٹنگ سو ۱۸۸۹ء مین تخت نشین ہوا تو اس نے چین کو پیشتر کی بہ نسبت نہایت عمدہ حالت مین پایا۔ شی کی نسبت خواہ کوئی کچھ کہے لیکن اِس مین کسی کو کلام نہین ہو سکتا کہ اِس کی زمانہ مین چین کی مرفہ الحالی اور وقعت پھر قائم ہوگئی۔ اِس کا شہزادہ کونگ سے جو کچھ بھی تنازع ہوا ہو لیکن اِس مین شک نہین کہ انھون نے بیس سال تک برابر مل کر کام کیا۔ اور جب

آخر کار شی سے اُسے موقوف کردیا تو اس کے بعد لی ہنگ چنگ جیسے قابل اور ہوشیار شخص کو منتخب کیا۔ اور ۱۸۶۱ء سے ۱۸۸۹ء تک اس نے عملی طور سے مملکت چین پر حکومت کی اور جب وہ وقت آیا کہ تمام اختیارات اور قوت نوجوان شہنشاہ کوئنگ سو کے حوالہ کردے تو اس شان و عظمت کے جاتے رہنے سے جس کا لطف اُس نے زمانۂ دراز تک اٹھایا تھا باقتضائے بشریت اس کا دل کڑھا۔ شہنشاہ بیگم کو جو شبہات کوئنگ سو کی طرف سے تھے وہ بلا وجہ نہ تھے۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو شی نے اسے ترغیب دے کر ایک باقاعدہ اقرارنامہ لکھوا لیا جس مین کوئی پچیس دفعات تھے جنکی رو سے شی کے بہت سے شاہی اختیارات قائم رہے لیکن جونہی وہ تخت پر بیٹھا اُس نے ایک ایک کرکے اُن تمام اختیارات کو کم کرنا شروع کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دس سال تک شہنشاہ بیگم شی اور نوجوان بادشاہ مین کشمکش اور پرخاش رہی۔ اُس کی پہلی کامیابی یہ تھی کہ اس نے لی ہنگ چنگ کی اس تجویز کو کہ کلمینٹ سین سے پیکن تک ریل بنائی جائے اور جس کی تائید شی نے بڑے زور سے کی تھی نامنظور کیا۔ زمانہ مین یہ مشہور ہو گیا تھا کہ شہنشاہ بہت ہی تنگ خیال اور کوتاہ نظر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس امر کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ مین خود مختار ہون شی کا غلام نہین۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نے اظہار آزادی کا ڈھنگ بہت برا اختیار کیا۔

تخت نشین ہونے سے پہلے اس نے شاہی محل مین ریل کی سڑک تیار کرائی تھی جس پر آٹھ شاندار ریل کی گاڑیان چلتی تھین۔ یہ گاڑیان فرانسیسیون نے دی تھین۔ اُن پر مختلف رنگونکی بیش قیمت اطلس کے غلاف چڑھے ہوئے تھے اور اُن مین ایک گاڑی خاص شہنشاہ کی تھی جو بہت آراستہ اور زرد رنگ

کی تھی جو چین کا شاہی رنگ ہے۔ فرانسیسیون نے یہ گاڑیان رسوخ حاصل کرنے کے لئے شہنشاہ کے نذر کرنی چاہیں لیکن شہنشاہ نے بلا قیمت لینا منظور نہ کیا اور دو ہزار پونڈ بطور قیمت کے دئے۔ لیکن درحقیقت اِن کی قیمت بیس ہزار پونڈ سے کم نہ تھی۔

شہنشاہ بچپن مین کلون اور انجنون کے دیکھنے کا بہت شوقین تھا اور تعلیم کی طرف اِس قدر توجہ نہین کرتا تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو ہر روز صبح کے دو بجے اُٹھتا اور اڑہائی بجے کے قریب ناشتہ کرتا اور تین بجے کام کے لئے تیار ہو جاتا اور چار پانچ چھ بجے تک اپنے وزرا سے ملاقات کرتا اور اُس کے بعد اپنے مقدس فرائض کے ادا کرنے کے لئے چلا جاتا۔ دن کا کھانا گیارہ بجے کھاتا اور پھر شام کا کھانا مغرب کے بعد کھاتا اور سویرے سو جاتا۔

اُس وقت جن لوگون نے اُسے دیکھا تھا وہ بیان کرتے ہین کہ " شہنشاہ ایک دُبلا پتلا زرد رنگ کا نوجوان ہے اِس کی آنکھین بادام کی سی اور چوٹی سیاہ ہے" مسٹر کارپنٹر لکھتے ہین کہ " مین نے سنا ہے کہ اِس مین معمولی بچون کی سی تمام باتین ہین اور کھیل کود کا ایسا ہی شوقین ہے جیسے اِس کی رعایا کے دوسرے بچے۔ چند روز ہوئے وہ ایک چھوٹی دخانی کشتی دیکھنے گیا اور فوراً انجن کے کمرے مین گھس گیا۔ یہ دیکھ کر اِس کے خواجہ سراؤن پر ایک خوف طاری ہو گیا۔ انجن کے کمرے مین اِس نے ایک قلی کو دیکھا کہ ایک میلا رومال سر سے باندہے کل کو تیل دے رہا ہے۔ شہنشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تم کس قوم کے آدمی ہو اُس نے جواب دیا کہ مین چینی ہون۔ یہ جواب سن کر شہنشاہ نہایت خوش ہوا"

نوجوان شہنشاہ کی نسبت عموماً یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس کے چہرے سے

اداسی اور غمگینی نمایان ہے اور وہ اس عمر کی تمام خوشیون سے محروم ہے اور وہ کسی چیز مین دلچسپی نہین لیتا۔ اور اس سے کسی قسم کی قابلیت یا اپنے فرائض کے ادا کرنے کی لیاقت ظاہر نہین ہوتی۔ لیکن اس کے دل مین یکایک ایسا جوش پیدا ہوا جس سے اس کے تمام درباریون کو اندیشہ ہوا اور اس نے ایسے خیالات ظاہر کئے کہ لوگون کو سخت حیرت ہوئی منجملہ ان کے اس نے ایک کام یہ کیا کہ ۱۸۹۴ء مین جبکہ ممتحنون نے امتحانات کا نتیجہ شایع کیا تو اس نے اس نتیجہ کو نامنظور کیا۔ اور خود امتحان کے پرچے دیکھنے شروع کئے۔ امیدوارون کی تعداد ۲۰۸ تھی اور ان کے مضامین دیکھنے مین بادشاہ کے پورے تین روز صرف ہوئے اگرچہ یہ کام دشوار تھا لیکن اس نے نہایت احتیاط اور توجہ کے ساتھ انجام دیا۔ ممتحنون کے فہرست کی بالکل کایا پلٹ ہوگئی اور ان کے اور بادشاہ کے نتایج مین بہت اختلاف رہا۔ جو لوگ اول اور دوسرے درجہ مین پاس ہوئے انھین ترقی دی گئی۔ مگر دوسرون کا تنزل ہوا یا جرمانہ کیا گیا۔

اس امر کے متعلق بہت اختلاف ہے کہ جنگ جاپان مین شہنشاہ اور ملکہ تشی نے کہان تک حصہ لیا۔ لیکن اس مین کچھ شبہ نہین کہ شہنشاہ لی ہنگ چنگ کا سخت مخالف تھا اور جنگ جاپان کی ناکامیابی پر لی ہنگ چنگ کو قتل کر دیتا اگر پرنس کونگ اور شہنشاہ بیگم تشی اس کی سفارش اور حمایت نہ کرتین۔ اب شہنشاہ اور تشی مین بڑے زور سے مخالفت شروع ہوئی۔ جس مین فتح تشی کو ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ تشی کو پہلا سا اقتدار حاصل نہ ہوا مگر اس نے شہنشاہ کو اس معاہدہ کی تعمیل پر مجبور کیا جس مین تشی کے اختیارات کے متعلق پچیس دفعات تحریر تھین۔

یہ حالات ۱۸۹۶ء تک بدستور رہے لیکن اس سال ایک عجیب و غریب

انقلاب پیدا ہوا کہ ایک شخص کینگ یو وی نے شہنشاہ کو ملک مین نہایت پرزور اصلاحین کرنے پر متوجہ کیا - اِس شخص کی عمر ۳۰ سال کی تھی - اور کینٹن مین بحیثیت ایک معلم کے اُس نے بہت کچھ شہرت اور عزت حاصل کی تھی - اُس کے دل مین پیٹر اعظم کے حالات پڑھ کر ایک جوش پیدا ہوا اور اُس نے خیال کیا کہ چین مین اصلاحین کرنی چاہئین - اُس نے ایک یادداشت لکھی جسے پڑھ کر شہنشاہ کی توجہ اُس طرف مبذول ہوئی - اِس واقعہ کا بیان اُس نے مفصلہ ذیل الفاظ مین کیا ہے -

" مین نے شہنشاہ سے کہا کہ تمام قدیم رسوم کو بالائے طاق رکھ دینا چاہئے - اِن کی پابندی ملک کے لئے کسی طرح مفید نہین ہو سکتی - مین نے شہنشاہ کو یہ صلاح دی کہ جاپان یا روس کے بادشاہ پیٹر اعظم کے قدم بہ قدم چلنا چاہئے - اور اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ دیا کہ سب سے اول یہ کرنا چاہئے کہ سلطنت کے تمام وزرا اور اعلیٰ حکام کو حکم دیا جائے کہ وہ اُن مقامات مین حاضر ہون جہان وہ اپنے دیوتاؤن اور بزرگون کی پرستش کرتے ہین اور اِس امر کی تحریری قسم کھائین کہ وہ اصلاحون کے جاری کرنے پر پوری طرح مستعد ہین -

مین نے دوسری بات شہنشاہ کو یہ سمجھائی کہ تمام قوانین و ضوابط پر نظر ثانی کی جائے - تیسرا امر یہ تھا کہ ایک ایسا دفتر کھولا جائے جس کے ذریعہ سے ہر شخص شہنشاہ کے سامنے اپنی درخواست پیش کر سکے - مین نے شہنشاہ سے کہا کہ آپ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہین ہے جس سے آپ کو لوگون کے خیالات اور دلی خواہشات پر اطلاع ہو سکے اور مین نے یہ بھی کہا کہ انتظام کی حالت ٹھیک طور پر نہین ہے شہنشاہ کو نوجوان اور ذہین لوگ اور نیز ایسے شخص انتخاب کرنے چاہئین جن کے دل مغربی خیالات سے معمور ہون تاکہ وہ سلطنت کی

ترقی وعروج مین مدد دین۔ اور اس معاملہ مین اس بات کا مطلق خیال نہین کرنا چاہیئے کہ وہ اعلیٰ خاندان کے ہین یا ادنیٰ خاندان کے۔

ٹین نے یہ بھی صلاح دی کہ بارہ جدید محکمے مغربی طرز پر قائم کرنے چاہیئین جن مین غیر ملکیون کو مشورہ اور امداد کے لئے ملازم رکھا جائے۔

ٹین نے خزانہ کے اُس بیجا صرف اور نقصان کو بھی جتایا جو ہر سال ہوتا تھا۔

ٹین نے اس امر پر زور دیا کہ تمام طرز سلطنت کو بدل دیا جائے اور ملک کی مال گزاری کا روپیہ مثل ہندوستان کے شاہی خزانہ مین داخل ہو۔

ٹین نے شہنشاہ سے کہا کہ معمولی ٹکسون کے ذریعہ سے چالیس کروڑ ٹیل[1] جمع ہو سکتے ہین اگر دیسی چنگی موقوف کر دی جائے اور تجارتی اسباب کے نرخون کی جانچ پرتال کی جائے۔ اسٹامپ جاری ہو اور دوسری مالی اصلاحین عمل مین آئین تو کم سے کم تیس کروڑ ٹیل کی اور آمدنی ہو سکتی ہے۔ اور اس سے آسانی کے ساتھ سواحل کی حفاظت کے لئے بڑی فوج رکھ سکتے ہین۔ افسرون کی تعلیم کے لئے کالج قائم کر سکتے ہین اور ریلین بنا سکتے ہین۔

چینی اعیان و امرا نے جن سے اس یادداشت مین خطاب کیا گیا تھا نہایت سختی کے ساتھ جواب دیا کہ "ہم کیون اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کو بدلین"۔ لیکن کوینگ سو کے خیالات ان سے بالکل مختلف تھے۔ اس نے کینگ یو وی کو ان اصلاحون کے عمل مین لانے کا موقع دیا۔ مسٹر کرٹس نے شہنشاہ کی ان اندھا دھند اصلاحون کا ذکر مختصر طور پر اس طرح کیا ہے۔ "اس نے اپنے بچپن کے استاد وینگ تنگ ہو کو اس لئے جلاوطن کر دیا کہ اس نے اعتدال کی تعلیم کیون دی تھی۔ اس نے اپنی رائے سے

[1] ایک ٹیل قریباً سات شلنگ یعنی ساڑھے پانچ انگریزی روپئے کے برابر ہوتا ہے۔

مخالفت کرنے پر بڑے بڑے نامور اور معزز شاہزادون کو دربار سے نکال دیا۔ کوئی پانسو آدمی پنسل کی ایک کشش مین نکال باہر کئے۔ ان مین بہت سے ایسے تھے جنھین یہ اعزاز نسلاً بعد نسل حاصل ہوا تھا اور بعض ایسے تھے جو کارنمایان اور خدمات لائقہ کے صلہ مین مختلف عہدون پر سرفراز ہوے تھے۔

سب سے جرأت انگیز اور سخت حملہ جو اُس نے ملکی رسوم پر کیا وہ یہ تھا کہ اس نے حکم دیا کہ آئندہ والسرائون گورنرون فوجی افسرون اور مجسٹریٹون کو بذریعۂ تار کے فرمان بھیجے جایا کرین۔

کوینگ سو نے عام طور پر بالکل ایک معمولی آدمی کی طرح ترن سن جانے کی تجویز کی جس سے تمام لوگون کو نہ صرف بے انتہا استعجاب بلکہ سخت صدمہ ہوا یہی وجہ تھی کہ ملک مین ایک بار یہ افواہ اُڑ گئی کہ شہنشاہ کا ارادہ ہے کہ حکما سب کی چوٹیان کٹوادے اور یوروپین لباس پہنائے۔

لیکن آخری امر جس سے تمام وزرا و امرا کی کمر ٹوٹ گئی یہ تھا کہ ایک عہدہ دار وینگ سن نامی نے اصلاحون کے متعلق شہنشاہ کے حضور مین ایک یادداشت پیش کی جو اُس کے بالادستون کو سخت ناگوار گزری انھون نے اُس کی جرأت اور انقلاب انگیز خیالات کی نہایت سخت مذمت کی اور شہنشاہ سے التجا کی کہ وہ اس شخص کو ایسا سبق دین کہ دوسرون کو عبرت ہو۔ لیکن انھین کس قدر حیرت اور استعجاب ہوا جب یہ معلوم ہوا کہ شہنشاہ نے ایک فرمان جاری کیا ہے جس مین وینگ سن کے استقلال اور مردانگی کی تعریف کی ہے کہ "باوجود تمام اعیان دولت اور وزرا کی دھمکیون کے وہ اپنی بات سے نہین پھرا۔ اور اس کے صلے مین شہنشاہ نے اُسے ایک ایسے عہدہ پر ترقی دی کہ جس کے حاصل کرنے کے لئے کئی مشکل امتحانات اور کم سے کم

پندرہ سال کا عرصہ درکار ہوتا۔ اسی کے ساتھ شہنشاہ نے دس بارہ شہزادون کو سختی کے ساتھ بُرا بھلا کہا اور ملازمت سے موقوف کر دیا اور نیز وینگ سن کے دفتر کے دو پریسیڈنٹون دو وائس پریسیڈنٹون اور چند اعلیٰ عہدہ دارون کو بھی علحدہ کر دیا۔ جرم یہ تھا کہ انھون نے رعایا کے حقوق مین مداخلت کی اور ہمارے اصلاح ملک کی خواہش کی مخالفت کرنے مین کیون جرأت کی"

اس مین شک نہین کہ شہنشاہ کی نیت بہت اچھی تھی اور بے شک جو اصلاحین وہ کرنا چاہتا تھا اعلیٰ درجہ کی تھین۔ اگر امراو اعیان دولت مین ذرا دور اندیشی ہوتی اور وہ بادشاہ کا ساتھ دیتے تو اس وقت چین جاپان سے کہین آگے ہوتا۔ اور ملک کی حالت بالکل دگرگون ہوتی۔ لیکن افسوس کہ پرانے رسوم کے پھندے ایسے پیچ درپیچ ہین کہ ان کا بال بال جکڑا ہوا ہی۔ شہنشاہ کے ان انقلاب انگیز خیالات سے تمام عہدہ دارون اہلکارون اور اعیان دولت مین ایک تہلکہ پڑ گیا اور سب نے شہنشاہ بیگم شی کی خدمت مین التجا کی کہ ملک کو اب آپ سنبھالیے۔ شہنشاہ نے بیگم کو ایک جزیرہ مین قید رکھنے کا حکم جاری فرمایا اور ایک دوسرے فرمان کے ذریعہ سی سپہ سالار فوج کو فوراً قتل کر دینے کا حکم دیا۔ شہنشاہ بیگم نے معتبر سپاہیون کا ایک دستہ شاہی محل کے گرد جمع کیا اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی گرفتاری اور قید ہونے کی منتظر رہتی۔ ایسی چال چلی کہ خود شہنشاہ کو لینے کے دینے پڑ گئے اور ۲۱ ستمبر ۱۸۹۸ء کو وہ اپنی خلوت سے باہر نکلی اور دوسرے روز شہنشاہ کے نام سے اس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ مین سلطنت کرنے کے بالکل ناقابل ہون اور اس لئے شہنشاہ بیگم شی سے التجا کرتا ہون کہ وہ عنان سلطنت اپنے ہاتھ مین لے لین۔

سب ہوا خواہ مصلحان ملک سب تتر بتر ہو گئے جنھین پہلے سے اطلاع ہو گئی

تھی وہ تو فرار ہو گئے اور باقی بدنصیب پکڑے گئے اور ان مین سے چھ بغیر کسی قسم کی باز پرس کے فوراً قتل کر دیے گئے۔

شی اب پھر ایک بار خود مختار شہنشاہ اور سیاہ و سفید کی مالک ہو گئی اور شہنشاہ کوینگ سو اپنے ہی محل مین قید تھا لیکن اُس سے مثل ایک کٹھ پتلی کے کام لیا جاتا تھا۔ تمام احکام اور فرامین اُسی کے نام سے جاری ہوتے تھے چنانچہ اسی کی منظوری سے کوچو - پورٹ آرتھر - وئی ہے وی غیر سلطنتون کے حوالہ کیے گئے - جس سے بڑی شورش بپا ہوئی جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

شروع سنہ ۱۹۰۰ء مین شہنشاہ کی طرف سے یہ فرمان شایع ہوا کہ مجھ مین قوت رجولیت نہین ہے اور اس لیئے شہنشاہ بیگم شی سے التجا ہے کہ وہ کسی مستحق اور مناسب شخص کو تخت کا وارث منتخب کرین چنانچہ اس لئے پوچون فرزند سے اسی شہزادہ توان کو شہنشاہ مرحوم ٹنگ چی کا وارث قرار دیا گیا۔

ریفارمرون کے ساتھ جو یہ بُرا اور سختی کا سلوک کیا گیا تو چین سے باہر غیر ممالک مین اس پر بہت کچھ جوش پھیلا اور سنگاپور اور دیگر مقامات سے میموریل بھیجے گئے۔ شہنشاہ بیگم اس پر بہت جھلائین اور تمام گورنرون اور وائسرائون کے نام نہایت غضبناک الفاظ مین صاف صاف یہ فرمان جاری کیا کہ جو کوئی شخص خواہ کسی ذات اور کسی رتبہ کا ہو کینگ یو وی اور لینگ چی چو کو گرفتار کر کے گورنمنٹ کے حوالہ کر دے گا تو گورنمنٹ اُسے اس کے صلہ مین ایک لاکھ ٹیل یعنی پندرہ ہزار پونڈ انعام دینے کا وعدہ کرتی ہے اور اگر یہ لوگ زندہ نہ آسکین اور مارے جائین تو ان کے لاشون کی شناخت کے بعد اسی قدر انعام جس کا وعدہ کیا گیا ہے دیا جائے۔

اگرچہ یہ کارروائی ظالمانہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی شہنشاہ بیگم شی نیک دل

عورت تھی اُسے خانگی تھیٹروں اور آلات موسیقی کا بہت شوق تھا۔ پہلے یورپین جنھوں نے شی کو اپنی آنکھوں دیکھا وہ روس کا شہزادہ ہنری اور اس کے مصاحب تھے۔ اس لیے ان کی بہت خاطر مدارات کی۔ اس کے منھ پر برقع وغیرہ کچھ نہ تھا اور نہ اس نے اپنے چہرہ پر غازہ مل رکھا تھا اور نہ اُسے ایک غیر ملکی شاہزادے کی اس ملاقات سے کسی قسم کی جھجک اور حیرت ہوئی بلکہ اس نے لی ہنگ چنگ کی طرح متواتر سوالات پوچھنے شروع کر دیے۔

۸ مارچ سنہ ۱۹[illegible]ء کو اس نے ممالک غیر کے سفراء کی بیویوں سے ملاقات کی اور بہت کچھ تواضع کی اور سب کو تحفے دیے جس وقت کہ شہنشاہ بیگم کوئی بات کہتی تو اس کے چینی ترجمان فوراً زمین پر گر پڑتے یعنی تعظیماً سجدہ کرتے تھے۔ باقی آئندہ

عبدالحق

غزل

ظلم کس کس پر ترا اے آسمان ہوتا نہیں
کونسی وہ سرزمین ہے تو جہاں ہوتا نہیں

یہ دل شیدا تمہارا پاسبان ہوتا نہیں
تم جہاں ہوتے ہو شب کو یہ وہاں ہوتا نہیں

تو نے اک عالم سے بیگانہ کیا اے بیخودی
ہم جہاں ہوتے ہیں کوئی بھی وہاں ہوتا نہیں

وہ چمن ہے یہ چمن جس کا محبت نام ہے
عمر بھر مٹتا نہیں وقف خزاں ہوتا نہیں

شرم حائل خوف مانع کیا کہیں کیونکر کہیں
ایک حرف مدعا وہ بھی بیاں ہوتا نہیں

محتسب کو روک دو میخانے میں آنے سے
تجھ سے کیا اتنا بھی اے پیر مغاں ہوتا نہیں

چھیڑ یہ اچھی نکالی اس نے بزم غیر میں
کان میں پھر کہا کیوں بدگماں ہوتا نہیں

اے اجل وہ تو نہ آئیں گے کہاں تک انتظار
کیوں روانہ توسن عمر رواں ہوتا نہیں

آپ کی تعریف میں کیوں غیر کا میں نام لوں
یہ وہ شکر است کہ جو مجھ سے زباں ہوتا نہیں

بدگمانی چاہیے عشق و محبت میں ضرور
لطف کچھ ملتا نہیں ایسا جہاں ہوتا نہیں

عزیز یار جنگ

مولانا شبلی کی تصانیف

الفاروق۔ قیمت ۔ے

الغزالی۔ درجہ اول [illegible]

درجہ دوم عہ

موازنہ انیس و دبیر۔ ے

الکلام حصہ دوم [illegible] کانپور سے

مولوی ظفر علیخان صاحب کی تصانیف

خیابان فارس۔ سفرنامہ لارڈ کرزن کا ترجمہ قیمت قسم اول مجلد ۲ قسم دوم مجلد [illegible]

جنگ روس و جاپان۔ روس و جاپان کی لڑائی ابتدا سے جنگ [illegible] تمام امن و صلح نامہ [illegible] واقعات رامائی شکل میں [illegible] قسم اول مجلد [illegible] دوم غیر مجلد [illegible]

ریاض ظفر۔ المعروف بہ شور محشر نظم حیدرآباد کے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو مصیبت زدوں کی امداد کے لئے باغ عامہ کے بارہ دری میں ہوا تھا پڑھی گئی ضخامت ۴ صفحے غیر قیمت ۴ اسکی [illegible] میں مع کیہاتی ہے۔

مولوی مفتی امیر احمد صاحب مینائی کی تصانیف

خمخانۂ عشق۔ یہ عاشقانہ دیوان تعریف سے مستغنی ہے قیمت مجلد ۲ ۹

[illegible] دیوان مقبول [illegible] شریعت [illegible]

[illegible] قیمت [illegible]

سرمۂ امیری۔ آخری تصنیف [illegible]

[illegible] جناب [illegible] کی تصنیف سے ہیں قیمت ۳

[illegible] اسرار۔ امیر مینائی کی تالیف ہے [illegible] قیمت ۳

زاد المعاد [illegible]

[illegible] امیر مینائی مرحوم کے [illegible] قیمت [illegible]

تذکیر و تانیث۔ جناب امیر مینائی کی تالیف [illegible] لکھنو و دہلی کی زبان کا جامع فتاوی ہے اس میں ۷ ہزار الفاظ کی تذکیر و تانیث استعمال کیا بتائی گئی ہے۔ اور کتاب (۲۳۰) صفحہ پر تمام ہوئی ہے قیمت ۱۲ علاوہ محصول

امیر اللغات جس میں تمام عربی ترکی اور فارسی لغات مفصلاً درج ہیں۔ قیمت ۱۲

چنچل نار۔ یہ وہ ناول ہے جو دکن سے زبان کے سانچہ میں ڈھالکر نکلا قیمت مجلد عہ

علم حکمت۔ [illegible] الفاظ [illegible]

[illegible] قیمت عہ

دربار اکبری [illegible] آزاد۔ قیمت [illegible]

گلشن ہند۔ شعرائے اردو کا مشہور تذکرہ مرزا علی لطف نے سنہ ۱۸۰۱ء میں جان گلکرسٹ کی فرمائش سے اردو زبان میں تصنیف کیا تھا۔ (صفحہ ۲۳۵) قیمت عہ

آثار الصنادید۔ سرسید کی مشہور [illegible] دہلی کا اصلی اڈیشن مطبع [illegible] میں چھپا ہے قیمت [illegible]

[illegible] صفحہ قیمت [illegible]

[illegible] اکبری۔ اردو ترجمہ [illegible] انڈیا۔ قیمت [illegible]

حیات جاوید۔ مولانا حالی کی مشہور کتاب چھاپہ مطبع نامی کانپور قیمت [illegible]

مخزن القوافی۔ یہ کتاب شعرا کیلئے نہایت مفید ہے قوافی [illegible] اس میں درج ہیں قیمت عہ

مثنوی مولانا روم۔ قیمت [illegible]

مثنوی راسخ سرہندی۔ فارسی کی نایاب مثنوی ہے جو عنقا تھی فی الحال طبع ہوئی ہے قیمت ۸

زرتشت نامہ۔ پارسی کے مشہور پیغمبر زرتشت کی سوانح عمری [illegible] اور فلسفہ مذہب صفحہ (۲۰۰) قیمت [illegible]

تاریخ دکن۔ یہ مشہور تاریخ سید علی صاحب بلگرامی کی ہدایت سے تصنیف ہوئی ہے ضخامت سو جز مطبع مفید عام آگرہ میں چھپی تھی قیمت [illegible]

نقش طغیانی

ہمارے مطبع سے مل سکتا ہے۔ قیمت ۱

قیامت صغریٰ

جس میں ابتدائے طغیانی کے حالات مفصلاً درج ہیں ضخامت ۳۶ صفحے قیمت ۲

تمام درخواستیں سید وقار علی منیجر مطبع اختر دکن کنہ گوشہ محل حیدرآباد دکن کے نام آنی چاہئیں

(اس اشتہار سے فائدہ حاصل کرنے والے حضرات براہ مہربانی
(خط وکتابت ہندی وانگریزی زبان مین کرین)

مرض دور ہو۔ نا امیدی مفقود رہو۔ اور سلسلہ نسل نسل فتح)

اٹنک نگرہ گولیان

مردمی کے قوتون کے غیر موقع استعمال کے باعث مباشرت کی کثرت کے سبب جو مختلف امراض پیدا ہوسکتے ہین ان کو اچھا کرنے کے لئے یہ اتنک نگرہ گولیان تمام دیگر علاجون کی بہ نسبت بے خوف اور اعلیٰ قسم کی دوائی ہے۔ عارضہ کثرت احتلام۔ اور پیشاب کرنے کے وقت اور رمدی دوہی کی بیماری ان گولیون سے بالکل موقوف ہوجاتی ہے۔

جسم وجان کی قوتون کو تازہ اور طاقتور بنانے اور تولید منی کرنے کے باب مین ان اتنک نگرہ گولیون کا مقابلہ کوئی نہین کرسکتا۔ اسی طرح کمزوری اور نامردی کے بارہ مین یہ گولیان جادو کی اثر رکھتی ہین۔

اتنک نگرہ گولیان زائل شدہ قوت ہاضمہ کو پھیر لاتی ہین اور اچھی طرح سے اشتہا پیدا کرتی ہین۔ اصلاح خون کرتی ہین اور دوبارہ شباب حاصل ہوتا ہے۔ پرمیو۔ جریان اور بول الدم کے عارضون کے لئے صحت بخش ہے اور زندگی کی طاقتون کو کامل طور سے معاون ہین۔

۳۲ گولیون کی ڈبیہ کی قیمت ایک روپیہ

دو مرتبہ غذا کھانے کے بعد دودھ کے ہمراہ ایک گولی کھاؤ اگر دودھ بہم نہ پہونچ سکے یا دودھ کھانے سے بے رغبتی ہو تو پانی کے ہمراہ کھا سکتے ہین۔

ویدشاستری منی شنکر گوبندجی اتنک نگرہ اوشدھالیہ

(دواخانہ) جامنگر (کاٹھیاوار)

عرق ماء اللحم انگوری و آتشہ

مرگ مفاجات و روحانی حالات

خدا تعالیٰ نے حکیم مطلق نے اس عجائب گاہ عالم میں جہاں بے شمار مختلف قسم کے امراض اور ہزار ہا حادثات و تاثرات مخلوق کی تادیب و تنبیہ کے واسطے قائم و مسلط کئے ہوئے ہیں اس کے ساتھ ہی اپنے دارو شفا بھی پیدا کر چھوڑے ہیں بیماری کا وجود **فرشتگان رحمت** سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ البتہ شرط **علم** کی ہے۔ اگر کوئی شخص محض لاعلمی کی وجہ سے غافل و بے خبر رہے تو یہ خود اسکی نادانی جہالت اور بیوقوفی ہوگی۔ ورنہ **رحمت الٰہی** تو اپنے عاجز قیدیوں کے حق میں ہرگز بخیل نہیں۔ ہر روز کئی ایسے عبرت ناک آیات بینات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ جو کہ بجائے خود نمونہ عبرت ہیں۔ اور جنکو دیکھ کر بہت کچھ نصیحت و عبرت کے سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری ہی غفلت ہے کہ ہم ان پر کچھ دھیان اور توجہ نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ... خود بخود نہایت ہی حسرتناک خمیازے اٹھاتے ہیں۔ افسوس انہیں چند دنوں میں بہت سے ایسے ہی واقعات ناگہانی وفاتوں کے گوش زد ہوئے ہیں ؎

> **نہ قاصد نہ صبا نے نہ مرغ نامہ برے**
> **کہ نزد یار رساند ز سوئے ما خبرے**

آدمی کیا کیا آرزوئیں۔ تمنائیں اور حسرتیں ہونگی جو کہ یک زبان بند ہو جانے کی وجہ سے بوقت مرگ ظاہر نہ کر سکے اور بہر حال وصیت کرنے کے کام۔ الموت ان کو کشاں کشاں ہمیشہ کیلئے چھین کر لے گیا۔ ایسی موت سے بچنے کے لئے یہ ایک سر مجرب و آزمودہ ہم بتلاتے ہیں:۔

دوران خون واضح ہو کہ دوران خون اگر ایک منٹ بھی بند ہو تو فوراً قلب کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام موت ہے۔ جو جہاں تک ہو سکے اور جس قدر ہو سکے دوران خون اور حرکت قلب کا انتظام ہر وقت مد نظر رکھنا چاہئے اور وہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیشہ ایسی اشیاء کا باقاعدہ استعمال جاری رکھیں جن سے بالخصوص دوران خون و حرکت قلب کا انتظام ہر وقت درست طور پر جاری رہے۔ اس مدعا کے واسطے خاصکر ہمارے شفاخانہ کا تیار کردہ

عرق ماء اللحم انگوری و آتشہ حکم اکسیر

اور تاثیر رکھتا ہے کیونکہ ہر حالت اور ہر موسم پر یہ عرق **اعضائے رئیسہ** کے افعال کو باقاعدہ رکھنے میں اعجاز کا کام دیتا ہے۔ تمام امراض کے جسم میں داخل ہونے کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اول درجہ کا **مصفیٰ خون** ہے۔ ہر قسم کے خون کے بگاڑ کو ... بجائے اس کے تازہ و صالح گرم خون پیدا کر دیتا ہے اور زرد خون کو مطلق صاف بنا دیتا ہے۔ **آنکھوں میں نور** اور دل میں **سرور** پیدا ہوتا ہے۔ شراب کا بدل ہے ... جملہ عوارضات کو بیخ

یا ان تک کھٹکنے نہیں دیتا۔ اور یہ بات کی ایک ہی بات ہے کہ

دوران خون اور حرکت قلبی کو

ہمیشہ اور ہر وقت بالکل باقاعدہ رکھتا ہے۔ اور اس کے پینے والے کو خدانخواستہ کبھی مرگ ناگہانی یا مرگ مفاجات کا سامنا نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ عرق حلق سے نیچے اترتے ہی فوراً **خون بن جاتا ہے**۔ ... خون جس کو اطباء **روح** کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک متعارف روح خارجی کوئی چیز ہی نہیں۔ بلکہ وہ محض خون ہی کو روح کہتے ہیں اور اسکی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جان نکلتی ہی سارے بدن میں خون کی بوند تک باقی نہیں رہتی۔ بہرحال اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ:۔

یہ ماء اللحم دوران خون اور خون صالح

پیدا کرنے میں نہایت ہی ضروری اور بہت ہی مفید چیز ہے۔ جو کہ جسم میں سراسر خون ہی خون پیدا کر دیتا ہے جو چیز خون پیدا کرنے والی ہو وہ ہمارا جزو بدن بنتی ہے اور یوں تو ہر روز دوائی کھایا کریں۔ اور وہ جزو بدن نہ ہو تو کیا فائدہ۔ علمائے تریاق بھی اس امر پر متفق ہیں کہ ایسی دوا یا غذا جزو بدن نہ ہو۔ بلکہ صرف اعضاء میں صرف ایک عارضی تحریک پیدا کرکے رہ جاوے۔ وہ ایسی عارضی ہے کہ ان کا نتیجہ اس کا اثر زائل ہو کر پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ شراب۔ اور (اسقوس)۔ اسٹرکنیا وغیرہ۔

پس جو صاحب چاہیں وہ کیلئے الفور اس ماء اللحم انگوری و آتشہ کو بنظر حفظ ما تقدم طلب فرما کر استعمال کریں اور پھر روحانی حالات بچشم خود ملاحظہ فرما دیں۔

قیمت

فی بوتل دو روپیہ (۲) - تین بوتل (۵)

چھ بوتل (۱۰) - درجن بوتل (۱۸)

نوٹ: - بیرونجات میں یہ ماء اللحم تین بوتل سے کم روانہ نہ ہوگا۔ ہمراہ ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا۔ بذریعہ ریل منگانے میں محصول کم لگتا ہے۔ صحت یافتہ حضرات کے ہزاروں سرٹیفکیٹ دیکھنا چاہو تو کتاب منگواؤ۔

علاوہ ازیں اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب ادویہ موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب دافع نامردی (للعہ) - (۲) طلاء ... قیمت (للعہ) - (۳) دوائی سوزاک نمبر ۱ (...) - (۴) حب دافع آتشک (...) - (۵) حب دافع بواسیر ... (۶) حب دافع جریان و احتلام ایک مدینہ (...) - (۷) سرمہ ... فی تولہ (...) - (۸) جوہر شبہ مصفی خون شیشی کلاں تین روپیہ خورد (...) - (۹) منجن مستحکم دنداں (...)

پتہ: مینیجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان بی-اے

مقام اشاعت

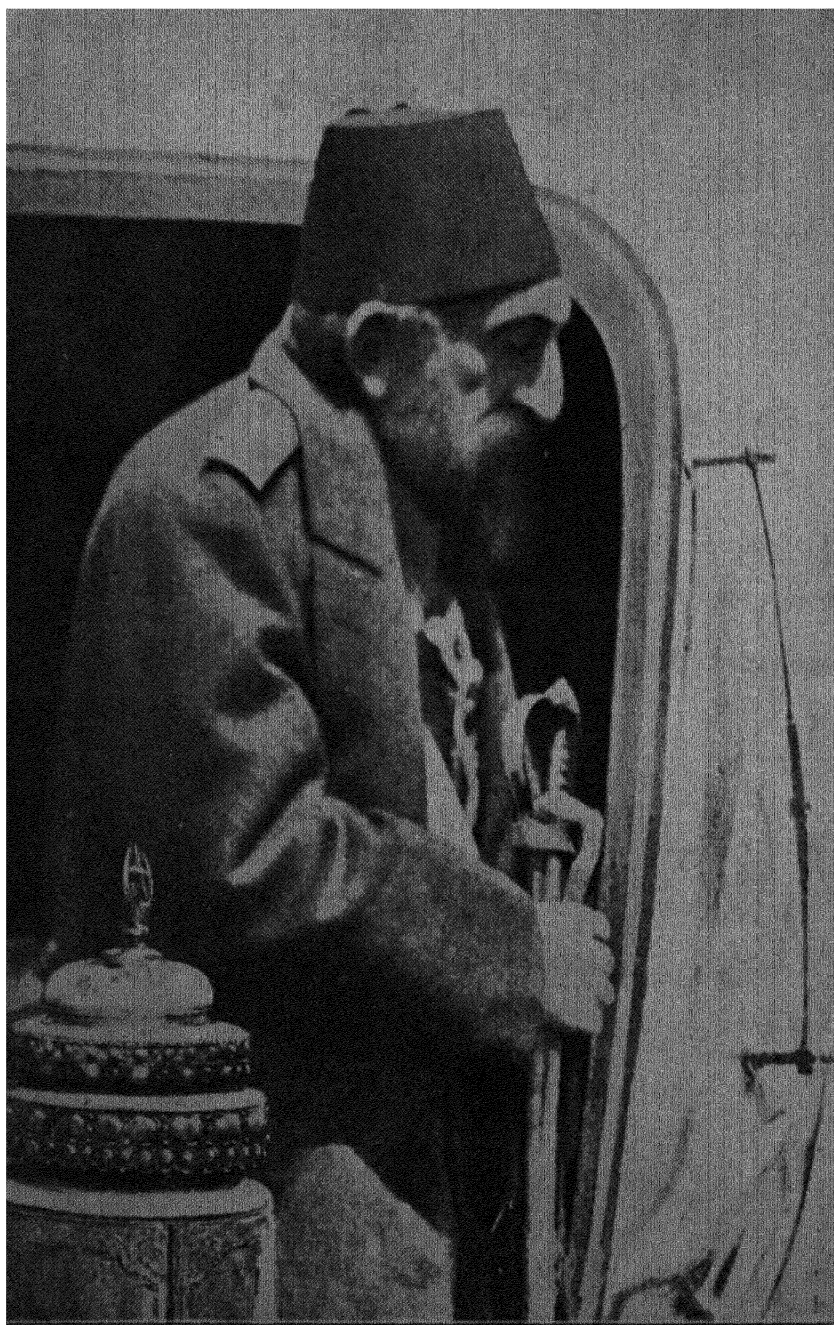
سلسلہ جدید — حیدرآباد دکن — جلد سوم

قسم اول

نمبر ۲ — سنہ ۱۹۰۹ء — فروری

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصولڈاک قسم اول ۶؍ قسم دوم ۶؍ سکہ انگریزی



ہز امپیریئل میجسٹی عبدالحمید خان سلطان ترکی

دکن ریویو

سلسلہ جدید

نمبر ۴ — فروری سنہ ۱۹۰۹ء — جلد سوم

تصویر اعلیحضرت خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خان

فہرست مضامین

ایڈیٹوریل

کچھ دن ہوے دکن ریویو کے دفتر سے ایک خط علیگڈہ کالج کے سابق طلبہ کے نام جاری ہوا تھا جس مین ایک مقام پر حسب ذیل عبارت مندرج تھی:-

غالباً آپ اس امر کو تسلیم فرمائین گے کہ مسلمانان ہند من حیث القوم اُس وقت تک صحیح معنون مین ترقی نہین کر سکتے جب تک کہ مغربی علوم وفنون کے فیضان سے، مغربی زبانون ہی مین بہرہ یاب ہونے کی قابلیت رکھنے کے علاوہ وہ ایک ایسی زبان کے مالک نہ ہون جو اُن کی قومی ملکی اور وطنی زبان ہو جو آج کل کی مہذب اور شائستہ زبانون کی صف اول مین جگہ پانے کا استحقاق رکھتی ہو۔ جس مین ہر اُس خیال کو ادا کرنے کی قدرت ہو جو فکر انسانی کے احاطہ مین آسکے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانان ہند کے لئے اگر ایسی کوئی زبان ہو سکتی ہے تو وہ اردو ہے جس کی عمر دوسری ترقی یافتہ زبانون کے مقابلہ مین اگرچہ بہت ہی کم ہے لیکن پھر بھی اُس مین وہ تمام قوتین موجود ہین جو ہر بڑی زبان کو مدارج ارتقا کے طے کرنے مین مدد دیا کرتی ہین۔ جس طرح انگریزی زبان سکسن ٹیوٹن پر فرانسیسی۔ لاطینی۔ یونانی اور عربی زبانون کا گوشت چڑھا کر اپنی اس صفت ہمہ گیری کی بدولت منتہائے ترقی پر پہونچ گئی اور اس کی دلاویزی ورعنائی نے تخیل کے دل کو مسخر کر لیا اسی طرح اردو بھی سنسکرت فارسی عربی انگریزی اور دوسری زبانون کے خرمن سے خوشہ چینی کر رہی ہے اور ایک وہ دن آنے والا ہے کہ اس کا شمار دنیا کی بڑی علمی زبانون مین ہوگا۔ اس دن کے قرب یا بعد کا انحصار فقط ہماری ہمتون اور کوششون کی کمی یا زیادتی پر ہے۔

اگرچہ اردو کو ہندوستان کے تیس کروڑ باشندون کی مشترکہ قومی زبان ہونے کا دعویٰ ہے اور ہندوون پر بھی اس کا ویسا ہی حق ہے جیسا مسلمانون پر لیکن شومیٔ قسمت سے اُن پولٹیکل اختلافات نے جو ان دونون قومون کی باہمی مغایرت ومنافرت کے ذمہ دار ہین طبقۂ ہنود کی کثیر التعداد اور با اثر جماعت کو محض اس خیال خام کی بنا پر اردو کی طرف سے بدظن کر دیا ہے، کہ وہ صرف مسلمانون کی زبان ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی مشترکہ قومیت کے اس جزو اعظم کی رفتار ترقی نسبتہً سست پڑ گئی۔ بہرحال مسلمانان ہند اُس بوجھ کو اٹھانے کے لئے بھی جو بحصۂ رسدی اُن کے ہندو ہم وطنون کے کندھون تک پہونچنا چاہیئے تھا بخوشی تیار ہین اور اب ہم کو

تمام اپنی کوششین اس زبان کے ترقی دینے مین صرف کر دینی چاہئین جو شاہجہان کی گود مین پلی جس نے غالب اور سید احمد خان کی صحبت سے فیض پایا جس کو حالی محسن الملک نذیر احمد اور شبلی کی نکتہ آفرینون سے حصہ ملا اور جو رقیبون کی ان کوششون کے باوجود کہ سنسکرت کی مردہ ہڈیون مین روح پھونکی جائے یا ناگری کے بھدے اور بے ڈول جسم مین شان رعنائی و دل آرائی پیدا کی جائے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔"

یہ اقتباس موزون طور پر اُس ریویو کی تمہید قرار پاسکتا ہے جو ہم مخزن بابت دسمبر ۱۹۰۵ء کے لیڈر پر لکھنا چاہتے ہین۔ ہمارے عزیز دوست شیخ عبد القادر صاحب بی۔ اے ایڈیٹر مخزن نے اس لیڈر مین جس کا عنوان "اردو سبھا" ہے ایک نہتم بالشان تجویز ملک کے سامنے پیش کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ زبان اردو کو ایک علمی اور قومی زبان کی حد تک ترقی دینے کے لئے ایک مجلس ایسے اشخاص کی مقرر کی جائے جنھون نے اردو کی کوئی نمایان خدمت انجام دی ہو اور اس کے مقاصد حسب ذیل قرار دینے چاہئین۔

(۱) دنیائے اردو کی حدود کی توسیع۔ (۲) ہندوستان کی دیگر زبانون سے رشتہ اتحاد۔ (۳) زبان اردو کے قواعد اور حدود کا تعین۔ (۴) زبان اردو کے مختلف فیہ مسئلون پر عالمانہ غور و فکر کرنا (۵) تازہ تصانیف تالیفات و تراجم پر ایک جامع اور غایر نظر رکھنا اور اہل تصنیف و تالیف کو مشورہ دینا۔ (۶) خاص صورتون مین مصنفین و مولفین کی اشاعت تصانیف و تالیفات کے متعلق مالی مدد کرنا۔ (۷) اردو علم ادب کی ترقی کی تدابیر سوچنا اور عمل مین لانا اور اُن جماعتون کی حمایت کرنا جو اس کام مین مصروف ہون

شیخ عبد القادر صاحب کا خیال ہے کہ اگر ایک فہرست ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم اردو کی مرتب کر لی جائے اور ایک با اثر کمیٹی کے ذریعہ سے جو کسی بڑے مرکز مین قائم ہو ان سب کو ایک جلسہ مین دعوت دی جائے تو ایک ایسی مجلس قائم ہوسکتی ہے جس کی مثال چشم فلک نے بھی نہ دیکھی ہو" اور جو ہندوستان کے لئے وہی کام دے سکتی ہے جو فرانس مین وہان کی شہرہ آفاق "اکاڈمی" دے رہی ہے۔

تجویز کے دلپذیر اور اہم ہونے مین شک نہین اور کوئی شخص جسے اردو زبان سے محبت ہے ایسا نہ ہوگا
جسے اس سے اختلاف ہو۔ لیکن وہ لوگ جو انجمن ترقی اردو علیگڑہ اور انجمن اردو حیدر آباد کی کارنامون
سے واقف ہین اور اُس جوش کی ماہیت سے بھی بے خبر نہین جو ہر ایسی دلکش تجویز کے متعلق
ابتدا ابتدا مین مسلمانون کی طرف سے ظاہر ہوا کرتا ہے لیکن فوراً ہی جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جاتا ہے وہ اگر
اس تحریک کی کامیابی کو زیادہ وثوق کی نظر سے نہ دیکھین تو غیر حق بجانب نہین سمجھے جا سکتے۔ اس مین
شک نہین کہ اگر ہمارے ہندو بھائی اردو کو اپنی قومی و وطنی زبان سمجھ کر اس کی توسیع و ترقی مین ہمارا
ہاتھ بٹائین تو کامیابی یقینی ہے لیکن اردو زبان کا مسئلہ جس سے زیادہ اہم پولٹیکل مسئلہ آج کل ہماری رائے
ناقص مین اور کوئی نہین برادران ہنود کے عام قومی پروگرام مین کہین نظر نہین آتا۔ پنجاب اور ممالک
متحدہ مین مسلمانون کی طرف سے باوجود اُن کی پولٹیکل کمزوری کے جس کے لحاظ سے اغیار و احباب
اور خود انہین کی قوم کے بعض اکابر اُنہین ہدف سہام ملامت بنایا کرتے ہین مختلف اوقات مین اردو
کی نہایت نہایت شد و مد سے ہوئی ہے یہان تک کہ مسلمانون کو بیرانڈونل میکڈنا تک کی شان جلالی کی کچھ
پروا نہ کی ان دونون صوبون مین تو خیر اردو زبان عام طور سے مروج تھی لیکن مشرقی بنگال مین بھی
جہان کی عام بولی بنگالی ہے مسلمانون نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اُن کی قومی زبان اردو ہوگی اور یہی حال
ہندوستان کے دوسرے صوبون کے مسلمانون کا ہے لیکن آج تک ہم اس خبر کو ترستے ہی رہے
کہ ہمارے ہندو بھائیون نے بھی اُردو کی حمایت یا اُس کے اغراض و مقاصد کی تکمیل و اشاعت کی غرض کوئی جلسہ کیا ہو
بہر حال نشو و نما کی اُس حیرت انگیز اور سریع السیر قابلیت کی بھروسہ پر جو خود اردو زبان کے ہر رگ و ریشہ
مین ودیعت کی گئی ہے ہمین ناامید ہوئے بغیر اپنی کوشش جاری رکھنی چاہئیے۔ کچھ تو اس خیال سے اور
کچھ یہ سوچ کر کہ شیخ عبد القادر صاحب اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب جیسے مستعد لایق اور ذی اثر افراد قوم
کی متفقہ مساعی ضرور بار آور ہونگی ہم اس تجویز کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کرتے ہین اور شیخ صاحب کی
مجوزہ فہرست کی ترتیب مین جس حد تک کہ اسے دکن سے تعلق ہے بسر گرمی تمام حصہ لینے کو تیار ہین۔ لیکن اس قدر
عرض کئے بغیر نہین رہ سکتے کہ مناسب ہوگا کہ "اردو سبھا" کے بجائے جس پر بادی النظر مین "ہندو سبھا"
کا دھوکا ہوتا ہے کوئی اور موزون نام اس انجمن کے لئے تجویز کیا جائے۔

جنوری سنہ ۱۹۰۶ء کے مخزن مین حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی نے شہید جفا کے عنوان سے ایک
مضمون لکھا ہے جس مین اورنگ زیب کے ہاتھون داراشکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کے مارے جانے
کے واقعہ کو اس انداز سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھون کے
سامنے اورنگ زیب کی سفاکی و قساوت قلبی اور سلیمان شکوہ کی نامرادی و مظلومیت کی تصویر کھنچ جائے
سلیمان شکوہ کی شفاعت اس مضمون مین سعد اللہ خان کی طرف سے کرائی گئی ہے جس کی نسبت یہ
ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ اورنگ زیب کا وزیر اعظم تھا۔

ہم نے تو تاریخون مین یہی پڑھا تھا کہ سعد اللہ خان شاہجہان کا وزیر تھا اور اُس کا انتقال
شاہجہان ہی کے عہد مین ہوگیا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ اورنگ زیب کے عہد مین بھی موجود تھا
جس کی تاویل بجز اس کے کہ اصول تناسخ کو صحیح مانا جائے اور کسی طرح ممکن نہین۔ حکیم جی کا مقصد اس
مضمون کو سپرد قلم کرتے وقت شاید اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ ناظرین سے اپنی انشا پردازی اور عبارت
آرائی کی داد چاہین کیونکہ سمجھ مین نہین آتا کہ کوئی ہندوستانی مسلمان جذبہ عصبیت سے اس درجہ
معرا ہو سکتا ہے کہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ جیسے جلیل القدر فرمانروا کے محاسن سے قطع نظر کرکے
صرف اُس کے معایب کو ظاہر کرے اور وہ بھی اس زمانہ مین جبکہ اغیار و اجانب کا یہ شیوہ ہو رہا ہو کہ
مسلمانون کے اسلاف کے کارنامون کی تنقیص کرین اور نہ صرف اُن کی نیکیون کو بدیان بنا کر دکھائین
بلکہ جن الزامات کا تاریخ مین وجود تک نہ ہو وہ اپنی طرف سے تراش کر ان سے منسوب کر دین۔ لیکن اگر حکیم جی
کی غرض و غایت اس مضمون کے لکھنے سے حقیقت مین یہ ہے کہ اورنگ زیب کے دامن مین
ایک سیاہ دھبہ ڈھونڈ کر اور اُس پر اپنی طرف سے کول تار کا ضماد لگا کر ناظرین مخزن سے اپنی حق پسندی
اور صاف گوئی کا ڈپلوما حاصل کرین تو ہم اُنہین یقین دلاتے ہین کہ وہ ایک بہت بڑی پولٹیکل سادہ
لوحی مین مبتلا ہین۔ ہم نے آج تک نہ سنا کہ ہمارے ہندو بھائیون مین سے کسی نے سیواجی کی قاتلانہ
غارتگری مین منقصت کا کوئی پہلو نکالا ہو یا اُس کی سیرت مین کوئی بات قابل گرفت پائی ہو۔ گرو
گوبند سنگھ صاحب کے بعد بندا نے سلطنت مغلیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے قتل و غارت مین
جو شہرت حاصل کی آج تک ہمارے کسی سکھ بھائی نے اُس کے خلاف قلم نہ اُٹھایا۔ کلائیو نے ہندوستان

مین سلطنت برطانیہ کے استحکام کے لیے جن ناپسندیدہ طریقون کو اختیار کیا ہم نے نہین دیکھا کہ کسی انگریزی مورخ نے اس کے لحاظ سے اُس کو بُرا بھلا کہا ہو۔ بُرا بھلا کہنا کیا معنی پچھلے دنون لارڈ کرزن نے کلائیو کے بت نصب کیے جانے کے متعلق تحریک کی۔ لیکن ایک ہم مسلمان ہین کہ اپنے اسلاف کی مذمت کرنے اور اُن کے کارنامون پر خاک ڈالنے مین ذرا پس وپیش نہین کرتے اور وہ اس موہوم امید پر کہ دنیا ہمین حق پسند کہے گی۔ حق پسند تو نہین کہتی احمق اور سادہ لوح ضرور کہتی ہے۔

مسٹر سید علی امام پریزیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ بھی اسی غلطی مین مبتلا ہوے تھے اور اُنھون نے اپنے پریزیڈنشل ایڈرس مین اورنگ زیب پر یہ بے تکا الزام لگا دیا تھا کہ وہ ہندوؤن کو زبردستی مسلمان بنایا کرتا تھا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بقول محترم معاصر البشیر اس گپ کا ماخذ غالباً انگریزی تاریخین یا سنی سنائی من گھڑت روایتین ہون گی کیون کہ اگر سید صاحب اسلامی تاریخون کا مطالعہ کرتے تو اس واقعہ کے لیے کوئی سند نہ پا سکتے۔ بہرحال ہم سید صاحب کی حق پسندی و آل اندیشی کے قائل ہین کہ اُنھون نے اُس فقرہ کو جس مین بے بنیاد الزام اورنگ زیب پر لگایا گیا تھا ایڈریس سے حذف کر کے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ اور اُس گزند سے جو بصورت استبداد اُن کے منصب پیشوائی کو پہونچنے والا تھا اپنے تئین بچا لیا۔ اگرچہ اس کے متعلق اخبار پر کاش جو آریہ پارٹی کے جذبات کی زندہ تصویر ہے یہ لکھنے سے باز نہین رہ سکا کہ "تیر کمان سے نکل گیا۔ اب واپس نہین آسکتا فقرہ قلم سے نکل گیا پبلک کے سامنے آگیا اب وہ معدوم کیسے ہو۔ مانا کہ اُنھون نے وہ فقرہ ایڈریس مین پڑھ کر نہ سنایا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُنھون نے وہ فقرہ غلط سمجھ کر حذف کر دیا۔ جس وقت سید علی امام صاحب یہ لکھ دین گے اُس وقت ہم بھی مان لین گے۔" ہمین امید ہے کہ مسٹر علی امام ہمارے مخدوم و مکرم مولوی ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہل حدیث کی کھلی چٹھی کے جواب مین اپنی غلطی کا جو کنایۃً تسلیم کر لی گئی ہے صراحۃً بھی اعتراف کر لین گے تاکہ اغیار و اجانب کو یہ کہنے کا موقعہ نہ رہے کہ "جس شخص کو تم اس قدر ذمہ دار اور لائق سمجھتے ہو کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت اُس کو پیش کرتے ہو اور پھر جس شخص مین اس قدر اخلاقی جراءت ہے کہ ایک مسلم پلیٹ فارم سے یہ فقرہ اورنگ زیب کے متعلق پڑھ کر سنانے کو تیار ہے کیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسے لائق اور ذمہ دار شخص نے یہ فقرہ بلا ثبوت ہی لکھ دیا ہوگا۔"

اگرچہ اُن غلط فہمیون کو جو اورنگ زیب کے متعلق عام طور سے پھیلی ہوئی ہین قوم کے بعض سربرآوردہ اراکین نے رفع کرنے کی کوشش کی ہے اور جن لوگون کی نظر سے رسالہ الندوہ اور اخبار زمیندار گذرا ہوگا اگر وہ انصاف پسند ہین اور اورنگ زیب کو برا سمجھنے کے مرض مین مبتلا ہین تو ضرور اُن کا مرض جاتا رہا ہوگا لیکن ابھی اس کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ایک جامع و مانع سلسلہ مضامین کے ذریعہ سے اورنگ زیب کا اصلی کیرکٹر دنیا کے سامنے پیش کرکے اُس بدسلوکی کی تلافی کی جائے جو ایک طرف تو لعنت خان عالی جیسے محسن کش وقایع نویسون کی تدلیس والتباس دوسری طرف انگریزی مورخون کے غیر محققانہ یک طرفہ بیانات تیسری طرف متعصب ہندوؤن کے بے بنیاد الزامات اور چوتھی طرف زمانہ موجودہ کے مسلمانون کی تاریخی کورسوادی اور علمی بے بضاعتی نے اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی یاد کے ساتھ کی ہے۔

اسی لئے ہم نے قصد کیا ہے کہ دکن ریویو کا ایک اورنگ زیب نمبر نہایت دھوم دھام سے نکالا جائے اور اُس مین اس شہنشاہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر ایک محققانہ نظر ڈال کر اُس کے نام کو تدلیس تعصب اور جہالت کی گوناگون بلاؤن کے پنجہ سے چھڑایا جائے۔ اردو کے جن انشاپردازون کو اورنگ زیب مرحوم سے ارادت ہے اُنہین صلائے عام دی جاتی ہے کہ اس مضمون پر نظم و نثر مین طبع آزمائی فرماکر اپنے اپنے مضامین ہمارے پاس بھیج دین۔ جب مکمل ذخیرہ مضامین جمع ہوجائیگا تو اورنگ زیب نمبر نکالا جائے گا۔ ہمین امید ہے کہ ہمارے اسلامی ہم عصر اپنے اپنے پرچون مین اس کا اعلان فرماکر ایک بہت بڑی تاریخی اور قومی خدمت کی انجام دہی مین حصہ لین گے۔

ہم نے یہ بھی ارادہ کیا ہے کہ آئندہ سے ہر اُس مضمون کے لیے جو دکن ریویو مین شایع ہو مضمون نگار کو معقول معاوضہ حسب حیثیت مضمون دیا جائے۔ اردو رسائل کی قلمی اعانت کرنے والے آج کل ہندوستان مین عام طور سے دو قسم کے لوگ ہین۔ ایک وہ جن سے صاحب رسالہ کو تعلق دوستی و نیازمندی ہوتا ہے اور یہ تعلقات ایشیا کی مشہور صفت دوست نوازی کے ساتھ مل کر رسالہ کے ذخیرہ مضامین کا تکفل اپنے ذمہ لیتے ہین۔ دوسرے وہ جن کی تعریف ہمارے مخدوم محترم مولانا

سید اکبر حسین نے ان الفاظ مین فرمائی ہے۔

دیکھو جسے وہ پانیر آفس مین ہے ڈٹا ــــ بہر خدا مجھے بھی کہین چھاپ دیجئے

بہ الفاظ دیگر یہ وہ لوگ ہین جنھین اخباری دنیا مین مشہور ہونے کی خواہش مضمون نگاری پر آمادہ کرتی ہے۔ وہ انٹ کانسنٹ جو چاہتے ہین لکھ مارتے ہین اور اُن کی رطب و یابس تحریرات کا معاوضہ چونکہ اسی قدر ہوتا ہے کہ چھاپہ کے آئینہ مین اُنھین اپنی صورت نظر آجائے اس لئے ہمارے ایڈیٹران رسائل جو کسی اہل قلم کو معاوضہ دینے کے عادی نہین ہین کچھ تو بہ اقتضائے مروت اور کچھ صفحے بھرنے کے خیال سے اُنھین اپنے کالمون مین جگہ دے دیتے ہین۔ خدا کا شکر ہے کہ دکن ریویو کی قلمی اعانت اج تک قسم اول ہی کے اصحاب نے فرمائی ہے۔ اُسے اگرچہ قسم دوم کے بزرگون کی عنایات سے بھی سابقہ پڑا لیکن ان عنایات کو اُس نے ہمیشہ شکر کے ساتھ رد کیا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ اُن لوگون مین مقبول نہ ہوا جو بقول ہمارے عزیز دوست مولوی سراج الدین احمد صاحب میر منشی کشمیر رزیڈنسی کے سوقیانہ غزلون انگریزی مضامین کے ذلیل ترجمون اور نومشق مضمون نگارون کی طفلانہ خامہ فرسائیون ہی کو ایک چلتے ہوئے اردو پرچہ کا معیار سمجھے بیٹھے ہین۔ لیکن اگرچہ دکن ریویو کی قلمی سرپرستون کی نوازشات کا سلسلہ اُس ارادت کی طرح جو ہمین اُن کی جناب مین ہے لا متناہی ہے پھر بھی اُس عرق ریزی اور جانکاہی کا اندازہ کر کے جو ایک اچھے مضمون کے لکھنے مین صرف کرنی پڑتی ہے ہم نہین چاہتے کہ یار شاطر ہونے کے بجائے ہم اپنے تقاضون کے باعث اُن کے لئے بار خاطر ہون۔ پس آئندہ سے دکن ریویو کے قلمی معاونین کو یہ اطلاع دینا ہم اپنا فرض خیال کرتے ہین کہ جو مضمون اس کے کالمون مین شایع ہوگا اُس کا معاوضہ بجائے خالی خولی زبانی شکریہ کے نقدی مین دیا جائے گا۔ بعض قدیم معاونین جن کا شمار دکن ریویو کے اعزازی سرپرستون مین ہے اور جن کی بیش بہا اعانت کی بدولت دکن ریویو وہ ہے جو ہے اُن کی جناب مین کوئی ہدیہ پیش کرنا اول تو ایک ایسی بڑی گستاخی ہے جو معاف ہو ہی نہین سکتی اس لئے کہ اُن کی اعانت کی قیمت کا اندازہ زر و جواہر سے نہین ہو سکتا اور دوسرے اپنے توجہات و نوازشات کے معاوضہ مین ہم سے وہ بجز ارادت و عقیدت کے اور کسی شے کے متمنی بھی نہین اس لئے ہمارا روے سخن اُن کی طرف نہین ہے ہمارے

محترم معاصرین اس نوٹ کو اگر اپنے اپنے اخبارات و رسائل مین چھاپ دین گے تو ہم نہایت ممنون ہون گے۔

قاضی سراج الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا سے اخبار ی دنیا بحیثیت سرمود گزٹ اور چودھوین صدی کے ایڈیٹر ہونے کے اس حد تک روشناس ہو چکی ہے کہ وہ معرفی کی احتیاج سے مطلقاً مستغنی ہین۔ لیکن جس طرح یہ دونون اخبار عالم ناسوت کے تمام مراحل طے کرکے دنیائے لاہوت کو چلے گئے ہین اسی طرح انگلستان سے واپس تشریف لانے کے بعد سے قاضی صاحب بھی پبلک لایف چھوڑکر کچھ ایسی عزلت گزین اور خلوت نشین ہو گئے تھے کہ اُن کے اور ہمارے ملنے والون مین سے اکثر کو ہم سے بارہا سوال کرنے کا اتفاق ہوا کہ وہ بقید حیات موجود بھی ہین یا نہین۔ ہمین بھی حیرت تھی کہ ایسی بے چین اور چلبلی طبیعت کا شخص کیونکر نچلا بیٹھ سکتا ہے۔ اور وہ قلم و دماغ جن کی روانی و رعنائی لٹریری دنیا کے لئے کسی زمانہ مین مایہ ناز تھی کس طرح یک بیک شل ہو سکتے ہین۔ خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے مخدوم کی رہبانیت کی یہ شان چند روزہ ثابت ہوئی وہ کنج خلوت سے نکلے اور پبلک اسٹیج پر آئے اور اس شان کے ساتھ آئے جیسے بہو نچال آتا ہے۔ جس طرح جولیس سیزر نے یورپ کو مسخر کرتے وقت کہا تھا کہ " مین آیا مین نے دیکھا اور مین نے فتح کیا " اسی طرح قاضی صاحب نے ناول نویسی کے میدان کے بیچون بیچ ایک ترکتاز مین اپنے قلم کا جھنڈا گاڑ دیا اور لٹریری دنیا مین ایک ایسا انقلاب پیدا کرنے کے مدعی ہوئے جو اپنی نظیر آپ کہا جا سکتا ہے۔

قاضی صاحب نے داستان پاستان کے عنوان سے ایک سلسلہ تاریخی ناولون کا شروع کیا ہے جسے وہ اس انقلاب کے دور اول سے تعبیر کرتے ہین۔ اس سلسلہ کا پہلا نمبر فاتح ہسپانیہ دو جلدون مین حال ہی مین شایع ہوا ہے اور اس کی پہلی جلد آپ نے بغرض ریویو ہمارے پاس بھیجی ہے قاضی صاحب کی قابلیت و ذہانت کے ہم پہلے ہی سے قائل ہین۔ لیکن ہمین معاف رکھا جائے اگر ہم باادب یہ عرض کرین کہ اُن کے ادعا کے لحاظ سے جو معیار اس کتاب کی اکملیت کا ہم نے اپنے ذہن مین قائم کیا تھا اس مین یہ پوری نہین اُتری۔

اول تو کوئی شخص کسی سچائی کو دوسرون کے ذہن نشین کرنے مین کامیاب نہین ہو سکتا۔

جب تک کہ وہ خود اس کی حقیقت کا قایل نہ ہو۔ ایک ایسے ناولسٹ کو جو قصہ نویسی و قصہ خوانی کو سرے سے ایک مذموم اور معیوب فعل خیال کرتا ہو اپنے ناول کے لکھنے مین کبھی خاطرخواہ کامیابی حاصل نہ ہو گی۔ قاضی سراج الدین احمد صاحب اپنے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ "یہ امر تسلیم کر لینے کے بعد کہ قصہ نویسی یا قصہ خوانی مذموم امر ہین مین صرف یہ کہنا چاہتا ہون کہ جس حالت مین کہ ناول نویسی اور ناول خوانی کو بند نہین کیا جا سکتا اور اس کے بند کرنے کی کوشش کرنا گویا ایک طوفان عظیم کے روکنے کی سعی کرنا ہے جس مین کامیابی کی کوئی امید نہین ہو سکتی تو اس امر مین کوئی بھی عیب نہین ہو سکتا کہ ملک کی زبان مین اعلی درجہ کے ناول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور ناول نویسون کو بتایا جائے کہ قصہ نویسی کیا چیز ہے" ہمارے نزدیک قاضی صاحب کی شان اس سے بدرجہا ارفع و اعلی تھی کہ وہ ایک ایسی چیز کو جسے وہ برا سمجھتے ہین محض اس بنا پر اختیار کرین کہ عوام الناس اس برائی کے دلدادہ ہین۔ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ کوئی شخص اس خیال سے شراب کی کشید کے نئے نئے طریقے ایجاد کرے کہ شراب کا جاری بند نہین کی جا سکتی اور اس کے روکنے کی کوشش کرنا گویا ایک طوفان عظیم کے روکنے کی سعی کرنا ہے جس مین کامیابی کی کوئی امید نہین ہو سکتی" جب قصہ نویسی و قصہ خوانی کا برا ہونا ایک ناولسٹ کا اصول موضوعہ ہے تو پھر قصہ لکھنے کا قصد کرنا ایک ایسی جسارت ہے جس کا مرتکب وہی ہو سکتا ہے جسے لٹریچر کے قحبہ خانہ مین دلالی کا تمغہ مل چکا ہو۔ ہم خوش ہوتے اگر قاضی صاحب قصہ نویسی و قصہ خوانی کی سودمندی کو اپنا جزو ایمان سمجھ کر سلسلہ داستان پاستان کو شروع کرتے۔

کتاب کی پلاٹ کے متعلق ہم کوئی رائے اس وقت تک قائم نہین کر سکتے جب تک کہ دوسری جلد بھی سامنے موجود نہ ہو لیکن زبان کہ وہی ناول کی جان ہوتی ہے اس کتاب مین ان اسقام و عیوب سے مملو ہے جن سے اسے پاک ہونا چاہئے تھا۔ اس بارہ مین محترم ہم عصر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ کی بھی یہی رائے ہے اور اگرچہ ہمارے معزز ہم عصر وکیل کے ایک نامہ نگار کا خیال ہے کہ زبان اردو کا مرکز اب نہ دلی ہے اور نہ لکھنؤ بلکہ کم از کم ہندوستان کے ہر حصہ کے باشندے کو اختیار ہے کہ اپنی اردو کو مستند سمجھے لیکن اول تو اس ناول کی زبان جس کے ذریعہ سے قصہ نگارون کو اس فن کے ابتدائی و انتہائی اصولون کی تعلیم

دینے کا خیال ظاہر کیا گیا ہو ایسی نہ ہونی چاہیئے کہ دلی یا لکھنؤ والے اُس پر حرفگیری کر سکین اور دوسرے اگر ہمارا یہ خیال صحیح نہ بھی ہو تو فطرت انسانی کے اس اقتضا کا سدباب کیون کر کیا جائے گا کہ جب کبھی فاتح ہسپانیہ جلد اول کے صفحہ ۴۰ کی سطر ۵ و ۶ کا یہ فقرہ پڑہا جائے گا کہ "عمر کو دیکھو اور ایک تیس برس کے لونڈے کا دؔلّا[ل] بن بیٹھنے کو ملاحظہ کرو" تو بے اختیار تصور کے کانون مین اُس طوائف کی آواز گونجنے لگے گی جس نے "باوجودیکہ پر وہان نہ تھے آدم کے" کو اس طرح ادا کیا تھا:- "باوا آدم کے وجود کے پر وہان نہ تھے"۔ اسی طرح اردو زبان اس قسم کے نئے محاورون کی متحمل بھی نہین ہو سکتی کہ "اگر اس کا کوئی کوئی سفید بال اس کی عمر کی نسبت **چغلی نہ کھائی** تو اس کو عین عالم شباب مین خیال کیا جائے گا" یا یہ کہ "ایوب اور طارق میدان جنگ دیکھ چکے تھے اور **خون سونگھ** چکے تھے"۔ تانیث و تذکیر کا جھگڑا اگرچہ نہایت تکلیف دہ ہے لیکن فاتح ہسپانیہ کے مصنف کو "**خواب آئی تھی**" لکھتے وقت اور نہین تو مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ ہی کی لغت کی سرپرستی بقدر یک گوشہ چشم کر لینی چاہیئے تھی۔

قاضی صاحب کا ناول مضمون مین مولانا عبد الحلیم شرر کے ناول فتح اندلس سے اسی طرح لڑ گیا ہے جس طرح اُن کی کتاب سیرۃ الفاروق کی مڈبھیڑ مولانا شبلی کی الفاروق سے ہو گئی تھی۔ ایک ہی موضوع پر مختلف مصنفون کا خامہ فرسائی کرنا ہمارے نزدیک کوئی معیوب بات نہین لیکن قاضی صاحب نے اپنے دیباچہ مین مولانا شرر کی جس جس طرح سے تنقیص و تضحیک کی ہے اور اپنے مقابلہ مین اُنہین ایک طفل مکتب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اُسے دیکھ دیکھ کر مذاق سلیم متبسم ہوئے بغیر نہین رہ سکتا۔ بہرحال ان تمام لغزشون کے باوجود کتاب اچھی ہے اور ہمین امید ہے کہ پبلک اسے خرید کر مصنف کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ قیمت عہ فی جلد

نعمت عظمیٰ ہمارے معزز دوست مولوی سید عبد الغنی صاحب وارثی اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل حیدرآباد کے آن تھک قلم کی روانی کا تازہ ترین کرشمہ ہے۔ مولانا یوذاسف و بلوہر

[ل] یہ پنجابی لفظ ہے جس کے معنی قلتبان کے ہین۔ دلّال کا مخفف معلوم ہوتا ہے۔

وکلم الروحانیہ کے مترجم اور تنقیح حقوق نسوان کے مصنف ہونے کے لحاظ سے علمی دنیا مین ایک خاص امتیاز حاصل کرچکے ہین اور باوجود انہماک مشاغل سرکاری وہ اپنے وقت کا کچھ نہ کچھ حصہ لٹریچر کی خدمتگذاری کے لئے نکالتے رہتے ہین۔ اور اس لئے ان کا شمار اُن بزرگون مین ہے جو ہندوستان کی اسلامی دنیا کے عقلی وادبی نشو ونما مین قابل قدر حصہ لے رہے ہین۔

نعمت عظمیٰ امام عبد الوہاب شعرانی کی مشہور کتاب طبقات الکبری کا ترجمہ ہے جس مین امام صاحب نے علم باطن کے اسرار ونکات اس خوبی کے ساتھ بیان کرکے جو انہین کا حصہ ہے متصوفین ومتابعین قرون اولی کے حالات وسیر تحقیق وتدقیق کے ساتھ فراہم کئے ہین۔ مولانا عبد الغنی نے اس کتاب کے ترجمہ سے جس کی سلاست اور صفائی اضافہ کی ضرورت سے مستغنی ہے ان لوگون کے لئے ایک بیش بہا ذخیرہ بہم پہونچایا ہے جو متصوفین اسلام کے حالات کی جستجو کے دلدادہ ہین لیکن عربی سے نابلد ہونے کی وجہ سے اصل کتاب سے مستفید نہین ہوسکتے۔ قیمت کتاب عہ فی جلد (مصنف سے مل سکتی ہے)

الاخوت ایک سہ ماہی رسالہ ہے جو منشی حضور علی صاحب کی ایڈیٹری مین انجمن اخوت اسلام پنجاب کی طرف سے شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ مضامین اسی قسم کے ہین جو دوسرے اردو رسالون مین شایع ہوا کرتے ہین اور مقاصد مین بھی کوئی خصوصیت نظر نہین آتی ایسی حالت مین سمجھ مین نہین آتا کہ بمقابلہ دوسرے رسالون کے جو ماہواری ہین اور وہی خدمت انجام دے رہے ہین جس کی انجام دہی کا بیڑا الاخوت نے اٹھایا ہے اسے کیونکر کامیابی حاصل ہوسکے گی۔ البتہ جب اس کے قلمی معاونین پر نظر ڈالی جاتی ہے جن مین ڈاکٹر محمد اقبال صاحب پی ایچ ڈی۔ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب اور مرزا سلطان احمد صاحب جیسے مشہور انشاپردازون کے نام بخط جلی لکھے ہوئے نظر آتے ہین تو امید ہوتی ہے کہ یہ رسالہ ضرور ترقی کرے گا اور سہ ماہی سے ماہانہ ہوجائے گا۔ ڈاکٹر محمد اقبال کو ہم اردو کے ایک لطیف الطبع نکتہ آفرین اور نغزگو شاعر کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن الاخوت مین ان کی ایک فارسی غزل بھی چھپی ہے جس کا ایک دو شعر یہ ہین ؎ اے گل ز خار آرزو آزاد چون رسیدۂ ؛ تو ہم ز خاک این چمن مانند ما دمیدۂ۔ شورش بکعبہ یکطرف ہنگامہ دیر یکطرف ؛ از آفرینش جہان دو سر برکشیدۂ ؛ با من بگو کہ مثل گل ہموارہ شاخ بستہ باغ نی ؛ مانند



دکن ریویو

قصیدہ در نعت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

تو کز ناواقفیہا عیش خود را جاودان بینی — ہمی ترسم از آن ساعت کہ جور از آسمان بینی

تمنائے حصول عزت و جاہ اینقدر تا کے — ازین سودای سودا ہی بو الہوس روزی زیان بینی

ز شادی برکران شو تا ز شادیہا خبر یابی — بمحنت آشنا شو تا ز راحتہا نشان بینی

بنفس بدگہر بسپردہ دل را و می ترسم — کہ این گل را خراب از دست دہ مہرگان بینی

ترا غیر از مئے عشرت نباشد در خم و ساغر — دل خود را اگر تا آتش صد خانمان بینی

ہمان با اضطراب خندہ صبا دمیدارد — تو با این بے پر و بالی کہ خواب آشیان بینی

چنین طول امل چندین خیال خام پختنہا — حیات خویش را از سادہ لوحی جاودان بینی

رہ منزل نمی دانی و از سالک نمی پرسی! — چہ آخر غیر از شرمندگیہا ز امتحان بینی!

ز ذوق خستگی اے سنگدل آگہ نہ ورنہ — اگر دردت رسد ہم مومیا را ارمغان بینی

کتاب سادگی بکشا کہ حکمت را خجل یابی — شراب بیخودی درکش کہ عشرت را ضمان بینی

ترا چشم بصیرت کور شد اے بیخبر تا کے — ہوائے نوخطان داری جمال گلرخان بینی

من از خس آشیان جویم تو خس از آشیان جویی ... من از خاک آستان بینم تو خاک از آستان بینی

بیا غ آرزو گل کن که نقش مدعا بینی ... بنای عافیت برکن که عیش جاودان بینی

فغان را گرم تر بر کش چو سوز دل فزون یابی ... قدم را تیز تر می نه چو بار غم گران بینی

ازین بالا تر ک پرواز کن ای طایر همت ... بگو تا چند خود را در هوای آب و نان بینی

شوی گر خاک پای شه سواران ره معنی ... سمند نصرت و فتح و ظفر در زیر ران بینی

طمع را یکقلم بگزار گر آسودگی خواهی ... بخوان استغنا که نعمت ارمغان بینی

چو چشم از غیر بندی دولت آیینه می گردد ... همان جان تمنا کار نه و داری همان بینی

جهان ماتم سرای بیش نبود دیده را وا کن ... چمن را با گل خونین کفن در خون تپان بینی

نه بندی دل به این دان مروت نیست در عالم ... نخواهی دید از دشمن هر آنچه از دوستان بینی

غزل گویم بطرز خاص خود وحشت بیا بشنو ... کنون کلکته را از فیض نطقم اصفهان بینی

غزل

نه بر مژگان من اشکی و نی بر لب فغان بینی ... در آ در سینه ام تا شوکت داغ نهان بینی

همان چین جبین و چشم قهر آلود میداری ... نمی خواهی که خود را بر مراد دوستان بینی

تو چون آگه نه از شیوهٔ عاشق نوازیها ... جفا را لازم انکار وفا ملزوم آن بینی

نگاه حسرت آلود لب خاموش را بنگر ... حکایتهای شوقم داستان در داستان بینی

پی شادابی کشت جمال جانفزای تو ... مدام از هر دو چشم من دو جوی خون روان بینی

ترا ناز و ادا چندین نخواهد ماند میترسم ... که بعد از مرگ من نرخ محبت را گران بینی

بقلبم نشتر زن یا بحالم رحم کن تا کی ... مرا بر آستان چون طایر بسمل تپان بینی

شهیدان را ندانی بی‌زبان گر جوش حسرتها ... زمین کوی خود را محشرستان فغان بینی

ز اقلیم تغزل باز آ وحشت بگویندی ... که قلب مستمع را کیمیا از فیض آن بینی

چو اندوه الم افزون شود در بزم رندان شو | که آنجا پاسے ساقی کعبۂ امن و امان بینی
تصوف را نخواهی از فقیهان جستجوی کن | که این شمع صفا در مجلس پیر مغان بینی
پس شام مصیبت ها دمد صبح طرب روزے | بحال از خرمی بر شود چو جور از آسمان بینی
نمی زیبد ترا کارے که از وے منفعل گردی | ببین در شان خود تا حسرت کرده و بیان بینی
ترا یاد اجل هرگز نمی آید نگاهے کن | که چون موج هوا خیزد غبار رفتگان بینی
تو با لهو لعب چون طفل بدمستی فغان از تو | الهی خون شود قلبت که خود را در فغان بینی
نسیم آشنائی میوزد اما دماغت کو | برآ از خویشتن تا یوسفی در کاروان بینی
غلط گفتم که رعنا تر ز یوسف دلبری یابی | که یوسف را ز لیخا دار و بنالش دوان بینی
زہے ماہے جهان روشن که چون نامش زبان گوید | زبان را محو سے بدست لذت دهان بینی
محمد نام کردندش محمد بوده است آرے | به قرآن رو در آ در تا ستایش را عیان بینی
چو گوئی عظمتش روح القدس را هم نوا یابی | چو خوانی مدحتش خود ذات حق را همزبان بینی
بهنگام ثنایش گل فرو ریزد ز کلک من | نویسم مطلعے کز وی بهار بوستان بینی

ببوسے کوے او رو کن که گلزار جنان بینی
بیاد روے او خو کن که عیش جاودان بینی

زہے شاہے که از الفقر فخری نغمه پرداز د | گلیمش را نگر تا فر سلطانی دران بینی
ره عرفان منور هست از شمع جمال او | گذر کن بر در شمس تا معرفت ارمغان بینی
بدامان تصور جلوه اش زانسان فرو آید | که کنج خلوت دل را مثال گلستان بینی
بسان رحمت حق هر طرف جاری ست فیض او | ز مشرق تا به مغرب وز زمین تا آسمان بینی
ز طیب طیبه طیب مشام جان معطر کن | همین خاک مقدس سرمۀ چشم جهان بینی
بغیر از استدادش کس نمی بیند مراد دل | درش را سجده کن تا منزل حق را نشان بینی
نه تنها عرش گردان است بر گرد حریم او | که جبریل امین را جابش بر آستان بینی

خوشا خلق عظیم او کہ جانہا تازہ می گردد — زہے لطف عمیم او کہ دلہا شادمان بینی
فتوت ہم کاستکش شجاعت خانہ زاد ستش — زور و پیشی او شان شہنشاہان عیان بینی
خیالش راحت جان دل زیارت گاہ شوق او — مرا دل منزل یثرب چو گل در گلستان بینی
جہان می گویدش امی ولی سر دو عالم را — اگر جوئی کلید اینک ہم از نامش نشان بینی
گدائے کوئے او چون بردو عالم آستین افشاند — بہر جانب کہ بینی حاصل دریا و کان بینی
زبانت با ثنائے خواجہ وحشت بر نمی آید — ہمان بہتر کہ خود را در مدیحش بے زبان بینی
بسوئیم اے پناہ استان یکرہ نگاہے کن — کہ تا در استان خویش ننگ استان بینی
وجود من ہمہ عصیان و جود من — مرا نفسیست کافر ماجرا گرد و مفسدان بینی
نہ مارا نالۂ شوقے نہ مارا گریۂ گرمے — ولے دارم کہ او راست غفلت کمان بینی

بدل زخمے ز تیغ الفت تو آرزو دارم
ہمی خواہم کہ از سوز غمم آتش بجان بینی

کلکتہ ۲۵ جنوری ۱۹۰۹ء ------------- رضا علی وحشت

صنعت محتمل الوجہین کی ایک لطیف مثال

رشید الدین وطواط نے اپنی کتاب حدایق السحر مین لکھا ہی کہ ایک عرب شاعر نے جس کی ستم ظریفی مشہور تھی ایکدفعہ عمرو نامی ایک کانے درزی سے کہا کہ اگر تو مجھے ایسا کپڑا سی کر لادے کہ پہننے والا تمیز نہ کر سکے کہ یہ قبا ہی یا جبہ تو مین تیری شان مین ایک ایسا شعر کہ دونگا جسے سن کر کوئی یہ نہ بتا سکے گا کہ اس مین تیری مدح مقصود ہی یا قدح چنانچہ درزی اس پر راضی ہوگیا اور جیسا کپڑا شاعر نے سینے کو کہا تھا ویسا ہی سی دیا۔ اس پر شاعر نے کہا۔

خاط لی عمرو قبا — لیت عینیہ سوا

یعنی عمرو میرے لئے قبا سی کر لایا کاش اُس کی دونون آنکھین یکسان ہوتین۔ لیکن دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ کاش وہ دونون آنکھون سے اندھا ہوتا۔

ہندوؤن کی تہذیب

(۴)

عورتون کی حالت

عورت کو ہندو سوسائٹی مین جو درجہ حاصل ہے وہ اُس کی حالت پر منحصر ہے۔
جب تک وہ کنواری یعنی ناکتخدا ہے وہ دیوی سمجھی جاتی ہے اور اُس کی اس قدر
عزت کی جاتی ہے کہ عورت یا مرد اُس سے اپنے پانوں نہین چھلا سکتا ہے۔
اور شادی کے وقت اُس کے پانوں پوجکر اُس کو شوہر کے حوالہ کرتے ہین۔
شادی ہوجانے کے بعد اُس کی حیثیت بدل جاتی ہے اور وہ ایک طرح کی داسی
یعنی لونڈی ہوجاتی ہے اس معنی مین نہین کہ وہ لونڈی بنائی جاتی ہو بلکہ اس معنی مین
کہ اُس کا سب سے بڑا فرض پتی ورت دہرم یعنی شوہر پرستی ہے۔ خاوند کی
ساس کی سُسر کی نندون کی سب کی سیوا یعنی خدمت کرنا اُس پر لازم ہی۔ جب
اُس کے بچے پیدا ہوجاتے ہین تو ماں کی حیثیت حاصل ہوجانے سے پھر
اُس کی حالت مین تغیر واقع ہوتا ہے اور پھر گھر کی دیوی سمجھی جانے لگتی ہے۔
مگر ماتا دیوی کی حیثیت سے نہ کہ کنواری دیوی کی حیثیت سے ہندوؤن مین
ماں کی بہت بڑی عظمت رکھی گئی ہے۔ چنانچہ وشست کا قول ہے "اور ایک
آچارج یعنی استاد بہ نسبت اُپادہیای یعنی نائب استاد کے دہ گونہ زیادہ معزز ہے
باپ استاد سے سو گونہ زیادہ معزز ہے اور ماں باپ سے ہزار گونہ زیادہ معزز
ہے" بیوی کی حیثیت سے عورت اپنے خاوند کی آردہانگی کہلاتی ہے جس کے
معنی یہ ہین کہ وہ اپنے خاوند کا آدھا جسم ہے مگر وآمانگ یعنی بایان آدھا جسم۔

ہندوون مین ایسے لوگ بھی ہین جو عورت کو مرد پر فضیلت دیتے ہین اور
فرانس کے مشہور فلاسفر کانت دی پیرس کی طرح جو مذہب ہومینٹی (انسان پرستی)
کا بانی تھا وہ اُس کی پرستش بھی کرتے ہین مگر اس فرقہ کے لوگ بُری نگاہ سے
دیکھے جاتے ہین - دراصل بموجب مذہب ہنود عورت خاوند کا آدھا یا نصف جسم
ہی سمجھی جاتی ہے مگر یہ ایسا آدھا یا نصف جسم ہے کہ گویا مرد کے جسم مین داخل ہے - اور
اس لئے تمام مذہبی فرائض کی بجاآوری کے وقت اُس کا شریک رہنا لازمی ہے - اگنی
ہوتر کے وقت جگ منی شردادہ مین اُس کا شریک رہنا ضرور ہے گو وہ خود تنہا کوئی
مذہبی رسم ادا نہین کرسکتی - عورت کو بذات خود کوئی مذہبی حیثیت حاصل نہین ہے -
وہ خود علیحدہ طور پر سندھیا وغیرہ نہین کرسکتی اور چونکہ اُس کا اوپنینی سنسکار نہین
ہوتا - یعنی جینو کی رسم نہین ہوتی - اس لئے وہ ویدون کو نہین پڑھ سکتی
اُس کے لئے تو صرف یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنے خاوند کی خدمت کرے -
اور اُس کا خدا کہو دیوتا کہو خاوند ہی ہے اور اسی سے اُس کی نجات ہے اور جو
کچھ پرستش وہ کرے یا برت یعنی روزہ رکھے وہ اپنے خاوند یا بیٹے یا بھائی کی
درازی حیات کے لئے رکھے - جب تک وہ اپنے باپ کے گھر رہتی ہے وہ اپنے
باپ یا بھائی کے زیر حفاظت ہے - جب خاوند کے گھر آجاتی ہے تو اُس کا محافظ
اُس کا خاوند یا سسر یا دیور ہے اور جب اِن مین سے کوئی نہ رہے تو اُس کی
محافظت بیٹے سے متعلق ہے - غرض کہ ہندو عورت کبھی خود مختار نہین ہے - البتہ تمام
اُمور خانہ داری عورت سے متعلق ہوتے ہین - جب تک ساس موجود ہے اُس کی
آگے کسی کو دخل دینے کا حق نہین - ساس کے بعد بہو مالک ہوتی ہے -
منو نے بیاہ یعنی نکاح کے آٹھ قسم لکھے ہین جن مین سے پہلا یعنی برہمہ وواہ
سب سے افضل ہے - اس مین دُلہن کے گھر لڑکی کا ہاتھ لڑکے کے ہاتھ مین دیکر

کنیادان کی رسم پہلے ادا ہوتی ہے اور پھر آگ کے سامنے پھیرے ہوتے ہین ۔ گندھرب دواہ جس مین عورت اور مرد کی باہمی رضا سے شادی ہوتی ہے اور راکشش دواہ جس مین عورت زبردستی سے پکڑی جاکر یا لڑائی مین جیتی جاکر روتی چلاتی ہوئی مرد کے گہر لائی جاتی ہے اور پہر وہان اُس کا بیاہ ہوتا ہے ۔ یہ دونون بیاہ مخصوص چہتریون کے تھے ۔ راجپوتون مین اکثر شادیان اسی طریق سے ہوتی تہین چنانچہ زبردستی کی ایسی شادیون کے تذکرہ مین آلہا اودن کے قصص ہندوستان کی دیہات مین اب بہی گائے جاتے ہین ۔ ایک طریقہ شادی کا سوئمبر تہا جس مین لڑکی خود ایک ایسی مجلس مین جس مین نزدیک و دور کے بہت سے راجا جمع ہوتے تھے اپنے خاوند کو پسند کرتی تہی اور ان سوئمبرون مین اکثر ایسا ہی ہوتا تہا کہ اس بات کے آزمانے کے لئے کہ کون سب سے بہادر یا سب سے ہوشیار تیر انداز ہے کوئی بہاری کمان کھینچنے کو یا کوئی مشکل نشانہ لگانے کے لیے کہا جاتا تہا چنانچہ سیتاجی و دروپدی کا سوئمبر اسی طریق مین ہوا۔

زمانہ قدیم مین لڑکی کی شادی کے متعلق خصوص چہتریون مین عمر کی کوئی قید نہ تہی لیکن شاستر مین یہ حکم ہے کہ شادی قبل از بلوغ ہوجانی چاہیے البتہ اگر کوئی اچہا لڑکا نہ ملے تو تین سال تک انتظار کیا جاسکتا تہا اور اس کے بعد خود لڑکی کو اختیار تہا کہ اپنی شادی آپ کرلے ۔ ہندوون مین بیوہ کی بہت بڑی عزت کی جاتی ہے اور اگرچہ بعض لوگ وید و شاستر دونون سے یہ ثابت کرتے ہین کہ بیوہ کا نکاح ثانی جائز ہے لیکن منو نے اس بارہ مین زور اسی بات پہ دیا ہے کہ پتی ورتا یعنی شوہر پرست عورت کا کوئی دوسرا خاوند نہین ہے ۔ زمانہ قدیم مین جو کچھ ہو مگر زمانہ حال مین تو اب تینون اعلےٰ قومون مین بیوہ کی شادی رائج نہین ہے ۔ البتہ اولاد ذکور نہ ہونے کی صورت مین یہ ہمیشہ دیور سے تخم لے کر زمانہ قدیم مین بیوہ

اپنے متوفی خاوند کے لئے بزرگون کی اجازت سے چند تیوو کے ساتھ جن کا ذکر شاستر مین ہے اولاد پیدا کر سکتی تہی جو اُس کے خاوند متوفی کی اولاد سمجھی جاتی تہی مگر اب یہ رسم بالکل متروک ہے بلکہ اُس کی ممانعت ہے اور اُس کی جگہ اب تبنی بنا لینے کی رسم جاری ہے۔

ہندو عورت کا یہ عقیدہ ہی کہ اُس کی جو شادی کسی مرد سے ہوتی ہے وہ صرف اسی زندگی کے لیئے نہین ہے بلکہ دوام کے لیئے ہے اور اُس کا شوہر اُس کا دائمی شوہر ہے گو اُس کے کتنے ہی جنم کیون نہ ہو جائین اور اگرچہ اُس کا شوہر مرگیا ہے مگر اُس کے نزدیک موجود ہے اور بہشت مین ہے۔ چنانچہ جس وقت پدماوتی اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کو چلی اُس وقت کا سین کھینچتے وقت ہمارے شاعر ملک محمد جائسی نے یہ شعر لکھا ہے۔

چوپائی

اور جو گانٹھ کنت تم جوڑی آدانت لون جاسے نہ چھوڑی

یعنی یہ کہ اے پیارے جو گانٹھ تم نے باندہی تہی وہ ازل سے چھوٹ نہین سکتی۔ اصلی ستی وہی ہے جو اپنے خاوند کے سچے عشق کے جذبہ مین آکر اُس کی لاش کے ساتھ جل جائے نہ کہ وہ جس کو کوئی زبردستی جلائے یا شرما شرمی خود ہی جل جائے اور یہ آخری فعل بلاشک داخل گناہ کبیرہ ہے۔ مارواڑ کی روٹہی رانی کا قصہ مشہور ہے جو حال ہی مین زمانہ مین چھپا ہے۔ ساری عمر خاوند کے جیتے جی رنڈاپے مین گزاری اُس نے ایسا کرلا (مان) کیا مگر جس وقت راجہ کے مرنے کی خبر سنی سارا مان ایک دم مین توڑ دیا اور یہ باعصمت رانی سچے عشق کے جذبہ سے کہچ کر اپنے خاوند کی پگڑی کو ساتھ ہی آن کی آن مین ستی ہو گئی۔ وہ بڑی جگر کی عورتین تہین جنھون نے اپنے خاوند

---

۱ مان کے معنی روٹھنے کے ہین۔

کے عشق مین یا اپنی عزت و عفت کے لئے اس طرح ستی ہو کر اپنی جانین دی
ہین ایسے عشق یا عفت و عصمت کا نمونہ کہین دنیا مین نہ ملے گا چنانچہ ایک
فارسی شاعر کا قول ہے۔ شعر

ہمچو ہندو زن کسے در عاشقی مردانہ نیست　　سوختن بر شمع مردہ ہمت پروانہ نیست

اسی ہندوستان کا ایک زمانہ تہا جب ساوتری ایسی عورتین یہان تہین ساوتری
کا یہ قصہ ہے کہ اشوپتی نامی کوئی راجہ تہا اور اُس کے ایک لڑکی ساوتری تہی جب
وہ بلغ ہوئی تو باپ نے اُس سے کہا کہ تو کسی لڑکے کو پسند کر جس کے ساتھ تیرا
بیاہ کر دیا جائے چنانچہ ساوتری نے اپنے باپ کے کہنے سے ایک لڑکے کو
پسند کیا جس کا باپ اپنے عیال کے ساتھ جنگل مین تپ یعنی ریاضت کر رہا تہا
ساوتری نے اُس لڑکے کو پسند کر کے اپنے باپ سے سب حال کہہ سنایا۔ مگر
قبل اس کے کہ شادی کی رسم ادا ہو نارد رشی نے ساوتری کے باپ سے کہا کہ
کہ یہ لڑکا جس کو ساوتری نے پسند کیا ہے ایک سال سے زیادہ نہ جئے گا۔ اگرچہ
ساوتری کے والدین نے اُس کو اور کوئی لڑکا پسند کرنے کے لئے اصرار سے کہا
مگر اُس نے یہی جواب دیا کہ مین ایک بار پسند کر کے دوسری بار پسند نہین کر سکتی
اس سے میری عفت مین فرق پڑتا ہے۔ مین نے جو اپنی من کر شنکلپ سے یعنی دلی نیت
سے اس کو پسند کر لیا ہے وہ نیت اب بدل نہین سکتی کیونکہ دنیا مین آدمی کسی
کام کو سب سے پہلے من سے سوچتے ہین پہر زبان پر لاتے ہین اور پہر اُس کو کرتی
ہین۔ چنانچہ ساوتری کی شادی اُس لڑکے سے ہو گئی اور جب ایک سال کے بعد
اُس کی موت کا وقت آیا ساوتری نے ایک نہایت سخت برت یعنی روزہ رکہنا
شروع کیا تین دن پہلے سے ہی اس نے کہانا پینا مطلق ترک کر دیا۔ شاعر نے
اس کا سین اس طرح کہینچا ہے کہ ایک گہنا جنگل ہے اور جیٹھ کی کڑی دہوپ ہین

پڑھی ہین - ستوان ساوتری کا شوہر ہوم کے لیئے لکڑی کاٹنے کو کلہاڑا ہاتھ مین
لے کر جنگل کو جاتا ہے - ساوتری باوجود منع کرنے کے اُس کے پیچھے ہو لیتی ہے
جونہی وہ لکڑی کاٹنا شروع کرتا ہے یکایک بیہوش ہو کر گر جاتا ہے - ساوتری جو
تین دن کے کڑے فاقون سے بالکل نڈھال ہو رہی ہے اپنے پیارے خاوند
کے سر کو اپنی گود مین رکھ لیتی ہے اور دیکھتی ہے کہ سامنے خود جم دیوتا یعنے
ملک الموت ستوان کی روح کو قبض کرنے کے لیئے کھڑے ہین اور روح کو قبض کر کر
چل دیتے ہین - وہ جم کے پیچھے ہو لیتی ہے اور اُس سے وہ گفتگو کرتی ہے جس سے
جم ستوان کی روح کو چھوڑ دیتا ہے اور ستوان زندہ ہو جاتا ہے - اگرچہ یہ ایک قصہ ہی
مگر قصہ کے نتیجہ کو دیکھنا چاہیئے نہ کہ اس بات کو کہ ایسا ہونا ممکن ہے یا نہین -

جب ہندو عورتون کا مناکحت کا یہ آئیڈیل ہے تو پھر اُن مین طلاق کیسی طلاق
ہندوون مین نابود ہے بلکہ اُس کے لیئے کوئی لفظ بھی نہین - زناکاری کی صورت
مین عورت اور اُس کا شوہر دونون بلکہ کل خاندان خارج از برادری ہو جاتا ہے
اور شاستر اجو سزا ہے وہ علحدہ ہے - کثرت ازدواج اگرچہ ممنوع نہین ہی لیکن
اُس کے ساتھ یہ قیدین لگائی گئی ہین کہ جب کسی زوجہ سے اولاد ذکور پیدا نہ
ہوتی ہو یا وہ دائم المریض ہو تو اُس کی اجازت سے اُس کا شوہر دوسری
شادی کر سکتا ہے مگر پہلی بیوی کی پرورش اُس کے ذمہ ویسے ہی رہے گی -

اب کچھ ذکر بھائی اور بہن کے باہمی تعلق کا کیا جاتا ہے - ہندوون مین بہن
اپنے بھائی کو بیرن کہتی ہے جس کے معنی بہادر اور شجاع کے ہین مگر اُس سے
مراد یہ ہے کہ وہ اُس کی عزت و عصمت کا محافظ ہے - سگے بہن اور بھائیون کو چھوڑ کے
جو بھائی نہ ہوتے تھے اُن سے بھی بھائی کے رشتے جوڑے جاتے تھے اور وہ
راکھی بند بھائی کہلاتے تھے - اگر کسی لڑکے یا عورت نے کسی کے پاس راکھی

بھیج کر اُس کو اپنا راکھی بند بھائی ایک دفعہ بنا لیا تو پھر اُس پر فرض ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی
جان کو بھی خطرہ مین ڈال کر اُس کی عزت وعصمت کی حفاظت کرے۔ چنانچہ جب
بہادر شاہ گجراتی نے میواڑ کا سخت محاصرہ کیا تھا اور اُس سے کسی طرح رہائی کی
امید نہ رہی تو میواڑ کی رانی نے اسی طرح ایک راکھی ہمایون بادشاہ کے پاس
بھیجی تھی جس پر ہمایون نے شیر شاہ کا مقابلہ چھوڑ کر چتوڑ کے راجہ کی حمایت کرنا اپنا فرض
سمجھا تھا۔ اب ذرا اس "شیولری" (**شجاعت**) کا مقابلہ یورپ کی "شولری" کے
ساتھ کیجیے جہان پری رویون کی حمایت ومحافظت کا معاوضہ یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ پری رو
اپنے عشق ومحبت سے اپنے محافظ یا حامی کو سرفراز کرے۔ کہان وہ ہندوون کی
بیغرضانہ "شولری" تھی اور کہان یہ ان کی غرض کی بھری ہوئی "شولری" تھی۔ سچی "شولری"
اسی کو کہین گے جو بے غرضانہ ہو۔

عورتون کے دل بہلاؤ کے مشغلے قدیم زمانہ مین بھی مثل حال کے گانے بجانے
کے تھے مگر مہابھارت اور قصص کی کتابون سے معلوم ہوتا ہے کہ شہرون مین نرتیہ شالائین
یعنی ناچ گھر ہوتے تھے جہان اعلیٰ طبقہ کی عورتین گانے بجانے کے لیے جمع ہوتی
تھین مگر اس بات کی پوری احتیاط کی جاتی تھی کہ کوئی مرد وہان نہ آئے۔ عورت کو
غیر مرد سے دور رہنے کی سخت ہدایت شاستر مین ہے یہان تک حکم ہے کہ عورت
پر کسی غیر مرد کا سایہ نہ پڑنا چاہیے اور عورت کے لباس کو بھی کسی غیر مرد کو نہ چھونا چاہیے
غیر مرد سے بحالت تنہائی گفتگو کی بھی ممانعت ہے۔ قدیم زمانہ مین عورتین پردہ کرتی
تھین یا نہین اس کے متعلق کسی قدر بحث ہے ہندوون مین جو پردے کی مخالف
ہین وہ یہ کہتے ہین کہ ہندوون مین پردہ نہین تھا مسلمانون سے لیا ہے مسلمانون
مین جو پردے کے مخالف ہین وہ یہ کہتے ہین کہ جیسا پردہ یہان کے مسلمانون مین
ہے ویسا عرب مین نہین ہے اور اس لیے کچھ تو ضرور ہندوون کا اثر ہے۔ حقیقت امر

یہ ہے کہ ہندؤون مین سوا سے چھتریون کے اور کسی قوم مین علانیہ پردہ نہ تہا۔ اس امر کا ثبوت کہ چھتریون خصوص راجاؤن کی عورتین پردہ کرتی تھین راماین اور مہابہارت دونون سے ملتا ہے۔ جس وقت سری کرشن چندر پانڈومن کے ایلچی بنکر ہستناپور مین داخل ہوے تو راجہ دہرتراشٹ نے حکم دیا کہ شہر کی شریف خاندانون کی لڑکیان بھی سری کرشن کی پیشوائی کے لیئے ویسے ہی چلی جائین یعنی یہ کہ اُن سے پردہ نہ کرنا چاہیئے۔ جس وقت درو پدی کے بالون کو کہینچتا ہوا دریودہن کا بھائی دوساشن اُس کو سبہا یعنی مجلس مین لایا اُس وقت دروپدی روتی ہوئی یہ کہتی ہے " مجھکو صرف سوئمبر مین راجا لوگون نے دیکھا تھا اُس کے پہلے یا پیچھے کسی مرد نے بھی کسی جگہ مجھے نہین دیکھا۔ مگر اب مین سبہا مین کہڑی ہوئی ہون اور سیکڑون آدمی مجھے دیکھ رہے ہین۔ اس سے اور کیا بڑی بات ہو گی کہ اس سبہا مین مجھکو چارون طرف سے سب آدمی دیکھ رہے ہین ہاے ان راجاؤن کا دہرم کہان گیا " راماین مین بھی یہ لکھا ہے کہ بعد فتح لنکا جس وقت راجہ وبھیشن مہارانی سیتاجی کو پالکی مین بٹھا کر سری راجہ رام چندر جی کے پاس لاے اُس وقت اُنھون نے سب لوگون کو جو وہان تھے ہٹ جانے کے لیئے حکم دیا اور اس حکم پر سب لوگون پر چھڑیان پڑنے لگین اور ہٹاے جانے لگے جب رام چندر جی کو معلوم ہوا کہ اُن کی فوج کے لوگ اس طرح چھڑیون سے پیٹے جا رہے ہین تو سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ ایسے وقت مین جب کہ ہم مبتلاے مصیبت ہین پردہ کی کوئی ضرورت نہین کیونکہ شاستر کا حکم ہے کہ دُکھ مین مصیبت کے وقت ہوے بمر مین جگ اور خیرات کے وقت عورت مردون کے روبرو آسکتی ہے۔ اس ظاہر ہے کہ کم سے کم چھتریون مین تو پردہ ضرور تہا۔

اُس زمانہ مین عورتین عام طور پر پڑہی لکھی تھین یا ان پڑہ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ مگر جو خاص خاص عورتون کے حالات مہابہارت

وغیرہ کتابون مین مندرج ہوے ہین اُن سے یہ پایا جاتا ہے کہ برہمنون اور چھتریون کی عورتین تو ضرور پڑہی لکہی ہونگی پڑہی لکھی ہی نہین بلکہ بعض اُن مین سے عالمہ و فاضلہ بہی تھین۔ ویدون کی کئی رچائین عورتون کی طرف منسوب کی جاتی ہین جن مین خدا کی حقیقت کے متعلق نہایت ہی اعلیٰ خیالات بھرے ہوئے ہین۔ یاگ ولک رشی کی دو بیویان تھین ایک میتری اور دوسری کاتیانی۔ ایک دفعہ رشی نے تارک الدنیا ہونے کے خیال سے اپنی بیویون مین کل جائداد تقسیم کردینے کی خواہش ظاہر کی۔ میتری نے جواب دیا "کیا دنیا کی دولت سے حیات ابدی مل سکتی ہے"۔ رشی نے کہا "نہین" میتری نے جواب دیا "تو پھر ہم دولت لے کر کیا کرین گے"۔ اس پر سے مسئلہ حیات و مسئلہ عالم کے متعلق خاوند اور بیوی کے درمیان وہ سلسلہ گفتگو کا چھڑا جس کو اب بھی نہایت حیرت کے ساتھ مہذب دنیا کے علما پڑہتے ہین۔ میتری سے بڑہ کر گارگی تھی جو ایک رشی کی بیٹی تھی۔ ایک مرتبہ راجہ جنک نے ایک بڑا جگ کر کے بڑے بڑے عالمون کو اپنے اس جگ مین آنے کی دعوت دی۔ اور اس کے حکم سے ایک ہزار گائین جن کے سینگون مین دس دس اشرفیان بندہی ہوئی تھی جگ شالا کے سامنے لا کر کھڑی کردی گئین اور یہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص ثابت کرے گا کہ مجھے علم حقانی مین سب سے زیادہ دخل ہے وہی اُن کو لے جائیگا کسی کو ایسا دعوی کرنے کی ہمت نہ ہوئی آخر کار یاگ ولک نے جو راجہ کا پروہت بھی تھا گائیون کو کھولنے کے لئے اپنے چیلون کو اشارہ کیا۔ اس پر کل برہمن جو وہان جمع تھے آزردہ ہوے مگر اُس کی اس حرکت پر کسی کو اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر گارگی نے جماعت سے اُٹھ کر یاگ ولک سے یہ سوال کیا کہ کیا تم کو علم حقانی کے اسرار کو جاننے کا دعوی ہے اس پر اُن دونون مین جو گفتگو ہوئی وہ نہایت ہی بیش بہا ہے اور اب بھی کتابون مین محفوظ ہے۔

دروپدی راجہ جدہشٹر کی رانی ایک نہایت عقیل اور عالم وفاضل عورت تھی جس وقت راجہ جدہشٹر جوے مین اپنی سلطنت ہار کر اپنے بھائیون اور رانی کے ساتھ جنگل مین سکونت رکھتے تھے اُس وقت رانی نے راجہ سے تدبیر وتقدیر اور انسان کے کامون مین خدا کی مداخلت کے متعلق جو تقریر کی وہ نہایت ہی دلچسپ ہے مگر ہم بخوف طوالت اُس کو یہان درج نہین کرسکتے۔

ہندوؤن مین کہین کہین عورتون کی سلطنت بھی رہی ہے چنانچہ ایک چینی زائر نے لکھا ہے کہ کوہستان ہمالہ مین برہم پوری ایک مقام ہے جہان عورتون کا راج ہے اور سوا سپاہگری اور زراعت کے عورتین کل کام کرتی ہین۔

بھاسکر آچارج کی بیٹی لیلاوتی علم حساب مین بہت ہوشیار تھی اور اُسی کے لیئے اُس مشہور مہندس نے اپنی کتاب لیلاوتی لکھی تھی۔ اخیر زمانہ مین میران بائی ایک بہت بڑی مجذوبہ ہوئی جس کے گیت عشق حقیقی مین اس قدر جوش سے بھرے ہوے تھے کہ وہ اب بھی وجد کی حالت پیدا کرتے ہین۔ ہندوؤن کی بہادر عورتون کے کئی واقعات تاریخ وکتب قصص مین درج ہین جن کا ذکر یہان بخوف طوالت نہین کیا گیا۔

مثل حال کے زمانہ قدیم مین پیشہ ور طوائفون کی کثرت تھی۔ چنانچہ قنوج کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہان ساٹھ ہزار کھنیان تھین۔ ان مین سے جو زیادہ خوبصورت ہوتی تھین یا جن کو گانے بجانے کا کمال حاصل ہوتا تھا اُن کی باوجود اُن کے ذلیل پیشہ کے عزت ہی کی جاتی تھی۔ مثلاً ایک امبا پالی ہی تھی جو بڑے بڑے امرا کے ساتھ شان وشوکت مین برابری کا دعویٰ کرتی تھی اور جس نے خود گوتم بدھ کو اپنے یہان آنے کی دعوت دی تھی اور وہ اُس کے گھر مہمان بھی ہوگئے تھے اور اُن کی ہدایت سے اُس نے اپنے ذلیل پیشہ کو ترک کرکے نیک زندگی اختیار کی

تھی بسنت سینا مرچھہ کٹی ناٹک کی ہیروئن بڑی شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اُس کے مکان مین شہر اوجین کے نوجوان باشندون کے لیئے جوا کھیلنے۔ کتابین پڑھنے اور تصویرون کی سیر کرنے کا انتظام تھا وہ محتاجون اور بدنصیبون کی دستگیری کیا کرتی تھی اور اپنی فیاضی کے لیئے مشہور تھی۔ کتھا کرت ساگر سے واضح ہے کہ شہر پرتشٹھان مین جس کو اب پٹن کہتے ہین اور جو ضلع اورنگآباد مین واقع ہے مدن مالا نام ایک مشہور کنچنی تھی جس کا مکان مثل راجاؤن کی مکان کے تھا اور جہان سپاہیون کا پہرہ رہا کرتا تھا۔ گھوڑے گاڑی ہاتھی اُس کے گھر بندھے رہتے تھے۔ مشہور ہے کہ خود راجہ بکرماجیت بھیس بدل کر اس کے گھر مہمان ہوا تھا اور اس نے اُس کی بہت بڑی خاطر و تواضع کی تھی۔ پرانون مین بھی ایسی بیسواؤن کے قصے درج ہین جو آخر مین اپنے ذلیل پیشہ کو ترک کر کے بہت بڑی زاہدہ و عابدہ ہوگئین۔

زمانہ زوال و اسباب زوال

ہندوؤن کی تہذیب کی زمانہ عروج کی تصویر ہم نے اوپر کھینچی ہے۔ یہ تذکرہ کسی ایک زمانہ واحد کا نہین ہے۔ ابتدائی زمانہ سے جس کی کوئی صحیح تاریخ مقرر نہین کی جاسکتی بجز اس کے کہ قیاس کو دخل دیا جاے زمانہ آغاز اسلام تک بقول ہندوؤن کے لکھوکھا سال مگر بقول محققین حال کئی ہزار سال کے عرصہ مین جس طرح اس ہندو سوسائٹی نے ترکیب پائی ہے اُس کا اگر کوئی ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جاتا تو شاید یہ چھوٹا سا مضمون اُس کے لیئے مکتفی نہ ہوتا۔ بالکل ہی ابتدائی زمانہ کی جو سوشیل حالت یا طرز معاشرت تھی یا جو قوانین اُس زمانہ مین جاری تھے اُن کے مقابلہ مین آغاز عہد اسلام کے وقت بھی کل امور مین ایک انقلاب عظیم واقع ہوگیا تھا اور اب تو

اُس سے کہین بڑھ کر انقلاب ہوگیا ہے۔ اس مین شک نہین کہ شُرتی جس سے مراد ویدون کا الہامی کلام ہے غیر متغیر ہے اور اُس مین کوئی تغیر نہین ہوا ہے اور نہ ہوسکتا تھا بجز اس کے کہ مفسرین نے اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق جدا جدا تفسیرین لکھی ہین، اور نئے نئے طریقے چلائے ہین لیکن جس کو سمرتی یعنی شرع کہتے ہین اُسمین ہر زمانہ مین تغیر ہوا ہے کیونکہ خود شاستر کا یہ مقولہ ہے کہ ہر جگ جگ کا دھرم الگ ہے۔ مہابھارت مین ایسے تذکرے درج مین جن سے پایا جاتا ہے کہ جس زمانہ مین ہندو آریون کی سکونت ہمالہ کے اُس طرف کسی ملک مین جس کا نام اوترکرو لکھا گیا ہے تھی اُس زمانہ کے رسم و رواج بالکل ہی علحدہ تھے اور اُس کی طرف اشارہ کرکے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگلے زمانہ مین جب اوتر دیس کی سکونت تھی فلان فلان رواج تھے جو اب متروک ہوگئے ہین۔ مثلاً ایک زمانہ مین یہ رواج تھا کہ بیوہ اپنے متوفی خاوند کے لیئے کسی برہمن یا دیور سے اولاد پیدا کرا سکتی تھی جو طریقہ نہ صرف اب بالکل ہی ناجائز بلکہ قطعاً ممنوع ہے۔ یہ طریقہ منو کے زمانہ ہی مین ناجائز قرار دے دیا گیا تھا چنانچہ منو نے اپنی کتاب کے باب نہم مین برہمن چھتری اور ویش ان تینون ذاتون کے لیئے اس کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ طریقہ جو صرف حیوانات کے لئے موزون ہے راجہ وین نے جو ایک شہوت پرست راجہ تھا اپنے زمانہ مین جاری کیا تھا پہلے کسی چھتری یا ویش کی لڑکی سے برہمن کی شادی ہوسکتی تھی مگر اب ایسا نہین ہوسکتا۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ہندوؤن کی شرع مین وقتاً فوقتاً تغیر ہوا ہے جیسا زمانہ ہوا اُسی کے مطابق قانون بنائے گئے۔ پس جو تصویر زمانہ عروج کی تہذیب کی کھینچی گئی ہے اُس کو ایک عام تصویر ہی سمجھنا چاہیئے۔ لیکن بقول شخصے ہر کمالے را زوالے آخر وہ زمانہ بھی آیا کہ زوال کے سارے آثار پیدا ہوگئے۔ اور صرف آثار ہی پیدا نہین ہوئے بلکہ فی الحقیقت وہ زوال آگیا کہ ابتک اُس سے اُبھرنے

کی کوئی امید شان وگمان مین بھی نہین ہے۔ ابوریحان الخالملب ہ البیرونی ایک مسلمان سیاح محمود غزنوی کے زمانہ مین ہندوستان آیا تھا۔ اُس نے جو حالات یہان کے اپنی چشم دید لکھے ہین اُن سے پایا جاتا ہے کہ جو حالت سرسبزی کی مگستھنیز اورچینی سیاحون نے یہان دیکھی تھی اُس کے برخلاف اُس کے زمانہ مین کل آثار زوال کے پیدا ہوگئے تھے۔ کیا مذہب کیا صنعت وحرفت اورکیا سوشیل حالت مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگیا تھا۔ اورجہالت بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ البیرونی لکھتا ہے "یہان کے باشندے ایسے جاہل ہین کہ وہ کبھی نہین مانین گے کہ اُن کے ملک کے سوائے اوربھی ملک ہین اُن کی قوم کے سوائے اوربھی قومین ہین اور اُن کے سوائے دوسرون مین بھی علوم ہین۔ اگر یہ سیاحت کرین تو البتہ اپنی رائے کو بدلین مگر یہ تو کبھی باہر نہین جاتے ہین ان کے بزرگ ایسے تنگ دل وجاہل نہ تھے جیسے کہ یہ ہین" جیساکہ البیرونی نے لکھا ہے فی الحقیقت دسوین اورگیارہوین صدی عیسوی مین ہندوستان کی ایسی ہی حالت تھی اس زمانہ کومثل یوروپ کی قرون متوسطہ کے ہندوستان کا زمانہ تاریک کہنا چاہئے۔ ایک طرف تو مذہب برہمنون کا تختہ مشق بن گیا تھا اور اُس مین فاسد عقائد شامل ہوگئے تھے اور دوسری طرف لوگون کو علم وہنر سیکھنے سے کچھ سروکار نہ رہا تھا اور وہ غلام بنے ہوئے تھے۔ علوم وفنون لٹیریچر اورشاعری وغیرہ کی ترقی بالکل رُک گئی تھی کوئی روشن خیالات کا نمونہ اس زمانہ کا نہین پایا جاتا ہے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام چیزین خاتمہ کو پہونچ رہی ہین اور قومی زندگی کا اختتام ہونے والا ہے۔ ہندوستان کی ایسی ہی حالت ہورہی تھی جب وقت کو اسلام کا ظہور ہوا۔

اس زوال کے اسباب مورخون نے اپنی اپنی رائے کے مطابق علٰحدہ علٰحدہ بیان کئے ہین کوئی برہمنون کو اِس کا ملزم ٹھہراتا ہے اورکوئی راجپوتون کو

جنھون نے برہمنون کو ضرورت سے زیادہ عظمت دیدی تھی کوئی کاسٹ سسٹم یعنی تفریق ذات
کو اس کا سبب بیان کرتا ہے اور کوئی خود ہندو مذہب کو جس مین بقول اُس کی تمام
بیرونی خیالات کو اپنے سے خارج رکھنے کی ایک صفت موجود ہے۔ اس آخری
خیال کی تو تردید بآسانی ہوسکتی ہے اور وہ بھی بحوالہ ایک عیسائی مصنف کے جو
ہندوؤن کے مذہب کا کچھ زیادہ مداح نہ تھا۔ پروفیسر ہانیر ولیمس لکھتے ہین کہ ہندوؤن کی مذہب
کی بناء وید پر ہے مگر اُس نے تمام مذاہب سے کچھ نہ کچھ لیا ہی اور کچھ ایسی اشکال اپنی ساتھی
رکھے ہین جو کسی نہ کسی خیال کے لوگون کے لئے موزون ہو جاتی ہین۔ وہ "آل ہارنٹ"
ہی یعنی سب کچھ گوارا کر لیتا ہی یا یہ کہ سب باتون کا متحمل ہے سب کو اپنی مین شامل کرنی
والا ہی اور سب باتون کو قبول کر لینے والا ہے اُس نے کل اقسام کی عقاید کو اپنے مین
شامل کر لیا ہے حتی کہ ہندوستان کی جنگلی اور پہاڑی اقوام کی عقاید بھی اُسمین شامل ہوگئے
ہین۔ یہ لکھکر پھر آخر مین پروفیسر مذکور یہ لکھتے ہین کہ حق تو یہ ہے کہ ہندوؤن کی مذہب
کا کوئی تذکرہ کامل نہین ہوسکتا تاوقتیکہ ہر مذہبی اور ہر فلسفیانہ خیال کا ذکر نہ کیا جائے جو دنیا
مین اب تک کہین بھی پھیلا ہے۔ پس ہندوؤن کے مذہب کی نسبت ایسا کوئی الزام
ہرگز قائم نہین ہوتا کہ اُس مین ہر بیرونی خیالات کو اپنے سے خارج رکھنے کی
صفت موجود ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہب کے پیشواؤن نے
اُس زمانہ مین جب کہ ہندوستان پر چارون طرف سے بیرونی اقوام کے حملون
سے ایک آفت بپا ہو رہی تھی کل غیر قومون کے ساتھ نفرت اور اپنی ذات کی
پاکیزگی کے خیالات کا ایک مستحکم قلعہ بنا کر اُس مین اپنی اور اپنے مذہب کی حفاظت
کی غرض سے محصور ہو جانے کی ہدایت کی تھی اور جیسے جیسے وہ حملے بڑھتے گئے
ویسے ویسے وہ قلعہ اور بھی زیادہ مستحکم ہوتا گیا یہان تک کہ وہ ایک حصن متین بن گیا
اور اُس کے توڑنے کی اگرچہ باہر اور اندر دونون طرف سے کوشش کی گئی لیکن

وہ کسی کے توڑسے نہ ٹوٹا۔ ہان البتہ اب زمانہ حال مین بیرونی اثرون کی گولہ باری اُس پر کی جارہی ہے اور اندر سے بھی خود محصورین دروازہ کھولنے پر آمادہ ہورہے ہین اس لئے کیا تعجب ہے کہ یہ قلعہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ کر منہدم ہوجاے۔

ہندوؤن پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ غیر قومون کو اپنے مذہب مین داخل نہین کرتے اور یہ بھی اُن کے تنزل کا ایک باعث ہے لیکن وہ اشاعت مذہب کی مخالف نہین کیونکہ اُن کا یہ کہنا ہے کہ سب مذہب برحق ہین اور بھگوت گیتا کا یہ قول ہے کہ ہر ایک کو اپنے اپنے دھرم پر چلنا چاہئے انسان کا یہ بھی ایک بڑا فرض ہے۔

ایک اور الزام ہندوؤن پر لگایا جاتا ہے کہ اُن کی بت پرستی نے اُن کو خراب کیا۔ جیسا کہ مین اپنے ایک مضمون مین جو رسالۂ اتحاد مین شایع ہوچکا ہے ثابت کرچکا ہون بت پرستی مین کوئی عیب نہین اگر وہ دھیان کا ایک ذریعہ سمجھ کر کی جاے یا اس خیال سے کی جاے کہ خدا سب جگہ موجود ہے۔ وہ پتھر مین بھی موجود ہے اور اس لئے پتھر مین ہم اُس کو پوج سکتے ہین بقول شخصے

ہر سنگ مین چمک ہے اُسی کے ظہور کی — موسیٰ نہین کہ سیر کرون کوہ طور کی

ہان بت پرستی اگر کسی ایسے خیال سے کی جائے کہ بت ہی خدا ہی یا یہ کہ خدا بت مین ہی ہے اور کہین نہین ہے جس خیال کی بھگوت گیتا نے بہت سخت مذمت کی ہے تو وہ البتہ ایک نہایت ذلیل درجہ کی بت پرستی ہے۔ بت پرستی وید سے ثابت ہوتی ہی یا نہین اس بحث مین ہم پڑنا نہین چاہتے مگر یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کا رواج زیادہ تر بودھون کے زمانہ مین ہوا۔ اور جس طرح کی بت پرستی بعض جگہ یا ہندوؤن کے بعض فرقون مین اب جاری ہے وہ بودھون ہی سے لی گئی ہے۔ چنانچہ بودھون کی بت پرستی کے بارہ مین فاہیان چینی زائر نے اپنے سفرنامہ مین حسب ذیل لکھا ہے۔

"یہان ہر سال مورتون کا ایک جلوس بڑی دہوم دہام سے نکلتا ہے۔ چارپہیون کا
ایک رتھہ بنایا جاتا ہے جو پانچ چھہ منزل تک ہوتا ہے اور اُس کو سفید کپڑے سے
مڑھتے ہین اور پھر طرح طرح کے رنگون سے رنگتے ہین اس رتھہ کے چارون کونون
پر طاق رکھے جاتے ہین جن مین بدھ کی مورتین بٹھائی جاتی ہین غرض کہ اس طرح
کے بیس رتھہ بنائے جاتے ہین اور مختلف طور پر ان کی آرایش کی جاتی ہے جب
جلوس نکلنے کا دن آتا ہے تو ہزارون لوگ مع پوجاریون کے جمع ہوتے ہین باجے
وغیرہ بجتے ہین اور روشنی کی جاتی ہے اس کے بعد وہ رتھہ مع بدھ کی مورتون کے
یکے بعد دیگرے شہر کے اندر داخل ہوتے ہین اور ایک جگہ لاکر کھڑے کر دیے
جاتے ہین تمام رات چراغون کی روشنی ہوتی ہے باجے بجتے ہین اور کھیل ہوتی
ہین اور پوجا ہوتی ہے" اس سے ظاہر ہے کہ ہندوؤن مین اب جو جاترا وغیرہ
ہوتی ہین وہ محض بودھون سے لی گئی ہے اور انہین کی رتھہ جاترا کی ایک نقل ہے۔

اسی بت پرستی پر سے بعض کو یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ ہند وحدانیت کے
قایل نہین اور جو کچھہ وحدانیت کا خیال اب اُن مین پایا جاتا ہے وہ غیر مذاہب سے
لیا گیا ہے۔ اس خیال کی تردید کے لئے ہم خود مسلمان سیاح البیرونی کی شہادت
پیش کرتے ہین جو لکھتا ہے کہ ہندوؤن مین جو باخبر ہین وہ برابر توحید کے قایل
ہین۔ خدا کو ایک مانتے ہین اور سب چیزون کی ہستی کو اُسی کی ہستی مین مانتے ہین
البتہ جاہلون مین انواع اقسام کے توہمات اور فاسد عقائد ہین۔ مگر یہ کیفیت ہر
ملک وہر ملت کی ہوا کرتی ہے۔ توہم پرستی اور فاسد عقائد کی تغیر کا سبب سے
بڑا الزام پرانون پر قائم کیا جاتا ہے مگر انہین پرانون مین ایک وشنو پران ہے
جس مین خدا کی ستائش حسب ذیل درج ہے۔ "مین سجدہ کرتا ہون تجھ کو اے
خداوند عالم جو برہما ہو کر عالم کو پیدا کرتا ہے وشنو کی شکل [illegible] اُس کو قائم کرتا ہے۔

اور شیو کے روپ مین اُس کو اپنے مین فنا کر لیتا ہے اور جس کا ظہور مجسمہ مین اور اور جگہہ اور سارے عالم مین ہے۔ دیوتا اور پترون کو جو کچھہ دیا جاتا ہے اُس کو ایک توہی دیوتا اور پترون کی شکلین اختیار کر کے قبول کرتا ہے جوگی لوگ تیرا ہی دھیان کرتے ہین اور جو ہوم کرتے ہین وہ تیرے ہی لیے ہی کرتے ہین۔ اے خداوند تیرا سب سے بڑا روپ یہ عالم ہے اور اُس سے چھوٹا روپ یہ ہماری دنیا ہے اور اس سے چھوٹا تیرا وہ حقیقی روپ ہے جو کسی کے دھیان مین نہین آسکتا اور جس کا خیال حواس خمسہ سے باہر ہے۔ تجھ سے الگ کوئی چیز نہین مگر تو سب سے الگ ہی اور فی الحقیقت نہ تیرا کوئی نام ہے اور نہ تیری کوئی شکل ہے اور تو صرف اپنی ہستی سے ہی جانا جاتا ہے"
اس ستائش کو پڑھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ توحید کا خیال پرانون مین نہین ہے۔
مگر ہان یہ کہا جاسکتا ہے کہ شخصی خدا کے خیال پر جو زور پرانون مین دیا گیا ہے اُس نے یہ اور بیا رنگ پکڑا کہ خدا کے مختلف صفات کے لحاظ سے اُس کو جو مختلف اشکال اور مختلف نام دیے گئے ہین اُن کے اصل مفہوم و معنی کو سمجھ کر جہلا نے ہر ایک کو الگ الگ خدا سمجھ لیا اور پھر لگے آپس مین لڑنے کہ ہمارا معبود بڑا ہے اور تمہارا معبود چھوٹا ہے اور ایک ایسی بحث چھیڑ دی جس سے ساری خرابی ہندو مذہب مین پیدا ہو گئی
پس ہندوؤن کے زوال کے اسباب مین ایک سبب تو یہ ہے کہ جاہلون نے مذہبی تلقینات کے اصل معنی و مفہوم کو نہ سمجھ کر مذہب مین عجیب و غریب اختراعات و ایجادات کیے جو نہ ہونے چاہیئے تھے اور جو مذہب کے پیشوا تھے اُنھون نے اپنے اقتدارات کو ناجائز طور پر برتنا شروع کیا اور وہ وہ دعوے کیے جو نہ اُن کو زیب دیتے ہین اور نہ جن کا کوئی استحقاق اُن کو از روئے وید و شاستر حاصل ہے اس کے سوائے مذہبی شاعرون اور بھگتون نے وہ من گڑھت باتین پیدا کین جن کے لئے کسی مذہبی کتاب مین سند نہین اور پھر ایک دوسرا سبب وہ سوشیل خرابیان ہین جو اب

دیکھی جا رہی ہین اور جن کو یہان تفصیل سے بیان کرنا اس مضمون کو طول دینا ہے۔
اگر سچ پوچھو تو سب سے بڑا سبب زوال کا یہ ہے کہ ہندوؤن کی پولیٹکل آزادی
جاتی رہی ہے۔ جو راجہ ہے اُن کے مذہب مین دخل نہین دے سکتا۔ اور
اب ایسا کوئی راجہ موجود نہین ہے جو دہرم شاسترون کے ہدایات کی تعمیل کرائے
یا جو زمانہ کی تبدیلی کے لحاظ سے اُن مین کوئی ترمیمات کرائے۔ شاستر کا یہ قدیم مقولہ
ہے کہ دہرم کی حفاظت راجہ کرتا ہے۔ راجہ کے نہ ہونے سے سب معاملات بگڑ جاتے ہین۔
ہندوؤن کی تہذیب کے ساتھ اسلام کی تہذیب کے ملنے کا جو اثر ہندوؤن پر
پڑا اس کے لئے ایک علٰحدہ مضمون چاہیئے جو اس وجہ سے یہان درج نہین کیا
جاتا کہ یہ مضمون پہلے ہی حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔

پربھو لال

سلام

اُسی در سے شہِ لولاک نے تاج ولا پایا
جہان جبریلؑ نے مندیل موسیٰؑ نے عصا پایا

رگ گردن سے اقرب آسمان کو مادرا پایا
نہ پہچانا کبھی ہم نے اُسے اور بارہا پایا

خدائی بھر سے جس دم ہاتھ کھینچا تو خدا پایا
کیا پائے طلب کو قطع تو دستِ دعا پایا

یہ کس غازی کے توسن نے اشارہ باگ کا پایا
علم سے برق چمکی۔ سایہ نے اوج ہما پایا

سلامی ساقیٔ کوثر سا ہم نے رہنما پایا
سکندر نے خضر اور خضر نے آبِ بقا پایا

گدائی کا ملا تھا ٹھیکرا جو در سے ساقی کے
اُسی کو بزم جسم مین ساغ گیتی نما پایا

بھروسا زیست پر کچھ ہے نہ ایامِ جوانی پر
شرارِ سنگ اُسے دیکھا اسی رنگِ حنا پایا

دعا کے ساتھ تا بامِ قبول اکثر وہ پہنچا ہے
کمندِ اضطرابِ دل کا جس نے آسرا پایا

خدا گر ہمتِ عالی بھی دے اور خاکساری بھی
سمجھنا چاہیئے بس حاصلِ ارض و سما پایا

خوشی کیا سال نو کی نافلو اس دار فانی مین — یہ سوچو تو بھلا اک سال کھویا تم نے یا پایا

نہ اب پست و بلند دھر کو مڑ کر کبھی دیکھون گا — بہت گر پڑ کے مین نے جادۂ صبر و رضا پایا

تعلق ایک نعمت کو ہزارون نعمتون سے ہی — تری درگاہ سے جتنا ملا اُس سے سوا پایا

تعلق ایک حسرت کو ہزارون حسرتون سے ہی — دل بے آرزو پایا تو سمجھو مدعا پایا

رفاقت پاؤن کے چھالون نے کیا دشت غربت مین کی — انہین مین نے نمک پروردۂ شور درا پایا

ازل سے آستان ختم رسل کا مرجع کل ہے — کہ بوسہ لے کے عیسیٰ نے لب معجز نما پایا

علی کے آستان پر پیر گردون جھک کے کہتا ہی — کہ مین نے درہم خورشید اسی در پر پڑا پایا

غلامان شہ دین کروٹین لیتے ہین پھولون پر — لحد مین آکے دروازون کو جنت کے کھلا پایا

شہیدان جفا تھے آفتاب اوج سعادت کے — دم شمشیر کو سمجھے کہ خط استوا پایا

بنی ہاشم مین کیا شادان پہونچ کر اپنے مقتل پر — شفق پھولی ہے چہرون پر کہ دشت کربلا پایا

سر حر شاہ کے زانو پہ ہی اور ہاتھ دامن پر — بوقت نزع دست شوق اور دست رسا پایا

سر نیزہ سنا تو ہوگا قرآن اسے فلک تو نے — کہان داؤد نے یہ لحن کب ایسا گلا پایا

اسیری سید سجاد کی ہم سے کوئی پوچھے — کہ رسی مین بندھے ہاتھون کو بھی عقدہ کشا پایا

کڑکنے مین کمان حرملہ کے یہ صدا نکلی — لگا کر بے زبان کو تیر ظالم تو نے کیا پایا

علی کی مدح پڑہتا قبر سے ای نظم مین اُٹھا
تو محشر مین لب کوثر پہ شور مرحبا پایا

حیدر آباد دکن — سید علی حیدر

۱۰ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ

السفر وسیلۃ الظفر

اس عنوان سے پنڈت رتن ناتھ سرشار مرحوم کا ایک ناتمام مضمون یمین السلطنۃ ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر دام اقبالہم کی توجہات سے بجناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے کی عنایت آمیز وساطت سے دکن ریویو کے اوراق کے لئے بہم پہنچایا ہے۔ ہز اکسلنسی اپنے عنایت نامہ مین جو مولوی صاحب موصوف کے نام ہے ارشاد فرماتے ہین کہ "جب مجھے کسی کاغذ کی ضرورت تھی جس کی تلاش مین اپنا پرانا دفتر چھانٹ رہا تھا۔ کاغذات مین پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ایک مضمون اُن کے قلم کا جس کی سرخی السفر وسیلۃ الظفر ہے ملا۔ اس کے دیکھنے سی معلوم ہوتا ہی کہ مضمون ختم ہونے نہیں پایا تھا کہ پنڈت صاحب کا خاتمہ ہوگیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مین اس مضمون کو گو ناتمام ہے خوش خط لکھوا کر اس غرض سے بھیجتا ہون کہ آپ اسے ظفر علی خان صاحب کو دے دیجئے تاکہ وہ اسے دکن ریویو مین شایع کر دین۔ یہ بھی پنڈت سرشار کی یادگار سے ہے۔ خدا بخشے عجب خوبیون کا آدمی تھا اور نثر نویسی مین ایک انوکھی اور دلچسپ طرز کا موجد تھا" ہم ہز اکسلنسی کا بلحاظ جناب ممدوح کی عنایات بے غایات کے دلی شکریہ ادا کرتے ہوئے اس مضمون کو جو فسانہ آزاد کے مصنف کی آخری یادگار ہے حسرت آمیز مسرت کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ ایڈیٹر۔

سفر کن سفر کن سفر کن سفر

سفر کن کہ بسیار آرد ظفر

السفر وسیلۃ الظفر۔ ایک مشہور و معروف عربی جملہ ہے۔ سفر ہی کی نسبت ایک جملہ لسان الفرس مین بھی ہے۔ سفر بصورت سقر۔ گو یہ دونون جملے بادی النظر مین متضاد معلوم ہوتے ہین اور ع۔ ممکن نہین اجتماع ضدین۔ مگر ہم اس بات کا اثبات

دین گے کہ گو معنی مین متضاد ہین مگر دونون صحیح ہین - بالاستیعاب اگر غور و تعمق سے نظر ڈالی جائے تو دونون اپنے اپنے مقام پر معنی خیز ہین اور غلطی سے مراد مبرا

صفحہ بیمبر صاحبان زیرک وحاذق پر مخفی و محتجب نہین کہ سفر کا وسیلہ ظفر یا اس کے بالعکس ہونا اس کے استعمال کے طریقے اور اسباب پر منحصر ہے آگے چل کر ہم ان دونون کے اسباب کا تفاوت معرض بیان مین لائینگے اور بتائینگے کہ امور ارضی و سماوی پر سفر کے فیض بخش اور فیض رسان یا مضرت بخش و تکلیف دہ ہونے کا بہت کچھ انحصار اور دار و مدار ہے - بعض معنی کر کے مضار بھی ہین اور فوائد بے شمار بھی ہین -

تمام دنیا کا دارومدار سفر پر ہے - اگر سفر نہ ہوتا تو خلق خدا آج اس قدر سعادت سنج اور بہرہ اندوز نہ ہوتی جس قدر اب ہے - سفر بحری ہو خواہ بری ہر طرح اور ہر پہلو سے فائدہ رسان خلائق ہے - جب سے جہاز رانی شروع ہوئی سمندر کا سفر آسان ہو گیا یا یون کہین کہ جہاز رانی سے سمندر گویا قدرتی سڑک بن گئی - گھر سے زیادہ تفریح اور آرام ہے - سونا اچھالتے چلے جاؤ - ع نے غم دزد نے غم کالا - بری سفر مین بھی بڑی تکلیف ہوتی تھی مگر ڈاکٹر اوشانسی کی بدولت ریل کے سفر نے اختراع تار برق سے سفر بری کو ایسا آسان کر دیا کہ جس کا حق ہے ؎

شد زمین از ڈاکٹر اوشانسی چرخ برین ہمچو خط استوا بروے نمایان تار برق

اگر واسکو ڈگاما سیاح ملک پرتگال نے کیپ آف گڈ ہوپ یعنی راس امید کے راستے سے ہندوستان کی راہ نہ تلاش کی ہوتی تو ہندوستان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ ملتی - کلمبس نے اگر شہنشاہ بیگم ہسپانیہ کی فراست اور فیاضی سے سفر بحری مین جان پر کھیل کر اور زحمت اٹھا کر بعد خرابی بصرہ دنیائے عتیق سے جا کر دنیائے جدید دریافت نہ کرتا تو اہل امریکہ ایک جانب اور ہم ایشیا اور افریقہ اور یورپ والے

اپنے اپنے برّ اعظم مین اس طرح رہتے جیسے کرۂ ارض کے باشندے اور کرۂ قمر کی مخلوق۔ زمین اور آسمان کا فرق ہوتا۔

اگر لارڈ ڈفرن زحمت بلیغ اُٹھاکر آئسلینڈ نہ جاتے اور دشوارگذار اور صعب سفر بحری نہ کرتے تو اس جزیرۂ قدیم کے دلچسپ حالات ہم کو کیونکر معلوم ہوتے۔

جس زمانے مین پرانون کی عملداری نہ تھی اور اہل ہنود حسب ہدایت وید مقدس چلتے تھے اُس زمانے مین جو جو ترقیان اہل ہنود نے کین وہ اس وقت سے مبدل بہ تنزل ہوتی گئین جب سے پرانون کی ہدایت کے مطابق کارروائی ہونے لگی اور سمندر کا سفر ناجائز قرار دیا گیا۔ اور اہل ہنود اپنے آباو اجداد کی کمائی کو کھو بیٹھے ان پر بعینہٖ اُس مینڈک کی مثال صادق آتی ہے جو اپنے کنوین سے باہر نہین نکلی اور اُس کنوین کو ساری خدائی سمجھنے لگی۔

لونگ استون اور پادری کولنزو کو افریقہ کی سیاحت مین کس قدر دقتین صدہا پیش آئین دریاے نائجر اور رود نیل کے مخرج دریافت کرنا کیسا جان جوکھم کا کام تھا مگر انگریز ایسے امور مین جان پر کھیل جاتے ہین اور جان دے کر وہ خزانہ جواہر بیش بہا کا پاتے مین جو انمول ہے۔ دریاے نائجر پر یک بینی و دوگوش تن تنہا ہاتھ تا ایسی وحشی قوم سے مڈبھیڑ کرنا خالہ جی کا گھر نہین ہے۔

اب رہا اس کا نقیض جملۂ اہل عجم یعنی سفر بصورت سقر۔ اس کا آج کل قریب قریب بطلان ہوگیا۔ جب سے تہذیب اور شائستگی نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی تب سے سفر کی آسانی اس درجہ ہوگئی کہ اگر سو اسو برس کا آدمی بفرض محال زندہ ہو جاے اور شارع دراز شاخ سلسلہ ریل اور تار برق کو دیکھے اور اس کو معلوم ہو کہ کلکتے سے حیدرآباد تک تین دن تین رات مین انسان پہونچ جاتا ہے اور مہینون کا راستہ گھنٹون مین طے کرتا ہے تو سخت استعجاب ہو کہ کیا اس زمانے کے

انسانون کو خدا نے پر لگا دیئے۔ کجا ہندوستان کجا امریکہ۔ تار کے ذریعے سے باتین کر لیجئے۔ میان کشمیر مین بی بی لنڈن مین کوڑیون کے مول باہم باتین ہو رہی ہین نہ اجورہ دار کی ضرورت نہ قاصد کی۔ نہ کاغذ کی حاجت نہ قلم دوات کی ہڑا لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے۔

ہان اگلے زمانے مین البتہ سفر بصورت سقر تھا جب نو دن چلے اڑھائی کوس زمستان تابستان اور ایام برشکال تینون فصلون مین مصیبت کا سامنا ہوتا تھا ہندوستان سے جو لوگ حیدرآباد کو آتے تھے اُن کی مصیبت کا حال ناگفتہ بہ۔ اب اللہ کی عنایات اور انگریزون کی برکت اور اعلیحضرت قدر قدرت حضور لامع النور شاہ آصف جاہ دکن کے اقبال لازوال کی بدولت (اللہم زد فزد) ہندوستان سے قلمرو دکن تک سونا اچھالتے اگر کوئی آئے تو ہیچ آفت نہ رسد۔

بسبیل تذکرہ حسب بیان صحیح صاحب کمشنر ٹھگی و ڈکیتی یہ لکھنا بے موقع نہ ہوگا کہ کچھ عرصہ ہوا جب تک ٹھگی اور ڈکیتی کے انسداد کے لئے کوئی انتظام نہین ہوا تھا صورت معاملات دگرگون تھی۔ ایک تاجر اور ساہوکار ہند و مذہب دہلی یا شاید لکھنو سے روانہ حیدرآباد ہوا اثنائے راہ مین ڈاکوؤن نے پیچھا کیا۔ مگر اس خوبصورتی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہ کسی کو کانون کان خبر نہ ہو اور مطلب حاصل۔ ایک بیہڑ مقام چٹیل میدان لق و دق مین جہان

پتے کو پتا نہ تھا شجر کا عنقا تھا نام جانور کا

ایک سیٹھ جی کاٹھ کے پورے آنکھون کے اندھے ایک بہلی پر جس مین ناگوری بیل کی جوڑی جتی ہوئی تھی لدے ہوئے چلے آتے تھے۔ گھر کی عورتون نے پرانے فشن کے مطابق دروازے پر اُن کو ٹیکا لگایا اُن کے ہاتھ سے خیرات کرائی کہ ہنسی خوشی واپس آئین اور اپنی زبان مین دعا مانگی۔

غزل

شمع بجھ کر رہ گئی - پروانہ جل کر رہ گیا
یادگار حسن و عشق اک داغ دل پر رہ گیا

دل کا ارمان دل ہی مین اسی کوئے دلبر رہ گیا
نقش پا کی طرح ابھرا اور مٹ کر رہ گیا

درد دل کیون کر بیان کرتا زبان تو بند تھی
آپ کا بیمار - اک کروٹ بدل کر رہ گیا

مرتے مرتے بھی وہی ہم تھے وہی غم کی خلش
جو کھٹکتا تھا وہ کانٹا دل کے اندر رہ گیا

آکے بالین پر مریضِ غم کی صبح شام ہجر
دیکھتے کیا ہو فقط بستر ہی بستر رہ گیا

ہم تو دل ہی پر سمجھتے تھے بتون کا اختیار
نصب کعبہ مین بھی اب تک ایک پتھر رہ گیا

تھک کے گر پڑتا ہون جب بڑھتا ہے یہ شوق
دو قدم بس اور آگے کوئے دلبر رہ گیا

تو نلے کر دیدۂ یعقوب سے نکلا جو اشک
شب کو زندان پر ستارہ اک چمک کر رہ گیا

دیکھ کر موسیٰ کا شوق دید کوہِ طور پر
پردے ہی پردے مین کوئی مسکرا کر رہ گیا

اس تمنا پر کوئی چٹکی سے شاید کھینچ لے
دل مین ناوک آپ کا ارمان بن کر رہ گیا

قطرہ قطرہ اشک کا ہے خنجر ناسور دل
ہم کو اب رونا اسی کا زندگی بھر رہ گیا

اُف حرارت عشق کی تھی دل مین سوز شرر انکو
صبح تک اک آبلہ سب جسم ہو کر رہ گیا

آئیے کا شام وعدہ اب پریشان کر کے زلف
ہم خوشی سے مر گئے جب دن گھڑی بھر رہ گیا

چارہ سازون سے دم آخر ترا بیمار غم
دل کی جانب کچھ اشارے سے بتا کر رہ گیا

آکے دیکھے نزع مین کھنچتے جو میرے ہاتھ پاؤن
اُف رے شوخی ایک انگڑائی وہ لے کر رہ گیا

دیکھ لی دنیا چلو شہرِ خموشان کو عزیز
قابل دید اک یہی دلچسپ منظر رہ گیا

لکھنؤ
مرزا محمد ہادی عزیز

عربی شاعری اور مثنوی

مولانا شبلی ہماری قوم کے اُن مسلم الثبوت اور متبحر علما مین سے ہین جن کی تصنیفات سے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچا اور اُس کی ادبی۔ تاریخی اور علمی معلومات مین بے حد اضافہ ہوا ہے عربی زبان کے ایک متبحر اور مستند عالم کی حیثیت سے، مولانا جو کچھ عربی شاعری کے متعلق لکھین گے وہ عموماً ہر شخص کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔ ایسی حالت مین مولانا کی زبان قلم سے کوئی ایسا خیال ظاہر ہو جو ہمین ماہرین زبان عربی کی رائے اور واقعات کے خلاف معلوم ہوتا ہو تو ہمارا فریضہ ہی کہ ہم بصد ادب مولانا کی توجہ اُس کی طرف مبذول کرائین۔

الندوہ کی جلد ۵ نمبر ۳ مین مولانا کا ایک مضمون درج ہے جس مین عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون مین مولانا نے فارسی شاعری کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوے تحریر فرمایا ہے کہ عربی شاعری مین فلسفہ و تصوف بہت کم ہے اور مثنوی کی صنف بالکل مفقود ہے۔ ہمین اس موقعہ پر عربی شاعری کے فلسفہ و تصوف سے کوئی بحث نہین۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ مولانا کے خیال کے مطابق آیا فی الواقع عربی مین مثنوی مفقود ہے یا موجود!

قبل اس کے کہ عربی مثنوی کی نسبت کچھ لکھا جائے اس بحث کو طے کر لینا ضروری ہے کہ عربی شاعری سے کس زمانہ کی شاعری مراد لی جائے۔ مولانا اپنے مضمون مین تحریر فرماتے ہین۔

"عربی شاعری سے مراد اسلام کے ماقبل کی شاعری ہے یا زیادہ سے زیادہ بنوامیہ

کے عہد تک۔ اس کے بعد کی شاعری
عربی نہین بلکہ عجمی ہے۔ صرف زبان کا فرق
ہے جس طرح حکومت کہ برائے نام عباسیہ
کی تھی اصلی حکمران فارس اور ترک تھے"!

اس کے متعلق ہمارا کہنا یہ ہے کہ جس طرح عربی شاعری کے دور کو مولانا نے محدود کر دیا ہے اسی طرح فارسی شاعری کے دور کو بھی محدود کر دینا چاہیے۔ اُسی وقت اُن دونون کا موازنہ درست ہوگا۔ جس طرح عربی شاعری کے ابتدائی دور کو مولانا نے لیا ہے اسی طرح فارسی شاعری کے ابتدائی دور کو لینا چاہیے۔ اسی صورت مین موازنہ میزانِ انصاف مین ٹھیک اُترے گا۔ یہ تو کسی طرح قرین صواب نہین کہ فارسی شاعری کے تمام ادوار کو لے لیا جائے اور بیچاری عربی شاعری کے ایک دور کو کہ وہ بھی ابتدائی ہو جب کہ عربی شاعری علوم و فنون اور فلسفہ و حکمت کی ابجد سے روشناس بھی نہین ہوئی تھی۔ انتخاب کیا جائے اور دونون کو موازنہ کے ترازو مین رکھ کر تولا جائے۔ ہماری رائے مین موازنہ کا صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ دونون شاعریون کے طبقات و ادوار کی تفریق کی جائے اور پھر اُن دونون کا مقابلہ کیا جائے جب بنو امیہ کے عہد تک عربون مین فلسفہ و تصوف کا رواج ہی نہین ہوا تھا تو اُس زمانہ کی عربی شاعری مین فلسفہ و تصوف کی تلاش لاحاصل ہے۔ وہ زمانہ تو عربی شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا۔ عربون نے اُس وقت تک علوم و فنون مین ایسی ترقی ہی کہان کی تھی کہ فلسفہ کے دقیق مسائل اور تصوف کے باریک نکات اشعار مین نظم کیے جاسکتے۔ یہ تو قاعدہ کی بات ہے کہ جون جون تمدن ترقی کرتا جاتا ہے اور علوم و فنون مین وسعت و افزونی ہوتی جاتی ہے شاعری مین بھی تغیرات و تبدلات پیدا ہوتے رہتے ہین۔ غیر ترقی یافتہ

زمانہ کی شاعری مین اگر کوئی چاہے کہ ترقی یافتہ زمانہ کی شاعری کی جھلک ہو تو یہ کیسے ممکن ہوگا۔ اردو لٹریچر مین آج کل جو ترقی ہو رہی ہے۔ اُس کا زمانہ سابق مین نام ونشان تک نہ تھا۔ توکیا اس سے کوئی یہ حکم لگا سکتا ہے کہ اردو زبان مین ترقی ہوئی ہی نہین ؟ اور کیا مطلقاً اردو پر یہ حرف رکھا جا سکتا ہے کہ اُس مین کسی قسم کی جدت وترقی کا سُراغ نہین ملتا ؟

مولانا فرماتے ہین کہ بنو عباس کے عہد کی شاعری عربی نہین بلکہ عجمی تھی۔ عجمی کیون تھی ؟ کن اصول کی بنا پر اُس وقت کی شاعری کو عجمی کہا جاتا ہے ؟ مولانا کی تحریر اس کے جواب سے بالکل ساکت ہے۔ کیا خیالات کے بدل جانے سے اُس زمانہ کی شاعری عجمی ہوگئی ؟ اگر ایسا ہے تو آج کل کی اردو شاعری کو جس مین نیچرل جذبات اور قومی خیالات آرہے ہین اردو شاعری نہین کہنا چاہیے۔ ہم الزامی جواب کے طور پر فارسی شاعری کے متعلق بھی کہہ سکتے ہین کہ شعرائے فارس اکثر عربی زبان کے عالم ہوتے تھے اور محض عربی تعلیم کی بدولت اُن کے دماغ منور بنتے تھے۔ خصوصاً اخلاق اور موعظت وحکمت کی نسبت اُن کی جو کچھ معلومات تھی وہ عربی کی خوشہ چینی سے حاصل ہوئی تھی۔ اس بنا پر اگر فارسی مین کوئی عمدہ نظم ہو تو وہ فارسی نہین کہی جانی چاہیے اور نہ فارسی شاعری کی فتوحات مین شمار ہونی چاہیے کیونکہ اُس کے قائل کا ماخذ عربی ہے صرف زبان کا فرق ہے۔ مگر نہین۔ ایسا کہنا خلاف انصاف ہوگا۔ ہم کو دیکھنا یہ چاہیے جو کچھ کسی زبان مین کہا گیا ہے اُس کو اہل زبان نے مانا ہے یا نہین۔ اگر مانا ہے تو بے شک اُس زبان کے لٹریچر مین داخل ہوگا۔ پس فارسی اور عربی مین جو نظمین اور اشعار کہے گئے ہین اور جو جو خیالات ادا کیے گئے ہین اگر اہل لسان اور ائمۂ ادب نے اُنہین تسلیم کیا ہے تو بغیر اس لحاظ کے وہ کس زمانہ مین اور کس مقام پر کہے گئے ہین فارسی

اور عربی لٹریچر مین محسوب ہون گے۔

ہمارا خیال ہے کہ عربی شاعری کی ترقی اسلام کے بعد شروع ہوئی۔ جیسے جیسے خیالات مین اصلاح اور تمدن مین ترقی ہونے لگی اور علوم وفنون سے عربون کے دماغ روشن بنتے گئے۔ زبان مین لطافت وحسن، مضامین مین وسعت و جدت اور خیالات مین گوناگون شائستگی پیدا ہوتی گئی۔ حتی کہ بنو عباس کے آخری عہد تک وہ درجۂ کمال پر پہونچ گئی۔ جب عربون کی سلطنت مین ضعف پیدا ہوگیا اور ملک غیرون کے پنجہ مین چلا گیا تو قدردانی اُٹھ گئی، اور شاعری بھی تنزل کر گئی۔

یہ صرف ہمارا ہی خیال نہین ہے بلکہ ابومنصور ثعالبی بھی یتیمۃ الدہر مین یہی خیال ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہم عصر شعرا کو جو کل کے کل خلفائے عباسیہ کے عہد مین گزرے ہین۔ زمانہ جاہلیت کے سخنورون اور تمام شعرائے متقدمین پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کے خاص الفاظ یہ ہین۔

كانت اشعار الاسلاميين ارق من اشعار الجاهليين واشعار المحدثين ثم كانت اشعار العصريين اجمع لنوادر المحاسن وانظم للطائف البدائع من اشعار سائر المذكورين لانتهائها الى ابعد غايات الحسن وبلوغها اقصى نهايات الجودة والظرف تكاد تخرج من باب الاعجاز ومن حد الشعر الى السحر فكان ادخرنا من نتائج خواطرهم وثمرات قرائحهم وابكار افكارهم ثم

اسلامی شعرا کے اشعار، شعرائے جاہلیت اور محدثین کے اشعار سے زیادہ لطیف تھے۔ لیکن اہل عصر کے اشعار اُن تمام سے بڑھ کر محاسن ونوادر اور لطائف وبدایع پر مشتمل ہین۔ اور حسن وخوبی کی انتہائی حد اور جودت وظرافت کی آخری منزل پر پہنچے ہوے ہین۔ اور شعر شاعری کی سرحد سے گزر کر سحر و اعجاز کا رتبہ حاصل کر چکے ہین۔ اُنہون نے اپنی طبع وقاد اور ابکار افکار سے ہمارے لیئے

چون کہ یہ بنسبت عربی کے محدود ہے اور اس مین مسلسل واقعات اور خیالات کو نظم کرنا دشوار ہے اس لیئے فارسی شاعرون نے مثنوی کی صنف اختیار کی جس سے اُن کو اتنی آزادی مل گئی کہ ہر ایک شعر جدا جدا قافیہ مین کہہ سکتے ہین۔ برخلاف اس کے عربی زبان ایک بحر ناپید اکنار ہے اس مین الفاظ کی بہتات اور معانی کی افراط اس قدر ہے کہ واقعات اور خیالات کے ادا کرنے مین صنف مثنوی کی ضرورت نہ تھی۔ عربی شاعر ہم قافیہ اشعار مین مسلسل واقعات کو اُسی آسانی کے ساتھ نظم کر سکتے ہین جس طرح فارسی شاعر مثنوی کے مختلف القافیہ اشعار مین تاہم فنون کے مسائل کو منضبط کر لینے کی غرض سے بغرض سہولت عموماً شعراے عرب نے مثنوی کی صنف اختیار کی ہے جس کو وہ ارجوزہ اور مزدوجہ کے نام سے موسوم کرتے ہین۔ چنانچہ اس صنف مین یہ تصنیفات بہت مشہور ہین۔ الفیہ ابن مالک۔ ارجوزہ فی تعبیر الرویا۔ ارجوزہ فی الجبر والمقابلہ۔ ارجوزہ فی حساب العقود ارجوزہ فی الخط۔ ارجوزہ فی الطب للشیخ الرئیس وغیرہ وغیرہ۔ مگر اِن تصانیف پر شعر سے بڑھ کر نظم کا اطلاق زیادہ صحیح ہے۔ کیون کہ ہم شاعری کو چیزے دیگر جانتے ہین جس مین وزن اور قافیہ کے علاوہ ایک اور شی کی بھی ضرورت ہے ہان شاعری کے لحاظ سے الصادح والباغم اور نتائج الفطنہ فی نظم کلیلہ و دمنہ دو ایسی کتابین ہماری نظر سے گزری ہین جو عربی زبان کی مثنویون مین نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہین یہ ابن ہبارہ ہاشمی متوفی ۵۰۹ھ کی تصنیفات ہین مثنوی کے پیرایہ مین اُس نے کلیلہ و دمنہ کی حکایات اور مختلف مواعظ و حکم اور قصص و امثال کو سلک اشعار مین نظم کیا ہے۔ فصاحت و بلاغت اور روانی و سلاست کے اعتبار سے یہ مثنوی نہایت مشہور ہے اور ۱۸۸۶ء مین بمقام بیروت چھپ کر شایع ہو چکی ہے۔ ابن ہبارہ کے علاوہ قاضی اسعد ابو المکارم اسعد بن الخطیر نے

بھی کلیلہ و دمنہ کو نظم کیا ہے اور سیرت سلطان صلاح الدین کو منظوم لکھا ہے (دیکھو ابن خلکان صفحہ ۴۸ جلد اول) مگر یہ دونون کتابین ہماری نظر سے نہین گزرین ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ابن ہبارہ کی مثنوی کا تھوڑا سا اقتباس درج کرین۔ قصہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بڈھا جس کا وطن ہندوستان ہے اور ایک نوجوان جو فارس کا رہنے والا ہے آپنے اپنے وطن کے فضائل بیان کرتے ہین یہان تک کہ نوبت تکرار و بحث تک پہونچ جاتی ہے۔

فکان قول الشیخ قومی الهند	بڈھا کہتا ہے کہ میری قوم مین بڑے بڑے
الحکماء العلماء اللد	زبردست علما اور حکما ہین۔
لهم علوم وحلوم وفطن	وہ علم، فضل اور زیرکی مین سب کے
وحکمة بالغة اذ تمتحن	پاس مسلم ہین۔ انھون نے شطرنج ایجاد
لولم یکن من فضلهم اذ یختبر	کرکے لوگون پر ایسا علم ظاہر کیا جو سیدھا
فضل الرجال منصف ولیعتبر	رستہ دکھاتا ہے۔
الا الذی ابدوا فی الشطرنج	لیکن لوگون نے جد وحقیقت کو ہزل اور
للناس من علم سهل النهج	دل لگی سمجھ لیا ہے حالانکہ اس سے ضعیف
جد عظیم لقبوہ هزلا	رائے استوار ہوتی ہے۔
یعید الرای الافین جزلا	اس مین اشارۃً وعظ ونصیحت کی گئی
فیه اشارات الی مواعظ	ہے جو ماننے اور سننے والے کے لئے
نافعة لکل واع حافظ	سودمند ہے۔
قد رسموا للهدی مثالا	انھون نے ہدایت کو مثال سے ثابت کیا
ان الحکیم یضرب الامثالا	ہے اور حکیم مثالون سے ہدایت کیا کرتے ہین
یعنون العیش فی التدبیر	اُن کی اس سے یہ مراد ہے کہ انسان کی

الالفاظ والمعانی استیفاءً لاقسام البراعت واوفرھا نصیباً من کمال الصنعتہ ورونق الطلاوتہ۔

الفاظ ومعانی کا ایسا کامل ذخیرہ مہیا کردیا ہے جو بلاغت وصنعت ورونق وطلاوت پر پوری طرح حاوی ہے۔

افسوس ہے کہ مولانا شبلی نے موازنہ کرتے وقت شعراے عرب کے اس اعلیٰ طبقہ سے قطع نظر کرلی اور ایسے زمانہ کی شاعری کو نصب العین رکھا جو ابھی بالکل حالت طفولیت مین تھی اور کسی طرح صف موازنہ مین لانے کے قابل نہ تھی۔

ہر ایک زبان کی خصوصیات ہوا کرتی ہین اور اُن سے شاعری مین بھی خصوصیات پیدا ہوتی ہین۔ لیکن مولانا نے فارسی کی جو خصوصیات گنائی ہین ان مین ہم کو کلام ہے۔ منجملہ ان کے ایک خصوصیت آپ یہ بیان کرتے ہین کہ " فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مثنوی ہے جس مین سیکڑون واقعات اور ہزارون خیالات مسلسل بیان کیے جاتے ہین عربی اس سے محروم ہے " کوئی شبہ نہین کہ فارسی شاعری نے مثنوی کو بے حد رواج دیا اور فارسی زبان مین اس کثرت سے مثنویان ہین کہ شاید برسات مین مینڈک بھی اتنے نہین ہوتے۔ مگر یہ کسی طرح درست نہین کہ عربی شاعری مثنوی سے محروم ہے۔ مولانا کے کلام کے اس جزو کو تو ہم مانتے ہین کہ فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مثنوی ہے لیکن اس کو کسی طرح تسلیم نہین کرسکتے کہ عربی شاعری اس صنف سے محروم ہے اور عربی زبان مین اس کا وجود معدوم ہے۔

ہر زبان کی شاعری خیالات اور واقعات کے ادا کرنے مین خاص خاص اسلوب رکھتی ہے۔ شاعری جو تخیل کو الفاظ کے ذریعہ سے خاص خاص اوزان مین ظاہر کرنے کا نام ہے۔ اُس کے جوہر حسن وقبح کو پرکھنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ تخیل کو واقعات وخیالات کی تصویر کھینچنے مین کہان تک

کامیابی نصیب ہوئی ہے - ایک زبان کی شاعری کا دوسری زبان کی شاعری سے مقابلہ کرنے مین یہی امر قابل لحاظ ہے کہ کسی خاص خیال یا واقعہ کی تصویرکشی مین دونون کی قوت تخییل نے کس قدر کامیابی حاصل کی - اس بات کو بھول کر بھی نہین دیکھنا چاہیئے کہ ہر ایک کی بول چال - الفاظ - طرز عبارت - اسلوب بیان کیسا ہے - کیونکہ ہر زبان کا روزمرہ اور محاورے جداگانہ ہوا کرتے ہین - ایک ہی بات کو اردو مین ایک طور سے ادا کیا جاتا ہے اور انگریزی اور عربی مین دوسری طور سے - بہرطور جب ہر ایک سے فائدہ اور نتیجہ یکسان مرتب ہوتا ہے تو ہم محض طرز ادا کے مختلف ہوجانے سے ایک کو دوسری پر ترجیح نہین دے سکتے - ہان اگر کسی بات کو اردو نے دوسری زبانون کی بہ نسبت زیادہ مؤثر اور مفید پیرایہ مین ظاہر کیا ہے تو بلاشبہ اس کو اور زبانون پر تقدم حاصل ہوگا - اس بیان سے یہ مقصود ہے کہ مثنوی کو عربی شاعری مین جو رواج عام نہین ہوا اس سے نفس شاعری پر کسی طرح کا الزام نہین آسکتا یہ تو زبان اور طرز بیان کی خصوصیات ہین - اس سے شعر شاعری پر کیا اثر پڑ سکتا ہے - مثنوی کی صنف کو فارسی والون نے اپنی زبان کے مناسب و موزون سمجھا اس لیئے اس کو رواج دیا اور عربون نے اس کو اپنی بول چال مین مستحسن اور پسندیدہ نہ جانا - اس لئے عام نہ کیا -

عربی زبان مین مثنوی مفقود نہین ہے لیکن فارسی کی طرح اس مین مثنویون کی بھرمار بھی نہین ہے - اس کی جو کچھ وجہ ہماری سمجھ مین آتی ہے یہی کہ مثنوی کی طرز عربی زبان مین کچھ پھبتی نہین - اگرچہ عربی مین کم و بیش مثنویان لکھی گئی ہین مگر اس نعیق مین عربی شعر نکھرتے دکھائی نہین دیتے عربی کی ردیف وار نظمون مین جو لطف و خوبی ہوتی ہے وہ اس مین نظر نہین آتی - علاوہ اس کے فارسی زبان

وقال انی تبت من عداوتی
للوحش حتی انکسرت ضراوتی
حلفت لا اکل جهد حلف
الا الذی یموت حتف الانف
قبحت الطبیعة القسارة
والفتك بالنفوس والغرارة

کہا کہ میں جانداروں کی عداوت سے توبہ کر چکا
ہوں اور خونخوارگی اور درندگی کو چھوڑ چکا ہوں
میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی جاندار کو نہیں
کھاؤں گا مگر اُسی صورت میں کہ وہ مر جائے
سنگدلی اور درندگی بھی کیا بُری بات ہے

ان لم یکن جنسهم کجنسی
فانما نفوسهم کنفسی
وان انسادی کون حسرة
لشهوة تعرض او ضرورة
ظلم وجهل لیس فیه شك
ولست من اثم به انفك
حتی متی تبکی العیون منك
کم مقلة من سوء فعلی تبکی

اگر وہ میرے ہم جنس نہیں ہیں تو کیا وہ میری
طرح جان بھی نہیں رکھتے ہیں۔
میں شہوت نفس اور اپنی ضرورت کی وجہ سے
خدا کی مخلوق کی جان لیتا تھا۔
بے شک یہ سراسر ظلم اور جہالت ہے
جس کے گناہ سے میں کسی طرح نہیں چھوٹ سکتا
کب تک مخلوق میری درندگی سے روتی رہے گی۔
بہت سی آنکھیں ہیں جو میرے افعال ناسزا سے
اشکبار ہیں۔

وکبد احرقتها بالثکل
وولد ایتمته بالاصعل
وقد علمت واللبیب یعلم
بالطبع لا یرحم من لا یرحم
تبت من قساوتی وهیوتی

بہتیری مائیں ہیں جن کے جگر گوشوں کو چھین کر
میں نے انہیں دلفگار کیا اور بہتیرے بچے ہیں
جن کے ماں باپ کو زہر ہلاک کر کے میں نے انہیں یتیم بنایا۔
اب مجھ کو سمجھ آگئی ہے کہ جو کسی پر رحم نہ کرے
تو کوئی اُس پر رحم نہیں کرتا۔
میں نے اپنی سنگدلی اور جہالت سے توبہ کر لی ہے اور

وقلت اهو جرتي بستوبتي

ومر من ساعته لجاءها

بعلف حشت به احشاءها

ولم يزل تدعو له وتشكره

مقرة بالذنب من نسكه ما ينكره

لم تدر كيف قصد ان يكيدها

اضحى يقوتها لكي يقودها

حتى اذا ما رجعت كالثعلب

راجعت من شحمها كالثوتب

فانقضها بوثبة شديدة

مخلفا انيابه الحديدة

عہد کیا ہے اپنی توبہ سے اپنے گناہون کو مٹانے کی کوشش کرون گا۔

یہ کہہ کر اُسی وقت گیا اور کچھ دانہ چارا اٹھا لایا اور ہرنی کو کھلایا۔

جب سے کہ وہ بھیڑیے کی زہد کی قصہ کو صحیح سمجھی ہمیشہ اُس کی دعا گو اور شکر گزار رہی۔

یہ نہ جانتی تھی کہ کس طرح بھیڑیا اس پر اپنی مکر کا جال پھیلا رہا ہے اور اپنا لقمہ بنانے کے لئے اس کو کھلا پلا رہا ہے۔

جب وہ کھا کھا کر خوب موٹی تازی ہوئی اور اُس کے جسم پر خوب ہی چربی آگئی۔

تو ایک دن اچانک بھیڑیے نے اُس کو آدبوچا اور اپنے تیز دانتون کا شکار بنا لیا۔

مولانا شبلی نے اپنے اسی مضمون مین نہین بلکہ موازنۂ انیس و دبیر مین بھی تحریر فرمایا ہے کہ عربی مین سرے سے مثنوی مفقود ہے۔ لیکن مذکور الصدر مثال سے ناظرین کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ عربی زبان اس صنف سے محروم نہین ہے۔ ہم اپنے دعوے کے ثبوت مین اور چند مثالین درج کرتے ہین جو اکثر ایسی مثنویات سے لی گئی ہین جن کو ہم نے خود دیکھا ہے اور جن مین مثنوی کے لوازم و شرائط پائے جاتے ہین۔

مثال ۲۰۔ دربار سیف الدولہ کے مشہور شاعر ابو الفراس حمدانی نے اپنی سیر و شکار کے سوانح مین ایک مزدوجہ (مثنوی) لکھی ہے جس کے ابتدائی شعر یہ ہین۔

وليس بالقسمة والتقدير
والمرء للافعال مستطيع
يحكم يحفظ او يضيع
وذلك العدل بلا خلاف
لو رمق الرجال بالانصاف

روزی تدبیر پر منحصر ہے نہ قسمت و تقدیر پر۔ اور یہ کہ انسان اپنے افعال پر قادر اور مختار بنا یا گیا ہے چاہے خود کو بچائے یا تباہ کر دے اور یہ بلاشک عدل ہے اگر لوگ نظر انصاف سے دیکھیں۔

اس کے جواب مین نوجوان جو فارسی نژاد ہے اپنے ملک کی تعریف کرتا ہے اور وہان کے لوگون کی عقل و تدبیر کو سراہتا ہے کہ روزگار اور دنیا کے تمام کاروبار کا محض تقدیر پر دارومدار ہے اور ہمارے حکما نے جو "نرد" کے کھیل کو وضع کیا ہے اُس سے اسی طرف اشارہ ہے۔ ہندی بڈھا اس کے قول کی تردید کرتا ہے اور قصص و امثال سے اپنے دعوے پر دلیل لاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی حکایت نمونتہً ذیل مین درج کی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ عربی زبان کس صفائی اور سلاست و روانی سے گفتگو اور روزمرہ واقعات کو نظم کرسکتی ہے۔

بھیڑئے اور ہرنی کی کہانی

قال سمعت ان ذئبا ابصرا
غزالة ترضع خشفا احورا
لكنها نحيفة هزيلة
وساقها مكسورة عليلة
قد مسها الضر فعادت نضوا
يحسبها الراؤون منها شلوا

ایک بھیڑئے نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچہ کو دودھ پلا رہی ہے۔ لیکن وہ مریض اور دبلی پتلی تھی اور اُس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ فاقہ اور بھوک کی وجہ سے وہ اس قدر سوکھ گئی تھی کہ دیکھنے والونکو کانٹا معلوم ہوتی تھی۔

فقال ان اكلتها لم اشبع
وليس لحم مثلها بمقنع

بھیڑیئے نے اپنے دل مین کہا کہ اگر اس کو مین اب کچھ کھا جاؤن تو اسمین اتنا گوشت نہین ہے کہ میرا پیٹ بھرے اور میری طبیعت سیر ہو۔

والرأى ان اعلفها اياما
فانها لا تجد الطعاما
لعلها تسمن ثم اعمد
يومئذٍ لها وذاك ارشد

بہتر یہ ہے کہ مین اس کو چند دن تک دانہ چارا کھلاتا رہون کیونکہ اس کو کھانے کو کچھ نہین ملتا ہے جب وہ موٹی تازی ہوگی تو اُس وقت اسکو کھانے کا ارادہ کرون اور یہ بات قرین صواب ہوگی

یہ سوچ کر اُس کے پاس آیا اور سلام کیا

فجاءها مسلماً الا لا
والذئب لا يصادق الغزالا
الا لكيد كامن ومكر
جدع قصير انفه لامر

لیکن یہ جان رکھو کہ بھیڑیا ہرنی سے کبھی سچی دوستی نہین کرے گا۔

اس کی دوستی کسی نہ کسی مخفی کید و مکر کی وجہ سے ہوگی اور اُس کی مظلومیت کسی نہ کسی غرض پر مبنی ہوگی۔

يا اخت ما حالك قالت شر
وغرها والشهم لا يغتر

بہن اے تمہارا کیا حال ہے؟ ہرنی نے جواب دیا کہ کیا کہون بری طرح گزر رہی ہے۔ بیوقوف اُس کی باتون مین آگئی۔ اگر عقلمند ہوتی تو یون دھوکا نہ کھاتی۔

واظهر اللطف لها والرفقا
فقد رأى انها للشقاء حقا
وشكت الجوع اليه فبكى
واظهر الخشوع والتنسكا

بھیڑیا اُس سے رفق و مدارات کرنے لگا کیونکہ وہ اُس کو اپنے ڈھب کی دیکھ پایا تھا۔
ہرنی نے اُس سے بھوک کی شکایت کی تو رو دیا اور اپنے زہد و ورع کا اظہار کرنے لگا۔

ما العمر ما طالت به الدهور | العمر ما تم به السرور
ایام عزی و نفاذ امری | هی التی احسبها من عمری
لو شئت مما قد قللن جدا | عددت ایام السرور عدا

اس مین وہ اپنے شکار کی مفصل کیفیت بیان کرتا ہے۔ اور ہر ایک واقعہ کو جزئیات کو کمال لطافت و خوبی سے نظم کرتا ہے۔ اس کا کچھ انتخاب ثعالبی نے یتیمۃ الدہر مین کیا ہے۔ جس کو زیادہ تفصیل مدنظر ہو وہان دیکھ سکتا ہے۔

مثال ۳۔ محمد بن الحسن بن علی بن وکیع التنیسی نے فصول اربعہ کی کیفیات مین ایک مثنوی تصنیف کی ہے، جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

یا سائلی عن اطیب الدهور | وقعت فی ذاک علی خبیر

بہاء الدین عاملی نے عربی مین کئی مثنویان لکھی ہین اُن مین سے ہر ایک کے ایک ایک دو دو شعر نقل کئے جاتے ہین سوانح سفر حجاز مین وہ کہتے ہین۔

مثال ۴۔ یا ندیمی ضاع عمری وانقضی | قم لادراک زمان قد مضی
واغسل الادناس عنی بالمدام | واملاء الاقداح منها یا غلام

مثال ۵۔ ریاض الارواح مین علوم ظاہری کے نقایص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہین۔

علی کتب العلوم صرفت مالک | وفی تصحیحها اتعبت بالک
وانفقت البیاض مع السواد | علی ما لیس ینفع فی المعاد

مثال ۶۔ شہر ہرات کے اوصاف و محاسن مین ایک چھوٹی سی مثنوی کہی ہے جس کے دو ایک شعر یہ ہین۔

ان الهراة بلدة لطیفه | بدیعة شایقة شریفه
انیقة انیسة بدیعه | رشیقة آنسة منیعه
خندقها متصل بالماء | وسورها سام الی السماء

خدیو مصر نے جب یورپ کی سیاحت کی تھی تو ان کے سفرنامہ کو مصر کے ایک مشہور شاعر نے مثنوی کی طرز پر نظم کیا ہے۔ حال مین روس و جاپان کے درمیان جو جنگ ہوئی۔ اس پر مصر کے ایک اور شاعر نے نہایت عمدہ اور لطیف مثنوی کہی ہی ان کتابون کے اقتباس سے ہم مضمون کو طویل کرنا نہین چاہتے۔ اوپر جتنی مثالین پیش کی گئی ہین اُنھین کو عربی مثنوی کا وجود ثابت کرنے کے لیئے کافی سمجھتے ہین۔

مولانا شبلی کی وسعت نظر سے ہمین یہ گمان ہرگز نہین ہوسکتا کہ مثنوی کی جو مثالین ہم نے اوپر درج کی ہین وہ اُن کی نظر سے نہ گذری ہون گی۔ اس لیئے مولانا کے اس قول کی تاویل کہ عربی مین مثنوی کا وجود مفقود ہے صرف یہی ہوسکتی ہے کہ عام طور پر مثنوی کا رواج عربی شاعری مین نہین ہوا اور اس بارہ مین ہم بھی مولانائے ممدوح سے اتفاق کلی رکھتے ہین۔ فقط

محمد عبدالباسط — حیدرآباد دکن

غزل علامہ شبلی نعمانی

آن شوخ بسکہ پایہ حسنش بلند بود — ہر شیوہ اش بلائے دل دردمند بود

در شوق پاس گرمی نازش بجا نماند — با آنکہ کار ما ہمہ خود پسند بود

سنجیدہ ایم فتنہ محشر بقامتش — یک نیزہ قد فتنہ طرازش بلند بود

ہرگز حدیث شوق بپایان نیامدہ است — یارب کدام جا سر این رشتہ بند بود

می بینم این کہ قیمت دل تا کجا کشد — پرسد ز من کہ نرخ متاع تو چند بود

تو یک نگاہ ناز زیان کردی و مرا — سرمایہ کہ بود دل مستمند بود

شبلی ز ہجر اوست کہ ذوق سخن نماند
شکر خدا ہمہ زمان نوشخند بود

راسخ سرہندی کی چند غزلین

جنوری ۱۹۱۰ء کے دکن ریویو مین یمین السلطنت سرکشن پرشاد کے۔سی۔آئی
ای کا دیباچہ جو انھون نے مثنوی راسخ پر تحریر فرمایا ہے میری نظر سے گزرا جناب
یمین السلطنت نے جو اشعار راسخ کے نقل کیے ہین وہ غالباً تذکرہ شمع انجمن سے
لیے گئے ہین۔شیر خان نے مراۃ الخیال مین راسخ کی کئی مکمل غزلین اور کچھ
اشعار درج کیے ہین ان کو ناظرین دکن ریویو کے مطالعہ کے لیے پیش کرتا ہون۔

(۱)

به آه نا تو اسلے باز آئینِ وفا بستی | ز بوے پیرہن مکتوب بر بال صبا بستی
بلاگردانِ نازآورده ام مشت نیازے را | شبیخون در گلستان طرح کردی تا حنا بستی
دل کاکل پریشانت بجمعیت نمی‌سازد | چرا اے شوخ دست شانه بر جوبِ خطا بستی
دلِ وحدت شناس از ناخنِ بیداد نخراشد | ز خود لبریز کردی ساغر و در راهِ صدا بستی

فدا شور آسخ شوریده سر در راهِ پیغمبر
نبیؐ گویان ز خود برخیز اگر دل با خدا بستی

(۲)

زہے نگاه تو آئینه دار شوخیِ ناز | خیال لعل لبت آتش خمار گداز
بهار شعلهٔ دیدار جوش شد از گستم | شگفته غنچهٔ برق از شکست رنگ نیاز
بلند و پستِ جهان موجهٔ محیط فناست | صدای سیل شنو از لب نشیب و فراز
فروغ باده زند دستِ رد بظلمتِ ہوش | ز جام رنجه برافروختم بخلوت راز
بروز حشر ز یک جیب سر برون آرد | چراغ ہستیِ محمود و [illegible]

زدست رفت دل و صبر و طاقت آسنح
ز مطلعی که بفرمود حافظ رح شیراز

(۳)

اثر بنالهٔ عاشق ز اضطراب خود است — چو برق جوهر مغزم ز پیچ و تاب خود است
سرم خوش است ز جام شراب تشنه لبی — جبین بادیه را صندل از شراب خود است
گداز از مئے بیطاقتی بحالم کرد — چو ابر گردش این آسیا بآب خود است
بفیض عشق ز تر دامنی نیندیشم — که آب آئینه ها خشک ز آفتاب خود است
برنگ شعلهٔ جواله ایم گرم فنا — طلسم هستی ما پاے در رکاب خود است

(۴)

هجوم گریه طوفان می کند ای بیخبر رحمے — شبیخون است در چشم غزال ای لی اثر رحمے [له]
کدامی فتنه شد افسانه خواب پای لطفت را — چو شبنم سوخت چشم انتظار ای نامه بر رحمے
درین گلشن که چون برگ خزان تفسیده دل گشتم — تمنا تشنهٔ لطف کریم است ای ثمر رحمے
ز بوی مرهم کافور داغم رنگ می بازد — چراغم نازپرور داست ای باد سحر رحمے

شریک سجدهٔ عشق است آسنح ای کرم لطفے
سر کنعانیان فرش است اے نور بصر رحمے

(۵)

گلے شگفت که من جام بادهٔ نازم — ولے تپید که من نیم بسمل نازم
مئے بجلوه در آمد که عافیت سوزم — شکست شیشه که قربان شوخی نازم
خروش ریخته بر دل که نغمهٔ شوقم — بسینه تاخته ناخن که زخمهٔ سازم
ز پا فتاد تمنا که ز آشیان دورم — تپید دست تاسف که بال پروازم

له یہاں "تبلے اثر" کی ترکیب کچھ نرالی سی نظر آتی ہے۔ وحشت

نہان ز غیر بنا گاہ جلوہ فرما شد — فتاد جام مے از کف کہ چشم غمازم
فتاد گرد خزان شعلۂ بہار افروخت — ز دامنے کہ برافشاند بال پروازم
رسید شور قیامت ز تربت فرہاد — چو سیل خوردہ بہر سنگ پائے آوازم
یکیست شعلۂ دیدار و گلشن آواز — بکار خانۂ لیلی است پردہ سازم

چہ غم چہ سیل حوادث کہ خانہ بردوشم
ز دام رستہ چو راسخ کہ گرم پروازم

(۶)

خیال[۵] وحشئی بردازدل من آرمید نہا — کہ داد آوازہ یار اسر مہ از گرد رمید نہا
صبا آئینۂ جوہر نما از تاب آہم شد — کہ دارد ریشہ ام از موج گل پای دویدنہا

کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ میر محمد زمان راسخ اپنے ہمعصر مرزا بیدل اور ناصر علی کے رنگ مین کہتے تھے۔ متانت بیان شکوہ الفاظ دقت مضامین چستی بندش۔ یہ کئی صفتین شعراے محمد شاہی مین خاص طور پر پائی جاتی ہین۔ اس مین شک نہین کہ اس رنگ کے بادشاہ میرزا بیدل تھے۔ لیکن راسخ کو کچھ کم کامیابی نہین ہوئی۔ یہ انداز بیان اسی دور اور اسی سرزمین کے ساتھ مخصوص ہے گو ایران مین میرزا جلال اسیر اور محمد اسحاق شوکت کا رنگ کسی قدر اس رنگ سے مشابہ نظر آتا ہے۔

کلکتہ

۴ فروری سنہ ۱۹۰۹ء

رضا علی وحشت

---

[۵] اس زمین مین مولانا غنیمت کا مطلع ہے۔ — نہ گرد قطع سر گرد منزل عشق از دویدنہا
کہ می بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا۔ وحشت

کلیات اکبر

ہمارے وہ ناظرین جو خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب کے کلام معجز نظام سے وقتاً فوقتاً بہرہ اندوز ہوتے رہے ہین یہ خبر سنکر نہایت خوش ہونگے کہ مولانائے ممدوح کا پورا کلام آپ کے فرزند ارجمند سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر سیتاپور کے خاص اہتمام سے چھپکر شایع ہونے کے قریب ہے۔ عام طور سے مولانا کا کلام بلحاظ اُس ستم ظریفی کے جو اس کا انداز خاص ہے خوان شاعری کا نمکدان سمجھا جاتا ہے لیکن ایک بڑا حصہ مولانا کے قدیم کلام کا ایسا بھی ہے جس مین تغزل کا استادانہ رنگ پایا جاتا ہے اور جس کی شیرینی اور گھلاوٹ ایسی ہے کہ مذاق سلیم اس کا لذت آشنا ہوکر اپنے ہونٹ چوستا ہے۔ جس کلیات کی اشاعت کی نوید ہم اپنے ناظرین کو سنا رہے ہین اُس مین قدامت و جدت ظرافت وثقاہت اور ملاحت وحلاوت کی گوناگون شانین پہلو بہ پہلو نظر آئینگی۔ بیحد افسوس ہے کہ مولانا نے اس کلیات کے صرف پانچ سو نسخے چھپوائے ہین جو اُس ہر دلعزیزی سے جو اُن کے کلام کو حاصل ہے کوئی نسبت نہین رکھتے۔ اگر ہمارے ناظرین چاہتے ہین کہ اس نعمت عظمیٰ سے جس کا ہدیہ صرف عہ رکھا گیا ہے محروم نہ رہین تو بلاتاخیر مولوی سید عشرت حسین صاحب کی خدمت مین یا دفتر دکن ریویو مین درخواست بھیجدین ورنہ دوسری ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا جو معلوم نہین کب نکلے۔

کتاب نسوان مستورات کے لئے دستور العمل اور ہر مذہب کی شریعت عورتون کے پڑھنے کے قابل۔ نہایت مفید کتاب جس کا ہر کنبہ مین ہونا ضروری ہے۔ حجم تقریباً ۴۰۰ صفحے۔ قیمت [illegible]

منیجر دکن ریویو

غزل

از نواب عزیز یار جنگ بہادر ناظم عطیات دوم تعلقہ ازضلع اطراف بلدہ

پرسش کے ساتھ حشر مین ویدار ہوگیا — داخل ثواب مین یہ گنہگار ہوگیا

بیٹھے بٹھائے عشق کا آزار ہوگیا — مین تجھ پہ آنکھ ڈال کے بیمار ہوگیا

وہ تو جھلک دکھا کے اُدھر کو سرک گئے — اک حشر اور بپا پس دیوار ہوگیا

جی بھر کے خواب مین بھی نہ دیکھا ترا جمال — ایسی خوشی ہوئی کہ مین بیدار ہوگیا

ابرو مین ان کی بل بھی عجب ڈہنگ سے پڑا — خنجر کبھی بنا کبھی تلوار ہوگیا

تیری دبی زبان سے نیچی نگاہ سے — بوسہ کا وعدہ اور مزیدار ہوگیا

آنکھون سے وہ دلون پہ گراتی مین بجلیان — تار نگاہ بھی خبر تار ہوگیا

تم جانتے نہین مری دل کی شرارتین — تم سے ہی سیکھ سیکھ کے عیار ہوگیا

دل بھی تو مجھ سے کرنے لگا بے وفائیان — لو یہ بھی آپ ہی کا طرف دار ہوگیا

رو کو چلا عزیز کا دل ہاتھ سے چلا

اک دوسرا حسین خریدار ہوگیا

خوشی کی بات ہے کہ رسالہ ادیب کا طوفان نمبر جس کا نہایت شوق سے انتظار کیا جارہا تھا بڑے آب و تاب کے ساتھ شایع ہوگیا ہے جس مین طغیانی رود موسیٰ کی جگر خراش واقعات اور اس کی متعلق دلگداز نظمین نہایت خوش اسلوبی و قابلیت کے ساتھ لکھی گئی ہین رقبہ سیلاب زدہ کا صحیح نقشہ جو خاص اہتمام سے تیار ہوا ہے شروع مین دیا گیا ہے اور تین عکسی تصاویر اس کی زینت کو دوبالا کر رہے ہین ہم مولوی سید خورشید علی صاحب کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین ۔ جو انھین اس خاص نمبر کی ترتیب دینے مین حاصل ہوئی ہے ۔ قیمت ۸ ؍ ۔ ملنے کا پتہ ۔ گوشہ محل عقب ڈاکٹر خانہ فوج ۔ حیدرآباد دکن ۔

گوشوارہ اخراجات سنٹرل فلڈ ریلیف فنڈ حیدرآباد دکن

من ابتداسے ۲۴ بہمن ۱۳۱۸ف لغایت ۱۱ فروردی ۱۳۱۹ف

ابواب	تعداد نفوس	رقم
امداد شادی	۸۷۳ نفوس	[illegible]
" تجار و اہل حرفہ و اثاث البیت	[illegible] خاندان	[illegible]
" کتب	۱۷۳ طلب	[illegible]
" تعمیر مکانات	[illegible] مکان	[illegible]
وظائف جنگامی	۲۲۰ خاندان	[illegible]
وظائف دوامی	۲۴ نفوس	[illegible]
وظائف تعلیمی	۱۲ طلبہ	[illegible]
امداد جو بذریعہ مسٹر محمد یحییٰ بیرسٹر ایٹ لا دی گئی حسب منظوری اگزیکیوٹو کمیٹی	×	[illegible]
جملہ	×	[illegible]
اخراجات طبع بذریعہ میجر ویک پریسیڈنٹ اگزیکیوٹو کمیٹی	×	[illegible]
اخراجات مادر و طبع کاغذات دفتر سکرٹری اگزیکیوٹو کمیٹی منظورہ کمیٹی	×	[illegible]
اخراجات دفتر سکرٹری سب کمیٹی فراہمی چندہ	×	[illegible]
اخراجات طبع روداد جلسہ باغ عامہ	×	[illegible]
میزان اخراجات متفرق	×	[illegible]
صدر میزان	×	[illegible]

دستخط محمد عزیز مرزا
سکریٹری سنٹرل فلڈ ریلیف فنڈ

عرق ماءاللحم انگوری دو آتشہ

مرگ مفاجات اور روحانی حالات

[illegible] تعالیٰ نے [illegible] اس عجائب گاہ عالم [illegible]
[illegible] اشرف المخلوق
[illegible] قائم [illegible] ہوئے [illegible]
[illegible] اپنے [illegible] بھی [illegible] آگر جھوٹے ہیں
[illegible] فرشتگان [illegible] کسی طرح کچھ کم
[illegible] البتہ [illegible] محض اہلی
[illegible] غافل [illegible] اپنی جہالت
[illegible] رحمت الٰہی تو اپنی عاجز [illegible]
[illegible] اپنے [illegible]
[illegible] رہتے ہیں۔ [illegible] خود نمونہ
[illegible] دیکھ کر بہت کچھ نصیحت و عبرت کے
[illegible] ہماری ہی غفلت ہے
[illegible] نقصان [illegible] توجہ نہیں کرتے [illegible]
[illegible] نہایت ہی [illegible] خمیازے
[illegible] افسوس [illegible] بہت سے
[illegible] ناگہانی وفاتوں [illegible] ہو گئے ہیں

[illegible] جداے نہ مرغ نامہ بر کے
کہ نزد یار رساند ز سوے ما خبرے

[illegible] اور جسم میں [illegible]
[illegible] کی وجہ سے [illegible] مرگ [illegible] اور
[illegible] ملک الموت ان کو [illegible]
[illegible] ایسی موت سے بچنے کے لئے یہ ایک
[illegible] ہم بتلاتے ہیں:

دوران خون

واضح ہو کہ دوران خون اگر ایک منٹ بھی بند ہو تو فوراً قلب کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اور اسی کا نام موت ہے۔ [illegible] جہاں تک ہو سکے
اور جس طرح ہو سکے دوران خون اور حرکت قلب کا
انتظام ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے اور وہ اس طرح سے
ہو [illegible] آپ ہمیشہ ایسی اشیاء کا باقاعدہ استعمال جاری
رکھیں جن سے بالخصوص دوران خون و حرکت قلب کا
انتظام ہر وقت درست طور پر جاری رہے۔ اس مدعا
کے واسطے خاص کر ہمارے شفاخانہ کا تیار کردہ

عرق ماءاللحم انگوری دو آتشہ حکم اکسیر

[illegible] رکھتا ہے کیونکہ ہر حالت اور ہر موسم پر
[illegible] اعضائے رئیسہ کے افعال کو باقاعدہ
[illegible] میں [illegible] کا کام رہتا ہے۔ تمام امراض کے جسم میں
[illegible] ہونے کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اول درجہ کا
[illegible] مصفی خون ہے۔ ہر قسم کے خون کے [illegible]
[illegible] نابود کر کے بجائے اس کے تازہ و صالح
[illegible] پیدا کر دیتا ہے اور زردی خون کو مطلق صاف
[illegible] بنا دیتا ہے۔ اسکے پینے سے آنکھوں میں نور اور
[illegible] سرور پیدا ہوتا ہے۔ شراب کا بدل [illegible]
[illegible] البدل ہے [illegible] جملہ عوارضات کو دفع

پاس تک پھٹکنے نہیں دیتا۔ اور [illegible] کی ایک [illegible]

دوران خون اور حرکت قلبی کو

ہمیشہ اور ہر وقت بالکل باقاعدہ رکھتا ہے۔ اور
[illegible] اگر خدانخواستہ کبھی [illegible] ناگہانی یا
مرگ مفاجات کا سامنا نہیں ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ
وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ عرق حلق سے نیچے اترتے ہی فوراً
خون بنجاتا ہے۔ وہی خون جس کو اطبا روح کہتے
ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک [illegible] روح [illegible]
چیز ہی نہیں۔ بلکہ وہ محض خون ہی کو روح [illegible]
اور اسکی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جان نکلتی ہی [illegible]
بدن میں خون کی بوند تک باقی نہیں رہتی۔ بہرحال
اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ:

یہ ماءاللحم دوران خون اور خون صالح

پیدا کرنے میں نہایت ہی ضروری اور بہت ہی مفید
[illegible] سراسر [illegible] خون پیدا [illegible]
جو چیز خون پیدا کرے [illegible] ہمارا جزو بدن [illegible]
اور یوں تو [illegible] اور وہ جزو بدن نہ ہو
تو کیا فائدہ۔ علمائے [illegible] اس امر پر متفق ہیں
کہ ایسی دوا یا غذا جزو بدن نہ ہو۔ [illegible] اعضا [illegible]
میں صرف ایک [illegible] تک [illegible] جاوے
وہ [illegible] اس کا اثر زائل
ہو کر پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ شراب۔ اور
فاسفورس۔ [illegible] وغیرہ۔

پس جو صاحب چاہیں وہ بلاتوقف اس ماءاللحم انگوری
دو آتشہ کو بنظر حفظ ماتقدم طلب فرما کر استعمال کریں
اور پھر روحانی حالات بچشم خود ملاحظہ فرما دیں۔

قیمت

فی بوتل دو روپیہ (عہ)۔ تین بوتل (لعہ)
چھ بوتل (للعہ)۔ درجن بوتل ([illegible])

نوٹ:- [illegible] میں یہ ماءاللحم [illegible] روانہ
نہ ہوگا۔ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا۔ بذریعہ
ریل [illegible] محصول کم لگتا ہے۔ صحت یافتہ حضرات
کے ہزاروں سرٹیفکیٹ دیکھنا چاہو تو کتاب منگواؤ۔

علاوہ ازیں

اس شفاخانہ میں ہر مرض کی مجرب ادویہ موجود ہیں (۱) شربت مقوی اعصاب [illegible] (۲) [illegible] قیمت [illegible] (۳) دوائی سوزاک [illegible] (۴) حب [illegible] آتشک [illegible] (۵) حب دافع بواسیر [illegible] (۶) حب دافع جریان و احتلام [illegible] (۷) [illegible] (۸) جوہر [illegible] خون [illegible] تین روپیہ [illegible] (۹) سنون [illegible]

پتہ:- مینیجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکما لاہور

اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم

دکن ریویو

مرتبہ

ظفر علیخان ۔ بی اے

مقام اشاعت

سلسلہ جدید — حیدرآباد دکن — جلد سوم

قسم اول

نمبر ۵ - ۶ — سنہ ۱۹۰۹ع — مارچ و اپریل

مطبوعہ مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک قسم اول صہ قسم دوم عہ سکہ انگریزی

دکن ریویو

سلسلہ جدید

جلد سوم | مارچ و اپریل سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۵و۶

فہرست مضامین

التماس

تصویر کے انتظار مین پرچہ پندرہ دن سے رکا ہوا ہے۔ اگرچہ تصویر کا پروف آچکا ہے لیکن پارسل ابھی تک وصول نہین ہوا اور نہ معلوم ابھی تین دن مین آتا ہے یا چار دن مین۔ ادہر ہمارے ناظرین پرچہ کے لیئے بیچین ہو رہے ہین اس لیئے مجبوراً پرچہ بلا تصویر شایع کیا جاتا ہے۔ تصویر اگلے مہینے ہدیہ ناظرین ہوگی۔

منیجر

ایڈیٹوریل

پچھلے مہینے ہم مخزن کے "خانہ بر انداز چمن" نامہ نگار مہر ناصر نواب صاحب
فراق دہلوی کی خوش مذاقی کی داد دیتے وقت اپنے دل میں کہتے جاتے تھے
کہ جب مخزن جیسا صلح کل پرچہ بیچارے اورنگ زیب پر قتل انسان مسلم سزا
بلکہ قتل عمد کا سنگین اور ڈراؤنا الزام لگا کر شمس العلما شبلی نعمانی کی اس مسلسل خالص
اور بے ریا محنت پر پانی پھیرنے کی کوشش کرتا ہے جو الندوہ کے کئی نمبروں میں
اورنگ زیب کی برارت پر صرف کی گئی تھی تو ان جنگجو پرچوں کا تو کیا ٹھکانا ہے
جو اورنگ زیب کے ساتھ خاص طور پر الٰہی بغض رکھتے ہیں آخر وہی ہوا زمانہ کے
فروری کے پرچہ کے ساتھ جو تصویر شائع ہوئی ہے وہ ہمارے اس خدشہ کا پورا مرقع
ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس تصویر کو دیکھ کر ان مسلمان ناظرین و نامہ نگاران زمانہ
کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ مگر اپنی تو ہم کہتے ہیں کہ ہمیں بحیثیت مسلمان ہونے
کے ایڈیٹر صاحب زمانہ سے اس تصویر کے انتخاب کے متعلق سخت شکایت ہے۔

اس تصویر میں دار السلطنت سے دور کیمپ میں دربار کا ایک سین دکھایا گیا
ہے جس میں امرا و ارکان دولت بے ترتیبی کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہر ایک
کے کاندھے پر ایک بندوق ہے۔ صدر میں ایک کرسی پر خاندان مغلیہ کا چھٹا
تاجدار بیٹھا ہے اور اس کے سامنے ایک شخص طشت میں ایک کٹا ہوا سر پیش
کر رہا ہے۔ تصویر کے نیچے لکھا ہے "دارا کا سر اورنگ زیب کے سامنے لایا جاتا
ہے"

یہ ہے وہ مرقع جو زمانہ کے فروری نمبر نے اپنے ناظرین کو ہدیہ دیا۔ اس پلیٹ فارم

کی استرکاری کی ہے جس پر الہ آباد یونیورسٹی کے قابل گریجویٹ اور پولٹیکل گلشن کے
نونہال منشی دیانرائن نگم بی۔ اے ہندو مسلمانوں کو پہلو بہ پہلو اور دست بدست
کھڑا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہم اس واقعہ کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے کہ آیا دارا کا سر اورنگ زیب کے
سامنے لایا گیا یا نہیں۔ بلکہ صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس تصویر میں
فنون لطیفہ یا علم تاریخ یا فن ادب کا ایسا کون بڑا راز مرکوز تھا جس کے انکشاف
سے ہمارے زمانہ شناس دوست نے جو ڈھائی برس پہلے اکبر نمبر نکال کر پردادا کی بدیوں
پر امرت کا پھول چھڑک چکے تھے پڑپوتے کی سفاکیوں کا ذکر اور اگر موجودہ نسلوں
کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے تھے کہ اورنگ زیب قاتل بےرحم سفاک جور و اکو
متعصب یا سنگدل تھا انگریزی تاریخوں کی بدولت اسکول کا ہر ہندو
طالب العلم اور ہندوستان کے فاضل مقرروں اور ادیبوں کی تحریر
و تقریر اور مضمون نگاروں اور ایڈیٹروں کے مضامین کی کثرت سے عبارت
ان کا ہر سپوت بنا ہے اور ضرورت سے زیادہ جانتا ہے ہمارے خیال میں
اب اس واقفیت میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ اورنگ زیب کو مرے
ہوئے آج ... سال ہوئے وہ دوستوں کی تحسین اور دشمنوں کی نفرین کی رسائی
سے بہت پرے ہے۔ ہاں اس کی قبر کا نشان ابھی تک خلد آباد کے قبرستان
میں باقی ہے اگر زمانہ کے فاضل ایڈیٹر کے خیال میں اورنگ زیب کو اپنے افعال
کی کافی سزا نہیں ملی ہے تو بہتر ہے کہ اس کی قبر بھی مسمار کرا دیں۔ اور زمانہ
کے مسلمان ناظرین سے چندہ کرکے اورنگ زیب کے کشتوں کی یادگار میں اہرام
مصر سے بھی اونچے اونچے مینار قایم کرائیں۔

غالباً مخزن کے معزز ایڈیٹر صاحب اب سمجھیں گے کہ البادی اظلم بن کر اور

فراق صاحب کا مضمون چھاپ کر اُنھون نے کیون کر اُس فتنہ کو جگا دیا جس کا سویا رہنا ہی ہندوستان کی دو بڑی قومون کے حق مین اچھا تھا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مخزن مین سلیمان شکوہ کے قتل کا سین دکھا کر بیٹھے کا رونا نہ رویا گیا ہوتا تاکہ آج زمانہ کو باوا کا سر پیش کرنے کا موقع نہ ملتا۔

اس غرض سے کہ ہم پر اخفائے واقعات کا الزام نہ لگایا جائے ہم اس تصویر کی اصلیت بھی بتائے دیتے ہین یہ تصویر بظاہر تو ایک ہندو انگریزی پرچے "انڈین ورلڈ" سے لی گئی ہے مگر دراصل منوچی کی کتاب "اسٹوریا ڈو موگور" کی جلد دوم کا سرورق ہے اور منوچی جس درجہ کا اکذب الکاذبین اور راس المتعصبین ہے اُس کا حال وہ حضرات جانتے ہونگے جنھون نے کتاب پڑھی ہے۔

مخالفت سے تو خدا بچائے ہم تو چاہتے ہین کہ جہان تک ہو سکے اپنے معاصرین سے اختلاف بھی نہ کرین مگر اس کو کیا کرین کہ کبھی کبھی ایسے مواقع پیش آ ہی جاتی ہین۔ اگر ہمارے کرم فرما معاصرین اپنے یا اپنے نامہ نگارون کی مضامین کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال اچھی طرح کر لیا کرین کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے تو خدا جانتا ہے کہ اُن کی شان مین تعریفی قصاید پڑھنے کے سوا ہم کبھی کچھ نہ لکھین مگر افسوس ہے کہ ایڈیٹر صاحبان رسالہ جات و اخبارات دانستہ یا نادانستہ ایسے مضامین شایع کرتے ہین جن کے متعلق شکایت کا موقع نکل ہی آتا ہے۔

مثلاً زمانہ کے اسی پرچہ مین جس مین وہ نقش ارژنگ شایع ہوا ہے جسکا ہم اوپر ذکر کر آئے ہین جناب اثر لکھنوی کا ایک مضمون تحفظ عصمت کے عنوان سے نکلا ہے۔ اس مضمون مین بھوپال کے خاندان شاہی کے مورث اعلیٰ کا گونڈ کی رانی سے برسرپیکار ہونے اور اُسکے بعد صلح کرنے اور آخر کار اُسکے ہاتھون زہریلے زنگ

ہیں ڈوبی پوشاک پہن کر بار سے جانے کا واقعہ قلم بند کیا گیا ہے۔ اصلیت کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن جناب انق ہمیں معاف کریں اگر ہم یہ کہیں کہ اس قدر پختہ مغز اور کہنہ مشق ناظم و ناثر ہونے کے باوجود یہ مضمون اونہوں نے ایسے بھدے اور بھونڈے طریقہ سے لکھا ہے کہ معمولی نومشق مضمون نگار بھی نہ لکھے گا۔

انق صاحب فرماتے ہیں کہ خان صاحب (بھوپال کے خاندان شاہی کے مورث) کی ہوائے نفسانی نے آخر گونڈ کی رانی کو تاک لیا۔ زعم حکمرانی نے فوج کشی کی ٹھہرا دی .... لڑائی چھڑی .... رانی قلعہ بند تھی .... محاصرین کثیر التعداد تھے .... محصورین کو دم لینے نہ دیا .... رانی دلاچیانہ تھی اُس کی تیغ شجاعت میں مہا کالی کی تلوار کا جوہر تھا .... قلعہ سے نکل پڑی .... حملہ آوروں نے ناکوں چنے چبا دیے .... محاصرین کے دانت کھٹے کر کے داد شجاعت دی اور آخر کار ندی سے اُترنی ہی کو تھی کہ حریف سر پر آ پہونچے .... آگے دریا سدراہ تھا عقب میں ملک الموت کا جامہ پہنے ہوئے دشمن .... خان شجاعت نشان پر رانی کی دلاوری نقش ہوئی .... اور تلوار میان میں رکھ لی .... پیام دیا کہ جنگ موقوف خونریزی بے فائدہ صلح بہتر میل ملاپ اچھا رانی بھی حالت بیم و امید میں تھی .... طوالت جنگ سے دل بھی اکتا چکا تھا۔ لہذا اُس نے بھی تلوار چوم کر ہاتھ سے رکھدی اور منظوری صلح کی تقریب میں خوشی کے نقارے بجوائے .... ایک پیامبر زمین بوس ہوا اور یوں خان صاحب کا پیام سنایا۔ موقوفی جنگ کا شکریہ صلح و آشتی کی مبارکباد۔ رشتہ اتحاد کا استحکام لازمی مراسم ربط و ضبط کا نباہ فرض عین .... یہیں تکلیف کیجیے۔ ع

دو دل یک شود بشکند کوہ را

کسی کو مجال نہین کہ اس اتفاق کی مضبوط رسّی کو توڑ سکے ۔۔۔ رانی نے لفظ لفظ گوش ہوش سے سنا۔ شعبدہ انگیزی حسن کانون مین کہتی جاتی تھی کہ مطلب سعدی دیگر است ۔۔۔۔ رانی کے لب گلرنگ پر مہر خاموشی نے بھی دو دیا تو نون کو توام بنا دیا۔ اُس کے غنچہ دہن کی قدرتی مسکراہٹ سے عالم سکوت مین بھی گویائی کی ایک ادائے دلنواز پیدا تھی ۔۔۔ بلبل خوش نوا وعندلیب شیرین صدا شاخ گل پر بیٹھے ہوئے سیر باغ کا مزہ لے رہی ہے۔ صیاد نے خاموشی سے نظر بچا کر جال تان رکھا ہے ۔۔۔ یہی حالت اس وقت رانی کی تھی ۔۔۔ رانی نے انکار و اقرار کے نتیجے پر اچھی طرح سے غور کیا ۔۔۔ فہم سلیم بول اٹھی کہین ہوا بھی مٹھی مین بند ہوئی ہے۔ سایہ کو بھی کسی نے پکڑ پایا ہے آگ کپڑے مین کب تک بندھی رہے گی ۔۔۔ پیامبر منتظر جواب کا تھا ۔۔۔ رانی کی انگشت قبول پیشانی انور پر پہونچی ۔۔۔ خان صاحب کی انتظار جواب مین آنکھین سفید ہو رہی تھین ۔۔۔ قاصد کو خوش خوش آتے دیکھا تو اچھل پڑے حلقہ کی دوسری منزل موئے مژہ سے جھاڑ ہی پلکون کو فرش کیا۔ چشم مشتاق کی پتلیان آئینون مین جڑ دین آنکھون کے کنول دیوارون مین لگا دیے۔ رانی بڑے ٹھاٹ باٹ سے پہونچی ۔۔۔ دو منزلہ پر ٹھہری سب سامان آسایش و آرایش موجود پائے ۔۔۔ پیغام سلام ہونے لگے ۔۔۔ انکار و اصرار مین خوب ہاتھا پائی ہوئی ۔۔۔ اشتیاق اور گریز دونون نے جی بھر کے داؤن پیچ کیے ۔۔۔ خدا خدا کر کے پہاڑ سی گھڑیان کٹ گئین ۔۔۔ وقت مقررہ آ پہونچا۔ رانی کی طرف سے پوشاک نوشہ پیش ہوئی ۔۔۔ نوشہ سلامت نے پوشاک شاہی سے قامت زیبا کو زینت دی ۔۔۔ اور بیتابی دل اُسے اُس برج فلک آستان پر لیگئی جس مین اُس کیک وارفتہ حسن کے ماہ خوبی کی شعاعین در و دیوار پر ستارے چھٹکا رہی تھین بڑے تپاک سے استقبال ہوا ۔۔۔ ہائے

بدن پھنکا جاتا ہے۔۔۔ ہے ہے دم پھٹا جاتا ہے۔۔۔ اس صدائے پُر درد اور نالۂ جگر خراش نے اہل محفل کی صفیں خالی کردین۔۔۔ مسند نوشتہ چارون طرف سے گھر گئی۔۔۔ مریض سوختہ جگر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔۔۔ اہل محفل سناٹے مین ہوگئے اتنے مین زیور آراستہ پاکدامانی گونڈ کی باعصمت رانی چھم چھم کرتی سرہانے آئی جھک کر چہرے کی طرف دیکھا اور خان صاحب کیون کیوان خیر باشد جوش اشتیاق کہان ہے۔ شادی تو کیجے جائیے۔۔۔ خان صاحب کی پتلیان پھر گئین۔ آخری وقت بھی اُس جامہ عصمت کو ایک نظر دیکھ نہ سکے۔۔۔ لباس شادی کفن بن کر بدن سے اُترا۔۔۔ رانی نے آنچل سمیٹے اور یہ کہتی ہوئی چھم سے دریا مین کود پڑی۔

جان پر کھیلتے ہین جی سے گزرنے والے زندہ نام اپنا کیا کرتے ہین مرنے والے

ہم نے جناب افق کے مضمون کے انتخاب مین طوالت سے اسلئیے کام لیا ہے کہ ہمارے ناظرین انہین کے الفاظ مین اس قصہ سے پوری طرح واقف ہوجائین۔ جس شخص کو خدا نے ذرا سا بھی ذوق سلیم اور تھوڑا سا بھی انصاف عطا کیا ہے وہ اس اقتباس کو ایک نظر دیکھتے ہی کہہ اُٹھے گا کہ گو جناب افق کا مقصد اس قصہ کے بیان کرنے سے بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ خان صاحب کو ایک اول درجہ کا ظالم اور سفاک عیاش اور رانی گونڈ کو ایک اعلیٰ درجہ کی پارسا عورت ثابت کرین لیکن حقیقت یہ ہے کہ یا تو اُن کے الفاظ مین خیالات کا ساتھ دینے کی قابلیت نہ تھی یا واقعات مین اتنا بھی دم نہ تھا کہ باوجود اُن کی اس گنگا جمنی مرہم پٹی کے جب سے انہون نے قصہ کی ٹوٹی ہڈیون کے جوڑنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس قابل نہ تھے کہ اپنے پاؤن پر کھڑے ہو سکتے۔

خان بھوپال کا کیرکٹر جن الفاظ مین دکھایا گیا ہے اُن سے بجز اس کی اور

کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا کہ وہ ایک نہایت ہی شریف منش سپاہی تھا۔ پے در پے
شکستین کھانے کے بعد جب رانی کا قافیہ بالکل تنگ ہوگیا اور خان کے
بالکل اختیار مین تھا کہ اُسے گرفتار کرلیتا اُس نے اُن سپاہیانہ جذبات سے متاثر
ہوکر جو بہادر دشمن کے ساتھ آڑے وقت مین اچھا سلوک کرنے پر مجبور کیا کرتے
مین اُسنے رانی کو امان دی۔ اُسکے بعد باوجودیکہ رانی پر پوری دسترس رکھتا تھا
اُس نے بجائے جبر کے آشتی کے ساتھ پیغام بھیجا جسے رانی نے جھوٹون بھی
تو مدنہ کیا جس سے معلوم ہوتا کہ وہ خان صاحب کے ڈورے ڈالنے سے راضی
نہین ہے ایسی حالت مین اگر بیچارے خان نے یہ سمجھکر کہ محبت کے جس تیر نے
میرے دل کو زخمی کیا ہے وہی رانی کے دل مین بھی ترازو ہوا ہے اپنے ارمانون
کے نکالنے کا خیال کیا تو کیا بُرا کیا خصوصًا ایسی حالت مین جبکہ بقول جناب افق
رانی چندے آفتاب چندے ماہتاب نور کی تصویر حور کا مرقع تھی۔ اور اکبر جیسے صلح کل
اور جامع المتفرقین فرمانروا کی بنائی ہوئی سڑک اس قسم کی ازدواجی تگاپو کے لیے
پہلے سے موجود تھی اور دور سے اپنا میل و فرسنگ دکھارہی تھی۔ مگر رانی نے
بجاے اسکے کہ اس شریفانہ پیغام کا جواب شریفانہ رد یا قبول سے دیتی اُس
طریقہ سے کام لیا جو ہرگز بہادری کے شایان نہ تھا۔ اگر وہ بہادرانہ اور شریفانہ
طور سے صاف انکار کردیتی تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ وہ بہادرون اور سورماؤن
کی موت مرتی۔ لیکن اُس نے ایسا نہ کیا اور ایک شریف دشمن سے رذیلانہ انتقام
لیکر ایسا نام چھوڑ گئی جسے جناب افق ہی سراہ سکتے ہین۔

معلوم ہوتا ہے کہ جناب افق باوجود زمانہ حال کی کہنہ مشق مضمون نگار ہونے کے
ابھی تک فسانہ عجائب اور گلزار نسیم کے طلسمات کے کنوئین جہانک رہے ہین
ورنہ نا ممکن تھا کہ رانی گونڈ جو اپنے محل سے دور تلوار لیے میدان جنگ مین

حریف سے لڑنے آئی ہو اور بے سروسامانی کی حالت مین دریا کی طرف بھاگی ہو
اور امان پانے کے بعد اُسی حریف کے قلعہ کی دوسری منزل مین بطور
مہمان مقیم ہو دفعۃً دو گھنٹے کے اندر ایسا لباس تیار کرا لے جو خان صاحب کے
جسم پر ٹھیک اترے اور پھر اس لباس کو زہر کے ایک ایسے مہلک مرکب مین
غوطہ دے جو روما کے مشہور و معروف خاندان بورجیا کے لیے بھی سرمایۂ رشک ہو
یہ تو صرف طلسمات کی بدولت ہو سکتا ہے کہ سنٹرل انڈیا کے کفِ دست میدان
مین حضرت گنج کی وائٹوے لیڈلا کمپنی کی دوکان مع سنگر کی تمام مشینون کے اور کیننگ
کالج کی لیبوریٹری مع تمام آلات وادویات ترکیب و تحلیل کیمیاوی کے چشم زدن
مین حمالہ دیوی کی میٹھ پر پہونچ جائے۔
گونڈ کی رانی نے قتل عمد کے ساتھ خودکشی کا ارتکاب کر کے اپنے عقل و فہم
کے لیے کوئی قابلِ تحسین صداقت نامہ نہین چھوڑا اس سے تو بمراتب بہتر ہوتا
کہ جناب افق رانی گونڈ کے ہاتھ مین بھی وہی تاریخی آلہ دیدیتے جس کی سمیت نے
افضل خان کی پیٹھ پر وہ نشان چھوڑا ہے جو سیواجی کے جبین شجاعت پر ایک
کلنک کا ٹیکا ہو کر چمکے گا۔ کیونکہ اس حالت مین بیچارے خان بھوپال کو نقد جان دیکر
جنس ہم آغوشی تو نصیب ہو گئی ہوتی۔

فارسی شاعری مین جو درجہ نظیری نیشاپوری کا ہے وہی اردو مین میر تقی
دہلوی کا ہے۔ لیکن میر صاحب کے کلام کے باغ مین فیصل نامہ نے پرگوئی
کے سبزے کا دامن بالیدگی یہان تک وسیع کیا ہے کہ نغز گوئی کے پھولون
کے خرمن کے خرمن اُس مین چھپ گئے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ میر
کا نام ہندوستان کے ہر اردودان بچے کی زبان پر جاری ہے پھر بھی بہت

کم لوگ ایسے ہونگے جنھین اُن کے کلام کے بالاستیعاب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ اِسلیے بڑی ضرورت اس امر کی تھی کہ ان پھولون کا عطر کھینچا جاے تاکہ ذوق سلیم کا مشام اس کی خوشبو سے معنبر ہو۔ لیکن اس کام کو وہی شخص انجام دے سکتا تھا جس کے دماغ مین سخن فہمی کے ساتھ سخنوری کی خوشبو بسی ہوئی ہو۔ ہم نہایت خوش ہین کہ اس کام کو ہمارے مکرم مولوی میر علی حیدر صاحب طباطبائی نے آنریبل نواب عماد الملک بہادر سی۔ ایس۔ آئی مشیر کونسل وزیر ہند کے لئے نہایت خوش اسلوبی اور خوش سلیقگی سے انجام دیا ہے۔

ہم اس کے محامد و محاسن گنانے سے اس لیے احتراز کرتے ہین کہ عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔ یہ عطر فتنہ جناب میر صاحب کی دوکان سے ۸ر مین مل سکتا ہے۔

ہمین یہ خبر سنکر دلی صدمہ ہوا کہ ہمارے واجب الاحترام ہمعصر شمس الاخبار مدراس کے مالک مولوی نصیر الدین گھٹالہ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ شمس الاخبار جنوبی ہند کا سب سے پرانا اردو اخبار ہے اور پچھلے دنون اُسکی جوبلی کا جشن منایا گیا تھا۔ مرحوم ایک سلیم الطبع اور مستقیم الشعار بزرگ تھے اور جس خوش سلوبی اور خوش سلیقگی کے ساتھ وہ اس اخبار کو اور نیز انگریزی اخبار محمدن کو کہ وہ بھی اُنھین کی ملک تھا۔ چلاتے رہے اُسکے لحاظ سے اُن کی کوششین ہمیشہ یادگار رہین گی۔ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت مین جگہ دے اور اُن کے پسماندون کو جن کے ساتھ اس صدمہ مین ہمین دلی ہمدردی ہے۔ صبر جمیل عطا فرما کر یہ توفیق بخشے کہ ان دونون اخبارون کو جو جنوبی ہند مین مسلمانون کے ملی و سیاسی حقوق کے محافظ ہین سابقہ استقامت کے ساتھ روش مستمرہ پر چلائے جائین۔

کرم آباد پنجاب کا ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو وزیر آباد کے ریلوے اسٹیشن
سے دو میل کے فاصلہ پر سیالکوٹ کی سڑک کے کنارے واقع ہے۔آج سے
کوئی پچیس سال پہلے مولوی کرم الٰہی خان صاحب مرحوم ومغفور کو جنہین سکھ
حکومت کی جابرانہ دست برد کے باعث اپنے بااقبال آباواجداد سے ترکہ مین بجز
خاندانی شرافت کے اور کچھ نہ ملا تھا اپنی کھوئی ہوئی عظمت اپنی لٹی ہوئی
وجاہت کے احیا وتجدید کا خیال پیدا ہوا اور اُنھون نے ایک قیمتی
جائداد نواح وزیر آباد مین خرید کر اس گاؤن کی بنیاد ڈالی اور اپنے نام
کی شق اول کی رعایت سے اس کا نام کرم آباد رکھا۔ مرحوم مسلمانان طبقہ
متوسط کی اُس قدیم تہذیب کا ایک روشن نمونہ تھے جس کی جھلک اطراف
واکناف ہند مین اب بھی کہین کہین نظر آجاتی ہے لیکن جسے یورپین تمدن
زمانہ کے مقتضیات کا حلیف بن کر مٹینے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان واقعات
کا تذکرہ کہ کس طور پر اُنھون نے باوجود ایسے والدین کے گھر مین پیدا
ہونے کے جن کو اُنھین تعلیم دلانے کی مطلق مقدرت نہ تھی محض اپنے
وہبی شوق سے طرح طرح کی صعوبتین اُٹھا کر اور انواع واقسام کی مصیبتین
جھیل کر علوم متداولہ حاصل کیئے۔کسی طرح محض اپنی قوت بازو کے بل پر اُنھون
نے درس وتدریس کے ذریعہ سے معاش کی ایک ایسی راہ نکالی جسے اُنکے
ہم چشم رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔کیونکر اُنھون نے باوجود اُن تعصبات
سے گھرے ہوے ہونے کے جو انگریزی تعلیم کے خلاف ملک مین پھیلے
ہوئے تھے اپنے بیٹے کو انگریزی تعلیم دلائی شاید ایسے شخصی واقعات کا
اعادہ سمجھا جائے گا جن سے عام طور پر ہمارے ناظرین کو دلچسپی نہ ہو۔
اس لیئے ہم صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرین گے کہ اس روشن خیال بزرگ کا

مقصد کرم آباد کے بسانے سے بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ اپنی اولاد و احفاد کے لیئے ایک ایسا ترکہ چھوڑ جائے جو اقران و اماثل کی نظرون مین اُن کے لیئے سرمایۂ اعتبار ثابت ہو سکے۔ اپنی اولاد کے متعلق بھی اپنے زمانہ کے عام خیالات کے مطابق اُس کی انتہائی آرزو اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ سرکاری ملازمت کے طبقۂ اعلیٰ مین داخل ہو کر اُن مدارج پر فایز ہو جائین جنھین ہر ہندوستانی اپنی مرادون کی معراج سمجھتا تھا اور شاید اب تک سمجھتا ہے۔ لیکن یہ بات اُس کے حاشیۂ خیال مین بھی نہ گذری تھی کہ ایک ایسے بیٹے کی مساعی جمیلہ کی بدولت جس کی ذات نہ صرف اپنے اسلاف و اخلاف بلکہ کل پنجاب کے لیئے سرمایۂ افتخار ثابت ہونے والی تھی کرم آباد کی قسمت مین ایک ایسی عظیم الشان تحریک کا مبدا اور منشا ہونا لکھا تھا جس سے ابنائے وطن کے ایک سر برآوردہ طبقہ کا جمود و غفلت مبدل بہ حرکت و بیداری ہو جائے گا۔

قبلہ و کعبہ جناب مولوی سراج الدین احمد خان صاحب مدظلہم العالی کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ سرکار انگریزی کی ملازمت مین گذرا اور اگرچہ اپنے والد ماجد کی طرح خاندانی ترقی کا خیال اُن کا بھی ہمیشہ نصب العین رہا لیکن مبدا فیاض نے اُن کے پہلو مین ایسا دل و دیعت نہ فرمایا تھا جس کے درد کی حدود خاندانی حلقہ سے متجاوز نہ ہو سکین وہ ایک بہت بڑا دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے جس مین یگانون کے علاوہ بیگانون کے ساتھ ہمدردی کرنے کی بھی گنجایش موجود تھی۔ سرکاری ملازمت کی زنجیر جب تک پاؤن مین پڑی رہی وہ اپنے ارادون کو قوت سے فعل مین لانے سے قاصر رہے لیکن جب دور ملازمت ختم ہوا اور پنشن لے کر وہ سرکاری ذمہ داریون کی

بوجھ سے سبکدوش ہوئے تو ورد کا وہ چشمہ جو سالہا سال تک اندر ہی اندر ابل رہا تھا یکبیک پھوٹ پڑا اور اُنھون نے ملکی اور قومی خدمت کی دشوار گذار وادی مین قدم رکھا۔

زمیندارون کا فرقہ جس قدر معزز اور شریف اور جس حد تک ملک کی سرسبزی درونق کا کفیل ہے اُسی درجہ ذلیل وخوار اور جاہل وتباہ حال بھی ہے۔ اس کی پستی ونکبت کی داستان اگر شروع کی جاے تو کئی دفتر سیہ ہو جائین۔ یہ فرقہ اگرچہ تمدن ہند کے نظام جسمانی مین بمنزلہ ریڑہ کی ہڈی کے ہے اور بلا تشبیہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے خون اور پسینے پر کل ملک کی زندگی کا دار ومدار ہے لیکن خود اس فرقہ کے افراد کی عام حالت یہ ہے کہ دو وقت پیٹ بھر کھانا بھی مشکل سے ملتا ہے۔ ان کی اس فاقہ مستی اور پریشان روزگاری کے اور اسباب تو خیر جو کچھ بھی ہون لیکن اس مین شک نہین کہ سب سے بڑا سبب لاعلمی وجہالت ہے۔ علم کی روشنی جو زینت بزم کون وفساد ہے ان کے ظلمتکدہ تک پہونچی ہی نہین اور یہی وجہ ہے کہ نہ ان کو اپنی خبر ہے نہ اپنے حقوق کی۔ وہ نہین جانتے کہ سوسائٹی مین ہم کیا حیثیت اور کیا درجہ رکھتے ہین اور اس حیثیت اور درجہ کے برقرار رکھنے کے لئے سرکار سے کن حقوق کا مطالبہ کرنا چاہئے اور ان حقوق کے تحفظ کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئین۔

بے علم بھی یہ لوگ ہین غفلت بھی ہے طاری افسوس کہ اندھے بھی ہین اور سو بھی رہے ہین

اس فرقہ کی اصلاح کا بیڑا وہی شخص اُٹھا سکتا تھا جو اول تو انہین مین سے ہوتا کہ ان کی حالت زار سے کماحقہ واقف ہونے کے باعث اُن کی اندرونی خرابیون اور کمزوریون کے رفع کرنے کا پوری طرح سے

اہل ہو۔ ثانیاً اُس مین موجودہ مشکل پسند زمانہ کی اہم اور پیچ در پیچ ضروریات سے باخبر ہونے کے علاوہ علو عزم و استقلال کی صفت بدرجہ اتم موجود ہو تاکہ پرایون کی معاندانہ تعریض و تضحیک اور اپنون کی دوست نوازانہ شماتت اُس کے جبین عزایم پر بل تک نہ ڈال سکے۔ اور ثالثاً ذاتی وجاہت اور اثر رکھنے کے ساتھ وہ فکر معاش کی طرف سے بالکل مطمئن ہو تاکہ یہ روح فرسا فکر اتنے بڑے قومی کام کی سنگ راہ نہ ہو سکے۔

اسے زمیندارون کے فرقہ کی خوبی قسمت سمجھنا چاہیئے کہ جس شخص نے اُن کی اصلاح کی گرانبار ذمہ داری اپنے اوپر لی وہ ان تمام صفات سے بوجہ احسن متصف تھا۔ اُس عمر مین جب کہ کچھ تو قوا کے انحطاط کی وجہ سے اور کچھ آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اُس خواہش کی بدولت جس کا معین عہد شباب کا محنت سے پس انداز کیا ہوا اندوختہ اور سرمایہ ہوتا ہے اکثر لوگ دنیاوی جھگڑون خرخشون سے قطع تعلق کر لیتے ہین اس شخص نے کمر ہمت چست باندہ کر وہ کام اپنے ذمہ لیا جس کی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہرقلس بھی ڈرتا۔ سب سے پہلے اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لحاظ سے اُس نے ایک اخبار بنام "زمیندار" جاری کیا اور اُس کے ذریعہ سے اپنی آواز جو گم کردہ راہ کاروان کے لئے بمنزلہ بانگ درا تھی زمیندارون تک پہونچانی شروع کی۔ یہ آواز اول اول بہت ہی دھیمی اور مدہم تھی لیکن رفتہ رفتہ بلند اور پاٹ دار ہوتی گئی یہان تک کہ دشت وجبل۔ وادی و کہسار اُس سے گونج اُٹھے اور ایک اخبار "زمیندار" نے چند سال کے عرصہ مین وہ کام کیا جو بڑی سے بڑی طاقت نے صدیون سے انجام نہ دیا تھا۔ زمینداران پنجاب مین حرکت اور بیداری کے آثار

پیدا ہو گئے۔ وہ اپنی حالت اور حیثیت اور وقعت سے آگاہ ہو گئے۔ وہ اُن حقوق کا جو مدت ہائے مدید سے یا تو نظر انداز ہوتے چلے آئے تھے یا پامال کئے جا رہے تھے مطالبہ کرنے لگے۔ اُن مین شوق علم پیدا ہو گیا۔ اُن مین قومی زندگی کی نشانیان نظر آنے لگین۔ اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایک ادنیٰ کرشمہ اُس نئی روح کا جو اس اخبار نے زمینداروں مین بلا لحاظ مذہب وملت (اور یہ اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے) پھونک دی یہ تھا کہ قانون نو آبادی ہائے پنجاب جسے اُنھون نے اپنے لئے مضر سمجھا علیٰ رغم انف مخالفین لارڈ منٹو کی عنایت سے نافذ ہوتے ہوتے رُک گیا۔

اس کے بعد "زمیندار" کے واجب الاحترام ایڈیٹر نے جسے اُس کی حق شناس قوم بجا طور پر اپنے حقوق کا محافظ و وکیل سمجھنے لگی تھی زمیندار کانفرنس کی بنا ڈالی جس کا ابتدائی سالانہ اجلاس کرم آباد مین ہوا۔ اس کانفرنس کا مقصد جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے یہ تھا کہ زمینداروں کی موجودہ تمدنی عمرانی اور اقتصادی حالت پر غور کیا جائے اور وہ تدابیر اختیار کی جائین جن سے اس کی حالت کی اصلاح ہو سکے۔ اس جلسہ مین اطراف و اکناف پنجاب کے معزز ہندو سکھ اور مسلمان زمیندار جمع ہوئے تھے اور بہت سے مفید رزولیوشن پاس کئے گئے تھے۔ لیکن اس کے بعد اس کانفرنس کا دفتر لاہور مین منتقل کیا گیا اور کانفرنس کے محترم بانی کی خواہش پر تقسیم عمل کے اصول کے لحاظ سے اس کے انتظام کی باگ خان بہادر محمد شفیع صاحب بیرسٹر ایٹ لا کے لایق ہاتھون مین دی گئی۔ کانفرنس کا نام بھی بدل کر زیادہ وقیع اور شاندار الفاظ مین "زمیندار ایسوسی ایشن" رکھا گیا۔ لیکن یہ قول بالکل سچ ہے کہ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

خان بہادر محمد شفیع صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے قانون دان اور لایق شخص ہون مضامین انگریزی بہت اچھے لکھ لیتے ہون۔ قومی کامون مین بھی عمیق دلچسپی ظاہر کرتے ہون۔ لیکن زمیندار ایسوسی ایشن کا روگ اُن کے بس کا نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ایسوسی ایشن ایک وجود معطل ہو کر رہ گئی۔

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ زمیندار کانفرنس کو پھر زندہ کیا جائے اس ضرورت کو سب سے زیادہ اس کے بانی نے محسوس کیا اور اُس عزم سے کام لے کر جو کسی وقت کسی مشکل کسی رکاوٹ کا شرمندہ احسان نہین ہونا چاہتا اُنھون نے فیصلہ کر لیا کہ یہ کانفرنس پھر وجود مین آے۔ اور اس مین زمینداروں کی قومی ترقی کے اسباب پر غور کر کے مناسب عملی تدابیر اختیار کی جائین۔ چنانچہ اس کی نئی زندگی کا دور اس مہینہ مین شروع ہوگا اور کرم آباد مین ۲۴ اور ۲۵ اپریل کو کانفرنس کا جلسہ ہوگا۔ تمام زمینداروں کو بلا تفریق مذہب وملت اس مین دعوت دی گئی ہے۔ اس فرقہ کے جو حضرات شریک اجلاس کانفرنس ہونا چاہین اپنے قصد شرکت سے عالی جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار کو ۱۲ اپریل تک اطلاع دین۔

حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت کی جناب مین بہ تقریب میلاد مبارک حضور انور ہمارے مخدوم ومکرم خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب نے ارادت وعقیدت کے موتیون کی ایک لڑی نذر کے طور پر پیش کی ہے اس سلک لآلی کی آب وتاب جس پر عقد ثریا کو بھی رشک آئے گا ملاحظہ ہو۔

ذکرِ رسولِ پاک ہے فخرِ زبانِ انس وجن — روح کو اس سے ہے سرور قلب ہے اس سے مطمئن
ولولۂ دلِ جوان قوتِ خاطرِ مسن — سنئے اگر بگوشِ جان وردِ ملک ہے رات دن

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

خضرِ کوع ہے یہی شوقِ سجود اسی سے ہے　　حالتِ ذوق و وجد کا دل میں ورود اسی سے ہے
دینِ خدائے پاک کی شان ونمود اسی سے ہے　　منبع خیر ہے یہی ہمتِ جود اسی سے ہے

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

حالتِ ملک و قوم پر ہون شب و روز بے قرار　　دین سے دل کو پھیر دین ایسے سبب ہین بیشمار
مرکزِ طبع کیا بنے جس سے ہو کم یہ انتشار　　آئے صدا فلک سے یہ پڑھ تو اسی کو بار بار

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر　　ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما ابھار کر　　اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بیشمار کر

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

رہنے دے آسمان اگر تجھ سے ہی بر سرِ جفا　　ہو نہ ملول تجھ سے ہے دولت و جاہ اگر خفا
مسلکِ مستند یہی چھوڑ نہ تو رہِ وفا　　نسخۂ حفظِ دین ہی یہ ہے یہی ٹھیک فلسفا

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

جناب خان بہادر نے حضور رحمۃ للعالمین کے محامد و مناقب مین داد بلاغت دی تھی تو حافظ فضل حق صاحب آزاد نے اُس سچی الفت کے اقتضا سے جو اُنھین اسلام کے ساتھ ہے ملت بیضا کے فضائل اور مسلمانون کی گذشتہ موجودہ حالت کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے ناظرین اس نظم سے حظ فراوان حاصل کرین گے۔

پستی مین بھی اونچا ہے بہت نام ہمارا　　دنیا سے مٹائے نہ مٹے نام ہمارا
دل جانتے ہونگے جو گزر جاتی ہے دل پر　　لیتے ہین جہان اہلِ قلم نام ہمارا
کفار بھی کرتے ہین ہمین یاد بہ تعظیم　　اب تک بھی چلا جاتا ہے اکرام ہمارا

اب تک بھی برابر نہین ہوتی ہین نگاہین — کیا گرم ہے خورشید لب بام ہمارا
غیرون کے صحیفون مین جواب ہے سبب ناز — وہ وحی ہماری ہے وہ الہام ہمارا
نیرنگی قسمت کے سوا کیا ہے بہ تحقیق — اللہ! وہ آغاز یہ انجام ہمارا
ہم جانتے تھے رنج سفر لطف حضر کو — وہ رنج ہمارا نہ وہ آرام ہمارا
جس جام سے سرشار ہے اب محفل عالم — اُس جام مین ہے شیرۂ بادام ہمارا
وہ دانۂ دولت جسے سب سمجھے ہین خرمن — ہو جمع تو اٹھے نہ کبھی دام ہمارا
تہذیب مین اخلاق مین دنیای دنی سے — تھوڑا بھی ادا ہو نہ سکا وام ہمارا
پرسش بھی نہ تھی دوست کی دشمن کی کچھ اُسکو — اک سیل تھا ابر کرم عام ہمارا
اللہ کے بندون کی اطاعت مین سفر ہے — تھا قیصر و کسریٰ کو بھی پیغام ہمارا
صرصر کی تھی آمد تو صبا کی تھی روانی — پڑھتی تھی وظیفہ سحر و شام ہمارا
طاعت تھی وہ طاعت وہ عبادت تھی عبادت — تھا ورد لب یاد حق انعام ہمارا
جنت تھی پس پشت سقر پیش نظر تھا — پکّے تھے خیال ایک نہ تھا خام ہمارا
اخلاص مین ایثار مین دونون تھے برابر — ہم اُس کے تھے اور تھا دل ناکام ہمارا
کیا مشرق و مغرب کی خبر رہتی تھی ہم کو — تھا عرصۂ کونین بس اک گام ہمارا
یا ہم ہین وہی سارے زمانے سے نکمّے — اور ایسے کہ دنیا مین نہین کام ہمارا
تقدیر کے آگے نہین چلتی کوئی تدبیر — تقصیر کچھ اُس کی نہ کچھ الزام ہمارا
حاصل ہے بقائے ابدی جس کو وہ آزاد — اسلام ہے اسلام ہے اسلام ہمارا

سیاح اسلام اُردو کے ماہوار رسالون مین ایک گران قدر اضافہ ہی جس کی محاسن کا ضامن مولانا آزاد سبحانی سکندر پوری منتظم مدرسۃ الالہیات کانپور کا پر زور قلم ہی۔ اسلام کے فضائل کی توضیح اور مخالفین اسلام کے حملون کی تردید اس انداز کی ساتھ کہ جادلھم بالتی ھی احسن کا دامن ہاتھ سی نہ چھوٹے اس کا مقصد ہی۔ ہم اس کا خیر مقدم نہایت خوشی سی کرتی ہین

رفتیم یاران تخفیف تصدیع
گر درد سر بود از ما شما را

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محکم و موثق ایمان سے جہان معرفت
باری کے اور اسرار بیان کئے ہین وہان ایک نکتہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ

عرفت ربی بفسخ العزایم۔

حقیقت مین دیکھا جائے تو یہ نکتہ جس قدر عام فہم ہے اُسی قدر ہمہ گیر بھی
ہے۔ روزمرہ یہ بات ہمارے دیکھنے مین آتی ہے کہ ایک شخص دل مین کوئی مقصد
ٹھان کر اُس کی تکمیل کے لئے طرح طرح کے ذرایع اور قسم قسم کے وسائل اختیار
کرتا ہے شب و روز اسی فکر مین منہمک اور اسی خیال مین مستغرق رہتا ہے
کہ کسی طرح اُس کی غایت پوری ہو اور وہ منزل مقصود کو پہونچے۔ اُس کی عقل
نکتہ رس اور فہم دقیقہ سنج تمام اُن باتون کو جو اس مقصد کے حصول کی معین ہون
اُس کے پیش نظر کرتا ہے۔ اُس کی مساعی جمیلہ کی کشادہ شاہ راہ اپنے میل
و فرسنگ سے رستہ کی ہمواری اور مسافت کے قرب کا پتہ دیتی ہے اور امید
کا روشن ہاتھ قدم قدم پر اُٹھ کر منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتا ہے لیکن
عین اُس وقت جب کہ بظاہر منزل مقصود تک نہ پہونچنے کا کوئی امکان نہین
ہوتا دفعتہً اُس کی مساعی کی رفتار رک جاتی ہے۔ پاؤن چلتے چلتے سو جاتے
ہین اور وہ ایک قدم آگے نہین بڑھ سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان
حوادث پر بجلی چمکی اور اُس کے خرمن امید پر گر پڑی۔ اور طرفۃ العین مین
بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔

ان ناگہانی عوایق کو جن سے زندگی کی ہر منزل مین انسان کو سابقہ پڑتا ہے

اپنے اپنے افتادِ خیال کے لحاظ سے کوئی شخص اتفاق سے تعبیر کرتا ہے۔ کوئی حادثہ سے کوئی علت و معلول اور سبب و مسبب کے تار و پود سے جو سرمایہ کارگاہ ہست و بود ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ ان مشکلات کی جس طرح چاہے تعبیر کرے لیکن ہم توحید پرست تو امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ہم نوا ہو کر یہی کہین گے کہ ان عوایق ناگہانی مین شان ربانی کی جھلک نظر آتی ہے یعنی انسان کے مساعی کی چلتی گاڑی مین روڑا اٹکا کر اُس ہستی علی الاطلاق نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ گو وہ عقل و ادراک کے آسمان کا آفتاب ہی کیون نہو جائے لیکن اپنے خالق کے مقابلہ مین اُس کی ہستی ایک ذرہ سے کم ہے اور یہ وہ سچائی ہے جس سے عالم و جاہل عامی و فلسفی کسی کو انکار نہین۔

دکن ریویو کو معرض وجود مین آئے ہوئے کچھ اوپر پانچ سال ہوئے ہین اور جو کچھ بُری بھلی خدمت اردو زبان کی اس سے ہو سکی اس نے انجام دی۔ شکر ہے کہ ملک نے اُس کی کوششون کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس عرصہ مین اس کو طرح طرح کی مشکلات اور عوارض کا سامنا ہوا۔ کبھی یہ تاخیر اشاعت کے مرض مین مبتلا ہوا کبھی اس نے چار چار پانچ پانچ نمبر ایک ساتھ نکالے۔ ایک دفعہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ بوجہ ہماری علالت اور ہندوستان سے باہر چلے جانے کے ہمین اس کی اشاعت سات آٹھ مہینے تک ملتوی کر دینی پڑی لیکن باوجود ان تمام اسقام اور عیوب اور لغزشون کے اس کے قدردان ناظرین نے اسے اپنا مطمح نظر بنائے رکھا۔ ہمین بھی ان تمام خرابیون کے باوجود یہ یقین تھا کہ دکن ریویو ایک زندہ اور ہمیشہ سرسبز رہنے والی تحریک ہے جو کبھی نہین مٹ سکتی اور جو قبر تک ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس لیئے ہم نے اُن تمام نقصانات کو جو ہمین اس کی وجہ سے علی الاتصال برداشت کرنے پڑے

ماتھے پر بل لائے بغیر اُٹھایا۔ ہم نے اپنا اور اپنے بال بچون کا پیٹ کاٹا لیکن اس کا دوزخ بھرا۔ آئینہ مین ہمین اپنی پریشان اور متوحش صورت ہر روز دیکھنی پڑی لیکن یہ ہم نے کبھی گوارا نہ کیا کہ اس کے سرورق کی زیبایش اور رعنائی اُس تصویر کے نہ ہونے سے کم ہوجائے جو ہر پرچے مین ناظرین کو ہم ہدیتہً پیش کرتے رہے۔ یہ سب کچھ کس لئے تھا؟ محض اس لئے کہ ہمین اس کے ساتھ محبت تھی۔ اور ہم نے عہد کرلیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو اسے اسی شان کے ساتھ برابر نکالے جائین گے لیکن عرفت ربی بفسخ العزائم۔ ہم نہایت دلی رنج کے ساتھ بلا کسی مزید تمہید کے ناظرین کو یہ اندوہ ناک خبر سناتے ہین کہ یہ پرچہ دکن ریویو کا آخری نمبر ہے جس کی ایڈیٹری کی خدمت ہم انجام دیتے ہین۔

ہمارے کرم فرما اس خبر کو سن کر ہم سے تعجب کے ساتھ دریافت کرین گے کہ آخر اس فوری فیصلہ کا کیا باعث ہے۔ اُن کا استعجاب بے محل نہین ہے اس لئے کہ ابھی دو ہی مہینے ہوتے ہین کہ ہم نے دکن ریویو کے ذریعہ سے یہ اعلان کیا تھا کہ ہر اُس مضمون کے لئے جو اس مین شایع ہوگا مضمون نگار کو معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ کیا یہ ہمارا فوری فیصلہ سرمائے کی کمی یا مالی نقصان کی وجہ سے ہے؟ ہم اس کا یہ جواب دین گے کہ جس شخص نے پانچ سال سے مالی نفع نقصان کی پروانہ کی ہو جس نے رود موسیٰ کی طغیانی کے ہمہ گیر نقصان مین بقدر چار ہزار روپیہ کے حصہ لے کر بھی اشاعت موقوف یا ملتوی کرنے کا خیال نہ کیا وہ کسی معمولی ماہواری نقصان کو کب خاطر مین لاسکتا ہے۔

جس چیز نے ہمین دکن ریویو سے تعلق ایڈیٹری قطع کرنے پر مجبور کیا ہی وہ سرمایہ کی کمی نہین ہے بلکہ وقت کی کمی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج تک سرکار آصف جاہ کی عنایات کے تصدق میں ہمیں علاوہ سرکاری مشاغل کے اتنا فرصت کا وقت ملتا رہا کہ اُسے دکن ریویو کی ایڈیٹری کی اہم ذمہ داریوں پر صرف کرسکیں۔ کچھ تو ہماری خدمات کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ ہم اپنے علمی مشاغل کے لئے کافی وقت پس انداز کرسکتے تھے اور کچھ ہماری جسمانی اور دماغی توانائی کا وفور اس حد تک تھا کہ دفتر میں چھ گھنٹے جم کر کام کرنے کے بعد بھی ہم رات رات بھر بیٹھ کر کام کرنے کے لیئے تازہ دم رہتے تھے۔ اسی وفور توانائی کا نتیجہ تھا کہ سیر ظلمات۔ خیابان فارس جنگل میں منگل۔ جنگ روس وجاپان اور فسانہ لندن جیسی ضخیم وجسیم کتابیں پیش کرسکے اور پھر بھی دکن ریویو کے لئے وقت نکال سکے۔

لیکن اب ہماری خدمت کی نوعیت بدل گئی ہے جس کی وجہ سے ذمہ داری کا ایک بڑا بوجھ ہمارے سر پر آپڑا ہے اور سچ بات یہ ہے کہ زمانہ کے زبردست ہاتھ نے اُس مشین کے پرزوں کو کمزور کرنا شروع کردیا ہے جسے ہم غلطی سے سمجھتے تھے کہ فرسودگی کی قید سے آزاد ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ ہم اس کے لئے اتنا وقت نکال سکتے ہیں جیسا اب تک نکالتے رہے اور ایسی محنت کرسکتے ہیں جیسے اب تک کرتے رہے تو ظاہر ہے کہ دکن ریویو وہ وقعت وحیثیت قائم نہ رکھ سکے گا جو اُس نے ملک کے کثیر التعداد رسالوں میں حاصل کرلی تھی۔ اور چونکہ ہمیں یقین ہے کہ اُن حوالی میں جو ہمیں آج کل گھیرے ہوے ہیں اور اُن عوایق وموانع کے باعث جو اس کی ایڈیٹری کی خدمت کی راہ میں ہم اب حایل پاتے ہیں وہ اُس شگفتہ صحت کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا جس سے اُس کی ابتدائی نشو ونما ہوئی تھی اور جیسا وہ اب تک زندہ رہا ہے بلکہ ایک مضمحل اور پژمردہ زندگی کے ساتھ اپنے دن پورے کرے گا

لہذا ہم نے قصد کر لیا کہ اگر ممکن ہو تو اُس تمام ذمہ داری کو جو اس کے مالک
اور ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے اس وقت ہم پر ہے کسی ایسے شخص پر منتقل
کر دیا جائے جو اس سے عہدہ برا ہونے کا اہل ہو۔
معلوم ہوتا ہے کہ دکن ریویو کی زندگی کے دن ابھی باقی تھے اور خدا کو
اس کا صحت و توانائی کے ساتھ قائم رکھنا منظور تھا اس لئے کہ جب ہمارا
یہ مصمم عندیہ ہمارے بعض مقامی ناظرین کو معلوم ہوا تو ان میں سے ایک
صاحب نے بوجہ اُس الفت و محبت کے جو انھیں دکن ریویو کے ساتھ
ابتدا سے ہے اس بار امانت کے اٹھانے کی نسبت آمادگی ظاہر فرمائی۔
مولوی سید مودود احمد صاحب قادری جو دکن ریویو کے آئندہ مالک
و ایڈیٹر ہیں ایک نہایت روشن خیال بزرگ ہیں جن کے دل میں حب قومی
کا ولولہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور جن کی ہمیشہ سے یہ تمنا رہی ہے کہ اردو
لٹریچر کی خدمت گزاری کسی نہ کسی طرح کرتے رہیں۔ مولوی صاحب موصوف
نے دکن ریویو کے چلانے کے لئے کافی سرمایہ کا انتظام کرنے کے علاوہ ایک
لائق اسٹاف مددگاروں کا بہم پہونچا لیا ہے اور سب سے بڑی بات جو ہمیں
دکن ریویو کے آئندہ کامیابی کی طرف سے اطمینان دلاتی ہے یہ ہے کہ اس کے
مینیجر بدستور مولوی محمد بدیع الزمان خان صاحب رہیں گے جنھوں نے گذشتہ
دو سال میں اپنے فرایض مفوضہ کو نہایت لیاقت نہایت محنت اور اعلی درجہ
کی دیانت داری سے انجام دیا ہے اور جو اس کی حالت سے پوری طرح
باخبر ہیں۔ ہم اُس امانت کو جسے ہم جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں اپنی جانشین
کو سونپتے ہوئے یقین کرتے ہیں کہ جس پالیسی پر دکن ریویو اب تک چلایا جاتا رہا
ہے اُس کا اتباع وہ ثابت قدمی کے ساتھ کریں گے۔ اور جو تحریک دکن ریویو

کی وجہ سے علمی حلقون مین پیدا ہوگئی ہے اُس کے بوجہ احسن زندہ رکھنے کی کوشش مین سرگرمی و جانفشانی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھین گے ہمین دکن ریویو کے معاونین کرام سے بھی یہ امید ہے کہ وہ اُس محبت کو جو انھین دکن ریویو کی ساتھ ہے محض اس وجہ سے کہ اس کی ملکیت اور ایڈیٹری ظفر علیخان کی ذات سی علحدہ ہوکر دوسرے شخص کے نام منتقل ہوگئی ہے ذرا بھی کم نہ ہونے دین گے۔ اس آخری امید کے ساتھ ہم اپنے کرم فرما ناظرین و معاصرین سی رخصت ہوتے ہین اور اپنی جگہ ایک زیادہ تر لایق اور زیادہ تر مستعدی و شغف کے ساتھ کام کرنے والے شخص کے لئے خالی کرتے ہین۔

ہم نے یہ الوداعی فقرہ ختم کیا ہی تھا کہ جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے کا ایک عنایت نامہ عز صدور لایا جس کے ساتھ عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے۔سی۔آئی۔ای دام اقبالہم کا ایک مضمون دکن ریویو مین اندراج کی غرض سے ملفوف تھا۔ عالی جناب ممدوح کی ذات جنوبی ہندوستان مین اردو انشاپردازی کی بہت بڑی حامی اور سرپرست ہے اور آپ ہی کی قدردانی کے آغوش عاطفت مین دکن ریویو اب تک پلا اور بڑھا ہے۔ اس مضمون بلاغت مشحون کے عطیہ سے جس کا موضوع "ہولی" ہی عالی جناب ممدوح نے اُن عنایات مین ایک اور گرانقدر اضافہ فرمایا ہے جو اب تک دکن ریویو کے شامل حال رہی ہین۔ اگر تفاول کوئی چیز ہے تو ہم دکن ریویو کے آئندہ ایڈیٹر اور مالک کو اُس کی خوش قسمتی پر مبارکباد دیتے ہین کہ پہلا مضمون جو دکن ریویو مین اُس کے اہتمام سے شایع ہوگا وہ دکن کے بلندپایہ صدر اعظم کے پرزور قلم کا نتیجہ ہوگا جس سے زیادہ دکن ریویو کی نئی

زندگی کے حق مین کوئی مبارک فال نہین ہو سکتی۔

اس کے ساتھ ہی ہم کو یہ بھی امید ہے کہ عالی جناب مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہم اور جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے دکن ریویو پر بدستور وہی عنایت آمیز توجہ مبذول فرماتے رہین گے جس کے لحاظ سے یہ رسالہ اپنے اوپر جس قدر فخر کرے کم ہے۔

ظفر علیخان



رسید کتب

زرین ملک کی تلاش - ایک اول مرتبہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی - لاہور
قیمت علاوہ محصول ڈاک - - - - - - - - ۸/

منازل السایرہ - مرتبہ کارپردازان مخزن ایجنسی دہلی قیمت علاوہ محصولڈاک ۸/

دل سوز - نادل - دفتر پیام یار لکھنؤ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۸/

ایک اندھی لڑکی کی سرگذشت - مرتبہ فری ایج جرنل ایجنسی انارکلی - لاہور
قیمت علاوہ محصول ڈاک - - - - - - ۲/

اخلاقی اور روحانی حقیقی امتحان کی تیاری - مرتبہ مسٹر لیکھ راج اول مدرس مدرسہ ڈیرہ بخشیان ضلع راولپنڈی -
قیمت علاوہ محصول ڈاک - - - - - - ۲/

تحفۂ بےنظیر المعروف بہ لباب بر اعظم ایشیا - مولفہ مولوی کرم الدین صاحب ہیڈ ماسٹر ورنیکولر اسکول جیتر انوالی ضلع سیالکوٹ قیمت علاوہ محصولڈاک ۱۰/

فتاوی محمدی معہ شرح دیوبندی - مرتبہ مولوی سید اصغر حسین جتیبنی - حنفی دیوبندی -
ملنے کا پتہ
حافظ محمد عبد الغفور صاحب دہانگر ٹولہ جونپور
قیمت علاوہ محصول ڈاک - - - - ۶/۶ پائی

الصالحات یعنی نیک بی بیان - مرتبہ مولوی سید اصغر حسن صاحب حنفی دیوبندی ملنے کا پتہ حافظ محمد عبد الغفور صاحب دہانگر ٹولہ جونپور علاوہ محصولڈاک ۲/

آفتاب رسالت - مرتبہ مولوی سید عبد السبحان صاحب دہ - ملنے کا پتہ
انوار صابری الہ آباد - قیمت علاوہ محصول ڈاک ۴/



دکن ریویو

نغمہ ارادت

جلی محفل جہان مین شمع شعور ہوا جس سے پیدا ارادت کا نور
دکن بن گیا غیرت اوج طور ہوا سایہ حق کا جس پر ظہور
دعا آج اثر سے ملے گی ضرور پڑا غلغلہ ہے یہ نزدیک و دور
سلامت رہین بندگان حضور

فلک پایہ ہے آستان حضور ہے لطف خدا سائبان حضور
سکندر سے ملتی ہے آن حضور نہین بلکہ بڑھ کر ہی شان حضور
نواسنج ہین مدح خوان حضور کہ پامال ہون دشمنان حضور
سلامت رہین بندگان حضور

پڑا شمس کا ماند سارا نظام ہوا جلوہ گر جب ہمارا نظام
رعایا کی آنکھون کا تارا نظام ہین دل سے اور جان سے پیارا نظام
سکندر نظام اور دارا نظام غرض خسروی کا سہارا نظام
سلامت رہین بندگان حضور

خدا نے دیا ہم کو وہ تاجدار کرم اور نصفت ہی جس کا شعار
ہوا اوس سے قایم ہمارا وقار وہ آیا تو آئی چمن مین بہار
رعایا ہے سو جان سے اوسپر نثار نکلتی ہے دل سے دعا بار بار
سلامت رہین بندگان حضور

یہ ہے حاصل داستان دکن کہ آصف ہے صاحبقران دکن
ہوے جب سے تم حکمران دکن دوبالا ہوئی عز و شان دکن
دکن جسم ہے تم ہو جان دکن نہین بلکہ روح و روان دکن
سلامت رہین بندگان حضور

تیرے عدل کی گرم بازاریان مٹا دین گی ساری جفاکاریان
تیرے ہاتھہ نے کین گہرباریان تو دامن کو پیش آئین دشواریان
کرین گی ہماری وفاداریان تیرے قصر دولت پہ گلکاریان
سلامت رہین بندگان حضور

حقیقت ہے آئینہ دار مجاز خدا کی طرح تم بھی ہو بے نیاز
مگر بے نیازی پہ ہو کارساز لقب ہے تمہارا رعایا نواز
ہمین ہے تمہاری غلامی پہ ناز اگر تم ہو محمود ہم ہین ایاز
سلامت رہین بندگان حضور

یہ بزم جہان جب تک آباد ہو شہا تو ہوا و رحیدرآباد ہو
نئی شان اگر کوئی ایجاد ہو تیری شوکت و فر پہ ایزاد ہو
قضا کا تیرے حکم پر صاد ہو بقا تیری دولت کی ہمزاد ہو
سلامت رہین بندگان حضور

ایڈیٹر

فنون لطیفہ

(۲)

فن بُت تراشی کا وجود دنیا مین فن تعمیر کے بعد ہوا۔ اُس زمانہ مین جبکہ سائنس نے گہوارے سے قدم باہر نہین نکالا تھا اسکے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہین سمجھا جاتا تھا۔ ذوی الارواح تو کیا کواکب تک کے تغیرات کے لئے قواعد مقرر تھے لیکن یہہ کسی کو نہین معلوم تھا کہ وہ کونسا قانون ہے جو ایک بُت تراش سے اچھی صورت بنواتا ہے۔ مگر جب علم کا اُجالا پھیلا اور تمام قسم کے صنایع و بدایع کی زمام حکومت سائنس کے ہاتہ مین آئی تو خیالات مین تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی اور یہ راز فاش ہو گیا کہ فن بُت تراشی بھی اصول و قواعد کا پابند ہے اور فن مصوری کی طرح اپنے زمانہ کے خیالات کا پرتو ہے۔ بعض مصنف کہتے ہین کہ تمام صنعتون اور فنون کی غایت یہ ہے کہ اُن کے دیکھنے سے انسان کو مسرت حاصل ہو۔ لیکن سرجان لبک کی راے مین وہ فن کی یہ بہت ناقص تعریف ہے۔ ایک کتب خانہ کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ اُسکی غایت دیکھنے والون کو مسرت پہونچانا اور مکان کیلئے باعث آرایش ہونا ہے"۔ مگر فن بُت تراشی ایک ایسا فن ہے جس سے انسان کی نظر غائر اور باریک ہو جاتی ہے اور خود صاحب فن کو اس سے ایک ایسی لذت حاصل ہوتی ہے جو کسی دوسرے شغل مین حاصل نہین ہو سکتی۔ بڑے بڑے ماہرین فن اکثر بڑے غور و خوض کرنے والے گذرے ہین۔ بُت تراش۔ مصور۔ شاعر اور فلسفی۔ ان سب کے دماغ ایک سے ہوتے ہین۔ تینون کو ایک سی قابلیت عطا ہوتی ہے چاہے عمل کے طریقے مختلف ہون۔ اور سب کا مذاق ایک سا ہوتا ہے۔ ان فنون کو جیسا کہ کہا

جاتا ہے خود نیچر پر تفوق حاصل ہوتا ہے - افلاطون کا قول ہے کہ "اگر تم ایک ایسے آدمی کو لو جسے قدرت نے بنایا ہے اور اُسکا مقابلہ اُس بت سی کرو جسے خود انسان نے بنایا ہی تو قدرت کی بنائی ہوئی صورت خوبصورتی مین ہمیشہ کم درجہ پر نظر آئیگی کیونکہ فن بمقابلہ نیچر کے زیادہ صحیح و درست ہوتا ہے" بیکن بھی اپنی کتاب ترقی علوم (اڈوانسمنٹ آف لرننگ) مین لکھتا ہے کہ "چونکہ دنیا روح سے کمتر رتبہ رکھتی ہے - اس وجہ سے روح انسانی کو اُس سے زیادہ بڑائی - اُس سے کامل تر نکوئی اور اُس سے زیادہ پختہ تنوع کی خواہش ہوتی ہے جسقدر کہ اُسے اشیاے قدرت مین عام طور پر نظر آتی ہے" قدیم یونانیون مین ایک کہانی مشہور تھی کہ پرامی تھیوس نے ایک مرتبہ منروا (علم وفضل کی دیبی) کا ایک خوبصورت بت بنایا - دیبی اس بت کو دیکھکر نہایت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ اس بُت کی تکمیل مین اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مین آسمان سے لے آؤن - پرامی تھیوس بہت عقلمند تھا - اُسنے کہا بہتر یہ ہے کہ مجھے ہی وہان لے چل تاکہ مین جو چیز چاہون لے آؤن - دیبی راضی ہوگئی اور اوسے آسمان پر لے گئی - پرامی تھیوس وہان پر یہہ دیکھکر کہ ہر شے کی زندگی کا باعث آگ ہے اپنے ساتھ اسی آگ کی ایک چنگاری لیتا آیا اور اپنے بت مین ڈال دی جس سے اُس مین جان پیدا ہوگئی - اس کہانی سے یہ غرض ہے کہ ان تمام فنون کی غائت قدرت کی اصلی صورت کے مشابہ صورت بنانا ہے - مگر نقل کو حصول شے کے لئے ایک ذریعہ تصور کرنا چاہیئے نہ کہ غایت فن - سر جوشوا رنیالڈز کا قول ہے کہ جسقدر زیادہ صاحب فن نیچر کا مطالعہ کرتا ہے اُسیقدر زیادہ وہ شے کے صحیح و کامل تصور کے قریب ہوتا جاتا ہے - سر جان لبک کہتے ہین کہ "صاحب فن کو چاہیئے کہ نئی نئی باتین پیدا کرے

اور نقل بھی کرے" ڈاکٹر کرزن کا قول ہے۔ "جو چیز ہم بنانا چاہتے ہین اُسکی نظیر کے لئیے اگر ہمنے کسی حقیقی اور اصلی شے کو مدنظر نہین رکھا ہے تو ہمارے متخیلہ کو بےجان سمجھنا چاہیئے لیکن ساتھہ ہی اگر وہ حقیقی اور اصلی شے ہمارے متخیلہ کے ساتہ ہم آغوش نہین ہے تو اس مین جلوہ حُسن کبھی نہ پیدا ہوگا۔ دونون کو ایک جگہہ جمع ہونا چاہیئے۔ دونون ایک ساتہ اور باہم ملے جلے رہین تو اچھا ہے۔ اسی طور پر بہتر سے بہتر شے تیار کی جاسکتی ہے۔ حُسن کو یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ نیچر کی جو اپنی جگہہ پر خود ناقص ہے محض نقل ہی نقل ہے بلکہ وہ بجائے خود ایک مستقل شے معہود فی الذہن ہے"

یہی مصنّف ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ "پاک لطیف اور حسین اشیا محض اُس ذات پاک کے جلوے کے مختلف مظاہر ہین۔ اس صورت مین جب ہم سچائی۔ حسن اور نکوئی سے محبت کرتے ہین تو اصل مین ہماری محبت کا مقصود خود وہ ذات بےہمتا ہے۔ خدا کی ذات کی محبت ان مختلف جلودن کی محبت مین مخفی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس ذات بےہمتا کے جلوے کا تماشا جو تمام پاک نفیس اور خوبصورت اشیا مین نظر آتا ہے صرف انہین مختلف مظاہر پر منحصر نہین کہا جاسکتا" اس فن کی تعریف سڈنی کالون اسطرح کرتا ہے۔ "یہ ایک قسم کا فن صورت گری ہے جسکا کام یہہ ہے کہ اشیاے قدرت خاصکر جسم انسانی کی نقل اشیا کو گھڑ کر اُتارے اسطور پر کہ طول و عرض و عمق (یا دبازت) تینون مین تناسب ہو یا کم سے کم صرف لمبائی اور چوڑائی مین تناسب اور تیسرے جزو یعنی عمق (دبازت) مین کسی قدر کمی ہو۔ اس فن کی ابتدا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کارنتہہ مین ایک کمہار تہا جسکا نام بوٹاڈیس تہا جس نے سب سے پہلے آدمی کا ایک چہرہ چکنی مٹی کا بناکر اپنے برتنون کے ساتھہ

پکایا تھا۔ تاریخ سے جو پتہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جیس مین سنہ ۶۶۰ قم مین سنگ مرمر
کے بت بناے جاتے تھے۔ برن ایک جرمن محقق کا خیال ہے کہ یونان مین
کانسے کی دریافت کے قبل صرف عبادت گاہون کے لیئے بُت بنائے
جاتے تھے مگر پھر سنگ مرمر کے بُت بناے جانے لگے اور جیس بُت تراشی کا
مرکز بن گیا۔ اسکے دیکھا دیکھی مگنیسیا۔ سی سیون۔ کریٹ اور ایجینا مین بھی چرچا
شروع ہوا جہان اس فن نے بہت ترقی حاصل کی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ
ان مین سے اکثر مقامات جزیرے تھے جو مشرقی ممالک کے متصل واقع تھے۔
اسلیئے کیا یہ نہین کہا جا سکتا کہ جزیرے والون نے درحقیقت مشرقیون سے اکتساب
فن کیا ہو؟ بہرحال ان تمام مقامات یعنی سی سیون۔ آرگس۔ ایجینا اور اتھنس
مین ڈیونس۔ مائی رونی۔ پالی کلی ٹس۔ کیلن اور ہرموڈیس وغیرہ مشہور بُت
تراش گذرے ہین جنہون نے اپنے کمال کو زیادہ تر دیوتاؤن اور دیبیون کی
مورتین بنانے مین ظاہر کیا۔ مگر اس فن نے اب میدان مین قدم آگے بڑھایا
اور پلینی کے بیان پر اگر اعتبار کیا جاے تو فیثا غورث پہلا شخص تھا جسنے
سائریا کیوس مین فلوکٹی ٹیز کی مورت بنائی جسمین اُسنے یہہ دکھایا کہ گویا فلوکٹی ٹیز
چلنے کو قدم بڑھاتا ہے مگر پیر مین ایک زخم کی وجہہ سے سخت تکلیف ہے اور
رگ اور پٹھے تنتنے اور نسین کھنچتی معلوم ہوتی ہین۔

فتوحات سلامیس۔ پلیٹیا اور مائیکیل کے بعد یونانیون مین اپنی کامیابیان کی
یادگارین قائم کرنے کا ایک جوش پیدا ہوگیا اور طرح طرح کے بُت بنائے گئے۔
بعض مندرون مین سجائے گئے۔ بعض دیگر عمارات مین رکھے گئے۔ اسوقت تک
بتون مین علم الادیان کے لحاظ سے بہت کچھ نقص ہوتا تھا مگر سنہ ۵۰۰ قم سے جسمین
اتھنس کا ایک باشندہ فی دیس مشہور بُت تراش گذرا ہے یہ خرابیان دور ہو چلین

اور اسکی بنائی ہوئی مورتین جو برٹش میوزیم مین موجود ہین اُسکے کمال کا پتہ دیتی ہین۔
اسکے بعد انکمی نیر اور اگوریکریٹس اسکے دو شاگرد مشہور ہوے۔ ایتھنس کے اِن
بُت تراشون کے مقابلہ مین پیلوپانی سس مین پالی کلی ٹس اور اُسکے شاگرد گذرے
ہین جو بُت تراشی مین اپنے ایتھینی حریفون سے کچھ کم نہ تھے۔ محاربہ پیلوپانی سس کے
بعد یونانیون کے دلون پر حبس غم و اندوہ۔ یاس و حرمان نے ہجوم کیا اُسکا اثر زمانہ
مابعد کی تمام یونانی مورتون مین پایا جاتا ہے۔ اس زمانہ مین اسکوپاس بہت
مشہور بت تراش گذرا ہے جو کیفیت طبع و جذبات انسانی کو پورا پورا ظاہر کرسکتا تہا
یونانیون کے کنہیا اپالو کا ایک بُت اُسنے بنایا تہا جو اب تک ایتھنس مین بحفاظت
تمام رکھا ہوا ہے۔ اسمین جو کیفیت کہ دیوتا پر اپنی موسیقی کے اثر سے پیدا ہوگئی
ہے اُسکا نہایت صاف و واضح طریقہ پر اظہار کیا ہے۔ اس مصور کا شمار یونانی
بُت تراشون کی دوسری جماعت مین ہے جو چوتھی صدی قبل حضرت مسیحؑ مین مشہور
ہوئی تھی۔ انکے ہمعصر آرگس اور سی سیون مین یوفرنیار وغیرہ ہوے ہین۔

جب اسکندر فیلقوس کا زمانہ آیا اور فتح مشرق کے بعد دولت و ثروت کا
مینہ یونان پر برسنے لگا تو یہ فنون بہی اُسکے اثر سے بچ نہ سکے۔ اس زمانہ کے تمام
بتون مین جو ایتھنس اور سی سیون کے بت تراشون نے بنائے یہہ اثر پایا جاتا
ایتھنس مین پیر کزی ٹلیس کے بیٹون سفی لوڈوٹس اور تمارکس نے اور
سی سیون مین لسی پس کے بیٹون اور شاگردون نے بہت ناموری حاصل کی۔
ان دو طبقون کے علاوہ روڈز اور پیرگیمس کے طبقات بہی مشہور
ہین جنہون نے دوسری اور تیسری صدی قبل حضرت مسیحؑ مین شہرہ حاصل کیا تھا
ہندوستان مین اس زمانہ کے ہندیون کے بنائے ہوے بتون کے نمونے
بھی کسیقدر وقعت رکھتے ہین۔ یہہ اپنے انداز مین بالکل ہندی الاصل ہین۔

ان مین ہاتھیون- ہرنون اور بندرون کی مورتین بھی پائی جاتی ہین جو بتاتی ہین کہ انکے بنانے والے کسقدر نقل کو اصل سے ملا دینے والے تھے- ہندوستان مین اس فن کی ترقی سکندر اعظم کے حملے کے بعد بہت ہوئی اور چوتھی پانچوین صدی مین بہت اعلیٰ درجہ پر پہونچ گیا-

مگر یونان مین اس فن کے عروج کا زمانہ رومیون کی فتح تک رہا- انھین فنون لطیفہ سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی اسلیئے یہ زمانہ فن کی بے قدری کا شمار کیا جاتا ہے- قوم فاتح کی اس بے اعتنائی کے باوجود ایتھنس والون نے اپنا اصلی مذاق نہ چھوڑا- اس زمانہ مین جو کچھ ترقی انھون نے کی اُسے "نیواٹیک اسکول" کی جانب منسوب کرتے ہین جسکے مشہور بت تراش پالک سیر اور اُسکے بیٹے پوتے تھے-

رومتہ الکبریٰ مین جمہوری سلطنت کے اختتام کے وقت ایک بُت تراش پسی ٹلیز گذرا ہے جو ہنرمندی مین نیواٹیک اسکول والون سے بہت بڑھ چڑھ کر تھا- اسکے بعد رومتہ الکبریٰ مین جولیس کے زمانہ مین آرسیسی لاس گذرا ہے جو گو متقدمین کے مقابلہ مین کچھ نہ تھا- مگر متاخرین مین سب سے اچھا سمجھا جاتا ہے-

چوتھی صدی عیسوی مین جبکہ روما مین قسطنطین اعظم کی اولاد حکمران تھی یہہ فن معرض زوال مین آیا- پانچوین صدی بھی یون ہی گذری- چھٹی صدی عیسوی مین بیشک جسٹنین کے زمانہ مین بائی زن ٹیم کے اثر سے آیونیا مین ایک خاص قسم کی سنگ تراشی کا رواج ہوا جسکا مقصد آرایش مکان ہوتا تھا- سنگ مرمر کی بڑی بڑی سلون پر مور اور دوسرے پرندون کی اُبھری ہوئی تصویرین کاٹ کر آرایش کے لئے پردے اور منبر بنائے جاتے تھے- بائی زن ٹیم

(قسطنطنیہ) جب سلطنت روما کا دار السلطنت قرار پایا تو زمانہ وسطی کے تمام
فنون کو یہین سے نشو و نما حاصل ہوئی جسکی یادگار مین سینٹ پیٹر کا ایک رومین
بُت اب تک موجود ہے- اس زمانہ مین دہات کے کامون کو زیادہ فروغ
حاصل ہوا- بانی زن شیم کا یہ اثر قریب قریب بارہوین صدی تک تمام ممالک
یورپ پر حاوی رہا- انگلستان مین حضرت عیسیٰ کی اُبھری ہوئی مورت اور
لیزارس کی قبر جو چچیسٹر مین اب بھی موجود ہے اس زمانہ کی یادگارین ہین- بارہوین
صدی عیسوی کے بُت تراشی کے بہترین نمونے نائٹس ٹمپلرس کی مجسمے ہین جو ٹمپل
چرچ لندن مین اب تک محفوظ ہین اور ہنری سوم اور ملکہ ایلینار کے وہ مجسمے ہین
جو وسٹ منسٹر ایبی مین موجود ہین- تیرہوین صدی عیسوی مین انگلستان مین اکثر
گرجون کی آرایش کے واسطے بُت بنائے جاتے تھے- ہان فرانس کی تاریخ
مین یہ زمانہ بُت تراشی کے لئے ایسا گذرا ہے کہ دنیا مین کوئی دوسرا ملک اسکا
مقابلہ نہین کرسکتا تھا- پیری سین سینٹی چیپل کے بُتھائے ملائک اور ایم نیز کے
گرجے مین حضرت مسیحؑ اور پیغمبرون کے بت اور بتھائے ناٹرڈام اس زمانہ کی چند
مثالین ہین جو اپنا جواب نہین رکھتین- جرمنی مین بھی اس زمانہ مین بُت تراشی کا
خوب چرچا رہا مگر فرانس کا مقابلہ کبھی نہ ہوسکا- فرائی برگ گرجے کا طلائی پہاٹک
اور حضرت مریمؑ کی وفات کی اُبھری ہوئی تصویر جسکے گرد حواری اور پیغمبر غم و رنج
مین مبتلا ظاہر کئے گئے ہین- جرمنی مین اس صدی کی یادگار کے طور پر باقی ہین-
جنوب اٹلی مین ایک مدرسہ بت تراشی کا تھا جسمین فرانس کی تقلید کی جاتی تھی-
یہان صرف ایک شخص کاس می ٹائی کچھ قابلیت کا گذرا ہے باقی دوسرے کچھ
ایسے زیادہ اچھے نہ تھے-

انگلستان مین چودھوین صدی عیسوی کی یادگار ایڈورڈ سوم اور

رچرڈ دوم اور اوسکی ملکہ کے مجسمے ہین جو دوسرے ممالک کے مقابلہ مین کچھ بہت اچھے نہین کہی جا سکتے۔ فرانس مین یہ زمانہ بُت تراشی کے لحاظ سے اچھا نہ تہا۔ اسمین بجاے ترقی کے کچھ تنزل ہی ہوا۔ جرمنی کی رفتار بھی کچھ دھیمی تہی نیورنبرگ کے بُت اس زمانہ کی صنعت کی شاہد ہین۔ ہان اٹلی مین فلارنس نے بڑے بڑے نامور بُت تراش پیدا کئے اور روہ اور قرب وجوار کے شہر اس فن کے لحاظ سے مرجع انام بن گئے حتیٰ کہ پندرہوین صدی عیسوی مین فلارنس دنیا کے فنون لطیفہ کا مرکز بن گیا اور قدیم زمانہ کے ایتھنس سے مقابلہ کرنے لگا اور ڈوناٹیلو رابیا اور پسانیلو کے کامون نے یونان قدیم کی یاد تازہ کردی۔ اٹلی کے شمالی حصہ مین خاصکر ویرونا اور وینس مین بت تراشی کے چند مدرسے تھے جو ٹسکنی کے فنون سے اختلاف رکھتے تھے۔ پسانائی اور ارنالفو دل کیمبیو اس زمانہ احیائی فن مین اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ انکے بعد ارکیگنو وغیرہ ہوئے جو اپنے اُستادون کے قدم بقدم چلے۔ مائنو ڈی فائی سولا اور دونون بھائی روزلائن بینیڈٹو ڈی مینو اور دوسرے بُت تراشون نے مذہبی مورتون مین اپنے کمال کی ایسی نظیرین چھوڑی ہین کہ اسوقت تک اُنکا جواب ممکن نہ ہوا۔ پیڈنا کا بت جو ڈوناٹیلو نے بنایا اور کیلونی کا بُت جو ورجیو اور لیو یارڈی نے بنایا دنیا کے بہترین بتون مین شمار کئے جاتے ہین۔ انکے بعد میکائیل انجیلو پیدا ہوا جسنے اِس فن کو انتہائی کمال تک پہونچا دیا۔ حضرت داؤدؑ کا سر جو اس بت تراش نے بنایا ہے اوس کی کمال صنعت کا گواہ عادل ہے۔ اٹلی کے فن کو اس کے بعد زوال شروع ہوا اور جس طرح اور فنون دولتمندون کے ہاتھہ مین پڑ گئے تھے یہہ بھی اون کے قبضہ مین چلا گیا۔

اس صدی مین جرمنی نے بھی بہت کچھہ ترقی کی اور بڑے بڑے صاحب فن

پیدا کئے - جارج سرلن - وائٹ اسٹاس اس زمانہ کے مشہور بُت تراش گذرے ہین جو لکڑی کے بُت بنایا کرتے تھے - نیورنبرک کا خاندان وزچر تین پشتون تک مشہور رہا - اس خاندان مین پیٹر وزچر اُستاد فن تسلیم کیا جاتا ہے - اسکے مشہور کامون مین آرچ اور بشپ کی قبر تھی جو میگڈیبرگ کے گرجے مین اب تک موجود ہے

سولھوین صدی عیسوی فن اطالیہ کا زمانہ زوال تھی - فرانس نے بھی جو کچھہ کیا اٹلی ہی کی تقلید مین کیا بنوینوٹو سیلینی کا اثر اس صدی مین تمام فرانس پر غالب تھا - جین گوجن (المتوفی ۱۵۷۲ع) اس زمانہ مین فرانس کا مشہور بُت تراش گذرا ہے - اسکی بنائی ہوئی ڈائنا کی مورت جو لاورین مین موجود ہے حُسن شے اور کمال فن کی ایک یادگار ہے - جرمنی مین شروع شروع خاندان وزچر کا اثر غالب تھا مگر آخر حصہ صدی مین اٹلی کا اثر غالب ہوگیا - انگلستان اس زمانہ مین جرمنی کے اثر سے متاثر تہا جسکا ثبوت اُن مورتون سے ملتا ہے جو ویسٹ منسٹر مین ہنری ہفتم کے گرجے کی دیوارون پر نصب ہین -

سترھوین صدی عیسوی مین انگلستان - فرانس اور جرمنی مین یہہ فن تنزل کی حالت مین رہا - اٹلی مین صرف برنی نائی ایک شخص نیپلس کا رہنے والا تھا جسکی اپالو اور ڈیفنی کی مورتین عجیب لطافت و کمال کی نظیرین ہین اٹھارھوین صدی عیسوی مین اٹلی مین کوئی رونو - کوراڈائی نائی اور سمار ٹینو نے چند لاجواب بُت بنائے جو سینٹ میریا دی سانگرائی کے گرجے مین ابتک موجود ہین انگلستان مین اس صدی مین یہ فن فلانڈرس اور دیگر غیر ملک والون کے ہاتھہ مین تہا - انگریز بُت تراشون مین صرف جان بیکن اور جان فلیکسمین صاحب شہرت گذری ہین - فرانس مین اس زمانہ مین جین انتونی ہانڈن تھا جو اس فن مین عجیب غیر معمولی دسترس رکھتا تھا - اسکے بنائے ہوئے چند بُت اسکے کمال کے آجتک

داد طلب ہین - جرمنی مین بُت تراشی کے شوق کی آگ جو گذشتہ صدیون مین بجھہ چلی تھی اس زمانہ مین سُلگ اُٹھی مگر بجائے زمانہ اوسط کے طرز کے قدیم یونانی طریقے کی پیروی کیجانے لگی جسمین اعلیٰ درجے کی کامیابی کبھی حاصل نہوئی - انیسوین صدی کے آخر مین ترقی کی رفتار ذرا تیز ہوئی اور جرمنی نے چند ایسے بُت تراش پیدا کئے جو اپنے فن مین کسی قدیم و جدید شخص سے کم درجہ پر نہ تھے - کارپو اس زمانہ مین سب سے زیادہ مشہور تھا -

فن بُت تراشی مین جو ترقی عیسائیون اور بُت پرستون نے کی اوسکا کسیقدر اندازہ ناظرین کو ہوگیا ہوگا - رہے مسلمان - اُنھین اس فن سے کوئی مناسبت نہ تھی بلکہ اگر کچھہ تھا تو بغض ہی تھا - اونکا مذہب بُت پرستی و بُت تراشی دونون کا دشمن اور سخت دشمن ہے - پھر بھی بعض مسلمان بادشاہون کے محلات مین بُت اکثر سجاوٹ کے طور پر رکھے جاتے تھے - شاہان اودھ کے باغون اور محلات مین بُت آراستہ تھے مگر یہ نہین کہا جا سکتا کہ یہ مسلمانون کے بنائے ہوئے تھے یا غیرون کے - بلکہ قیاس کا رجحان زیادہ تر آخر الذکر اشخاص کی جانب پایا جاتا ہے - موسیو لی بان نے ایک خلیفہ مصر کے محل کا حال لکھا ہے "جسکا قصر اُسکے محل کی بیبیون کی مورتون سے بھرا ہوا تھا"۔ اندلس کی تاریخ مین اس قسم کی بہت سی نظیرین پائی جاتی ہین - عبد الرحمن اعظم کے قصر اور اوسکی بیگم کے محل مین بکثرت بُت سجے ہوئے تھے مگر بقول اوسی مصنف کے "عربون کی بُت تراشی کے بہت ہی ٹوٹے پھوٹے نمونے ہم تک پہونچے ہین - ان مین الحمرا کی بیت العروس کی عجیب مورتین اور پیسا کے کامپو سنٹو کی کانسی کی بنی ہوئی نصف شیر او نصف باز کی مورت اور فورتونی کے عجائب خانہ کا وہ کانسی کا شیر جسکے مُنہ سے فوارہ جاری تھا رہ گئی ہین لیکن یہ نمونے زیادہ تر اوس حرفتی صناعی کی مثالین ہین جو کسی خاص ضرورت سے بنائی جاتی ہین اور ا دکو فن لطیف یعنی بُت تراشی کے نمونے نہین کہہ سکتے -

محمد معشوق حسین خان

قصیدہ

فی التغزل والنعت

قسمت پہ عزیزانِ کرون کیون نہ مباہات
کس عربدہ جو سے ہوئی ہی آج ملاقات

توڑی اثر نالہ نے جب مہر لب ضبط
کس شوق سے کھلنے لگی طومار شکایات

کام آہی گیا گریہ بیتابیِ فرقت
اک عمر سے نکلے ہی نہ تھے دل کے بخارات

دن ختم جو ہوتا تھا تو کرتا تھا دعائین
اللہ کرے خیر سے کٹ جائے کہین رات

بیربطیِ شیرازۂ اجزائے طبیعت
اسطرح کہ جیسے ہو پریشانیِ ذرات

اک قہر تھا مجبوری و دعوائے محبت
برسون سنی ناصح کی وہ تقریر خرافات

کیا پوچھتا ہی لذتِ آزادگیِ عشق
جکڑے ہوئے تھی پاؤن کو زنجیر خیالات

دل تا جگر اک ایسا بیابان تھا کہ توبہ
رونے کی فقط ایک صدا آتی تھی دن رات

گہہ لب پہ مرے بتکدہ مین یا صنم آیا
کعبہ مین پکارا کبھی ای قاضی حاجات

ہر شب تھی پرستاریِ اوہام جنون خیز
ہر صبح تھی درگاہ محبت مین مناجات

اللہ رے وہ بیخودی شوق کا عالم
کوشش تھی کہ ہو جائے کہین تم سے ملاقات

وہ دل جو تھا خمیازہ کشِ لذتِ وصلت
اسوقت نہ پوچھو اس دل سرگشتہ کے حالات

تجھ کو اثر جذبہ عاشق کی قسم ہے
اب دی میرے ان چند سوالون کے جوابات

تا چند سراسیمہ رہون صورتِ سیماب
فرمایا کہ جب تک رہی شوخیِ اشارات

مینے یہ کہا ہو گا ستم مجھ پہ کہان تک
فرمایا یہ جب تک کہ رہین تجھ پہ عنایات

کی عرض یہ مینے کہ رقیبون پہ نوازش
فرمایا وہ در اصل ہین شایان مراعات

مینے یہ کہا آئے ہو مقتل مین تہیدست
فرمایا کہ کافی ہین مرے چند اشارات

مینے کہا زندہ ہین شہیدان محبت — فرمایا تجھے قتل کرونگا پئے اثبات

مینے یہہ کہا دل مین بھڑکتا ہے جہنم — فرمانے لگے ہی یہ محبت کی مکافات

مینے یہ کہا جاؤنگا اب میکدہ کو مین — اک جام پیونگا پئے تردید خیالات

غصہ سے کہا چشم فسونساز کو مَیں کے — لے دیکھہ لے سب کیفیت بزم خرابات

مین نے اثر نالہ مجنون جو سنایا — بولے کہ نہین معتبر اب ایسے حکایات

دریافت جو کی ماہیت برق تجلی — فرمایا یہ ادنی ہی مری رمز و کنایات

پوچھا دل گم گشتہ کو اپنے کہ ہوا کیا — فرمایا کہ لازم نہین اندیشہ مافات

مینے یہ کہا وصل تو ممکن ہی پس مرگ — بولے مرے نزدیک ہی تاویل خیالات

مینے جو کیا وصف جمال مہ کنعان — فرمایا ملاحت ہی نہین جب تو ہی کیا بات

مینے یہ کہا عشق کی خلقت ہوئی پہلے — فرمایا غلط سب سے مقدم ہی میری ذات

اس چھیڑ سے مطلب تو غرض ہو گیا حاصل — گستاخی تقریر میری رہ تو گئی بات

ہان ہان مجھے باور ہی خفا کس لئے ہین آپ — سر حلقہ ارباب شہود آپ ہی کی ذات

مینے یہ کہا وصل تو ثابت ہے مری جان — کیا بھول گئے تم شب معراج کے حالات

فرمایا کہ ابرو تجھے وہان بھی تو کشیدہ — تھے دونون کمانون مین جدائی کی اشارات

مینے یہ کہا ہاتھہ سر دوش تہا کس کا — فرمایا نہ پوچھہ اسکو وہ تھی اور ہی اک بات

کس ذیل تہا بوسہ پاہائے مبارک — یہ تو مجھے بتلائیے اے قبلۂ حاجات

فرمایا وہ تھی عرش الٰہی کی جسارت — مانع ہوئی مجھکو روش حسن مراعات

مینے کہا فرمائیے خلوت مین رہا کیا — فرمایا یہ ہین راز نہ کر ایسے سوالات

بہتر ہے کہ پڑھ مدح مین میری کوئی مطلع — تا خلق پہ ظاہر ہو ترا جوش موالات

سایہ بھی جدا جسم سے ہوتا نہین دن رات
زور کشش حسن خداداد کی کیا بات

یہ کہکے ترے حلقۂ گیسو مین چلا دل | ہی آج ہمارے لئے معراج کی یہ رات
کیا ذکر مرا دل بھی ہی میرے تو زبان بھی | مشتاق رہی تجھ سے تکلّم کے جمادات
سوئی مین بھی وا چشم حقیقت نگری ہی | یکسان ہی ترے واسطے سب دن ہو کہ ہو رات
ہون راز جلی یا کہ خفی تجھ پہ ہویدا | تو دیکھہ رہا ہی عقب و پیش کے حالات
تو شارح آیات کتاب فتدلّی | خلوتکدہ حسن کی ہمراز تری ذات
ہر جامۂ نو قامت موزون پہ مزیّن | کرتا ہی ترے پیکر نازک پہ مباہات
اللہ ری شوخی تری اک چشم زدن مین | طے تو نے کئے ہین حجب عرش و سمٰوات
کس مُنہ سے کہون کیفیت لذت تقریر | اللہ قسم وحی سمجھتا ہون تری بات
زلفون سی تری چین جبین کا ہی اشارہ | ہو معجزہ شق قمر آئی ہے اب رات
کہتے ہین اسی واسطے تجھ کو ابو الارواح | تھا نور ترا مظہر ارضین و سمٰوات
وہ مُہر نبوت ہے نہین سنگ حرم کچھہ | ہان تو ہمہ تن کعبہ ہی اے قبلۂ حاجات
ہی قصد بتاؤن کا الگ عرش محبت | کرتا ہون بہم جمع تری راہ کی ذرات
کرتا ہون ترے نام پہ ختم اپنا قصیدہ | دور صلوات اب ہو کہ ہی جوش موالات

محمود و محمد شرف عالم و آدم
میر عرب و میر عجم سید سادات

مرزا محمد ہادی عزیز

نامہ روح

تمہید

علوم طبیعات مین روز بروز نئی نئی تحقیقاتین اور استکشافات ہو رہے ہین اور اب تک ایسی ایسی باتین دریافت ہوئی ہین کہ جنکے سننے سے انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ زمانہ کی رفتار ترقی پر ہے اور ہر ایک قوم اپنے اپنے زمانہ مین صفحہ ہستی پر اپنی امٹ یادگار چھوڑ گئی ہے۔ فلسفہ اور علم طبیعی و کیمسٹری نے مذہبون کو بنیاد سے ہلا دیا ہے اور جس ملک مین ان علوم نے ترقی کی ہے وہان الحاد اور دہریت پہیل گئی ہے۔ لوگون کے عقاید مین فرق آگیا ہے اور مذہبی پابندیون سے آزاد ہوگئے ہین۔

یورپ کے اکثر ممالک مذہب کا طوق صرف ملکی مصلحت کی وجہ سے گردن مین ڈالے ہوئے ہین ورنہ اگر پولیٹیکل مصلحتین مانع نہ ہوتین تو اب تک دین عیسوی کا کبھی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔

حال مین ریویو آف ریویوز کے مطالعہ سے مجھے اس نئے استکشاف کا حال معلوم ہوا ہے جس سے مردہ لوگون کی روحین بعد مرگ بہی دنیا مین اپنا پیام بہیج سکتی ہین۔ اب یہہ واقعہ خواہ جہوٹ ہو یا سچ مگر اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مین یہہ کہہ سکتا ہون کہ بیشک یہہ تحقیقات بے بنیاد نہین۔ مجہپر جو واقعہ گذرا ہے اگرچہ میرے قوائے ذہنی کے اعتدال کے فقدان کا باعث ہی کیون نہ قرار دیا جائے مگر اُس نے میرے دل و دماغ پر کچھ ایسا اثر کیا ہے کہ مجھے اس پر ایمان لانے مین ذرا بھی تامل نہین۔

پرسون کا ذکر ہے کہ مین نے رات مین یہہ خواب دیکھا کہ کوئی شخص جسکی صورت اور نام سے میری آنکھین اور میرے کان آشنا ہین مجھ سے اُن واقعات کا ذکر

کر رہا ہے جو اسکو دنیا اور عاقبت مین پیش آئے ہین اور مین انہین قلمبند کرتا جاتا ہون
صبح کے وقت جب مین بیدار ہوا تو مین نے اپنے پلنگ پر کاغذ کے چند
صفحے پائے - میرے استعجاب اور حیرت کا کون اندازہ کر سکتا ہے کہ جب ان صفحات
کے پڑہنے پر مجھے یہہ معلوم ہوا کہ یہہ وہی حالات ہین جنکو مین نے عالم خواب مین
قلمبند کیا تہا مین اُن حیرت انگیز حالات کو ناظرین دکن ریویو کی دلچسپی کے لئے ذیل مین نقل کرتا ہون -

اندور - ۲۲ / فروری ۱۹۰۹ء منظور حسن

میری زندگی کا ابتدائی دور جو تین یا چار برس سے زیادہ نہین رہا ایک
بے لوث زندگی کا نمونہ تہا - اسوقت تک میری زبان حیلہ سازیون اور دروغ گوئیون سی
آشنا نہ تہی - میرے دل کا آئینہ گناہون کی کدورت سے آلودہ نہ تہا - ان دنون
میرا تتلا تتلا کر باتین کرنا سُننے والون کے دلون کو لُبھاتا تہا اور میری شوخیان لوگون کو
برانگیختہ کرنیکی بجاے اُنسے میرے لئے پیار اور محبت کا خراج طلب کرتی تہین -
مان باپ کے علاوہ اغیار و اجانب بہی مجھے پیار کرتے گودیون مین کہلاتے اور
میرا دل خوش کرنے کے لئے خود بہی میری طرح الفاظ بگاڑ کر بولتے تہے -

یہہ اچہا زمانہ آنکہہ بند کرتے ہی گذر گیا اور اب وہ دور حیات شروع ہوا کہ
جب اول اول میری زبان والدین کی خفگی کے خوف اور اُستادون کی ناراضگی کے
ڈر سے حیلہ بازیون اور دروغ گوئیون سے آشنا ہو گئی - اب مین ایک ایک دن مین
کئی کئی بار جہوٹ بولنے لگا مگر افسوس اس جہوٹ پر بہی مین اپنے والدین کے ناصحانہ
عتاب اور شفیق اُستاد کی جائز سختی سے نہ بچ سکا -

جون جون میری عمر کے ساتہہ میری قوتین بڑہتی گئین اُن قوتون کے ساتہہ
مذموم خصلتین بہی ترقی پذیر ہوتی رہین حتی کہ اکثر بُری عادتین میرے دل مین ایسی
راسخ ہو گئین کہ گو ان کو بعد کے زمانہ مین مین نے ترک کرنے کی کوشش بہی کی مگر ناکام رہا

لڑکپن مین جہوٹی شیخی بے معنی تعلی لغو خوشامد پسندی کی عادتین پیدا ہوگئین۔ نوکر چاکرون کی خوشامد آمیز باتین سن سن کر اپنی تعریف اپنے منہ پر سُننے کا مین گویا عادی ہوگیا تہا۔ اپنے غریب ہمسایون کے لڑکون کو حقارت کی نظر سے دیکہتا ان پر حکم چلاتا اور بسا اوقات شرارت کی ستم ظریفی سے انکی برہنہ پشت پر چابک ماردیتا تہا اور وہ بیچارے رو پیٹ کر چپ ہوجاتے تہے۔ ہزار صد شکر کہ زمانہ طالب علمی مین ایسے ساتہیون کے ساتہہ سابقہ پڑنے کے باعث کہ جن مین اکثر اپنی دانشمندی اور سوشیل پوزیشن کے لحاظ سے مجہہ پر کہین فوقیت رکہتے تہے میری جہوٹی شیخی کی مذموم اور ناروا عادت زائل ہوگئی۔

مگر ان کی ہمنشینی نے میرے دل مین غریب لوگون کی طرف سے پہلے سے زیادہ رکاوٹین پیدا کردین اور میری حقارت کو بڑہا دیا۔

جب مین ذرا چونچال ہوا تو اپنے وطن کے سرکاری مدرسہ مین حصول تعلیم کے لئے داخل کردیا گیا۔ یہان دو تین سال تک پڑہنے کے بعد ایک قومی دارالعلوم مین بہیج دیا گیا جہان مجہے ایسے ایسے ساتہیون سے سابقہ پڑا کہ جن مین اکثر مجہہ سی زیادہ صاحب دولت مجہہ سے زیادہ توانا و تندرست مجہہ سے زیادہ ذہین و فرزانہ مجہہ سے زیادہ عاقل و دانا مجہہ سے زیادہ لایق و فایق تہے۔ یہان ہر ملک اور ملت کے لوگ پڑہتے تہے۔ مین نے اپنے ہم مذاق اور ہم مشرب دو ساتہی تلاش کرلئے یا دوسرے لفظون مین یون کہو کہ انہون نے مجہے اپنا ہم مذاق پاکر مجہے اپنی پارٹی مین شریک کرلیا۔

ہم تینون کی خوب گہری چہنتی تہی۔ ایک جگہہ رہنا سہنا۔ اٹہنا بیٹہنا۔ کہانا پینا کبہی شعر و سخن کا چرچا۔ کبہی کرکٹ اور فٹ بال کی باتین۔ کبہی امتحان کے ذکر و اذکار کبہی استادون کے برتاؤ پر رائے زنی کبہی اپنی آیندہ زندگی کی بابت پیشین گوئی

کبھی اپنے ساتھیون کی نسبت بُرائی بھلائی کے تذکرے اور دیگر مزخرف باتین ہوا کرتی تھین۔ کبھی بورڈنگ ہاؤس کی اندرونی سازشون وہان کی مختلف پارٹیون کی باہمی مخالفتون مین حصہ لیا۔ کبھی کسی کے استیصال کی فکر کی۔ کبھی کسی کو رسوا کرنے کے شورے کیئے کسی پر تہمت تراشی کسی پر الزام لگایا۔ کبھی خود متہم ہوئے بدنامی اٹھائی۔ غرض یہہ کہ چندے یون ہی گذاری لیکن مآل کاران آئی دن کی رنجشون سے جی اکتا گیا۔ طبیعت گھبرا گئی اور آخر کار ہم تینون دوستون نے بورڈنگ ہاؤس سے قطع تعلق کیا اور کالج کے قریب ہی ایک بنگلہ کرایہ پر لے لیا۔

نومبر کی ۲۲ تاریخ تھی خزان کا عمل دخل ہو چلا تھا۔ ہوا مین خنکی آگئی تھی۔ صبح کے وقت مونہہ سے بھاپ نکلنا شروع ہوگئی تھی۔ فجر کو پلنگ سے اُٹھنے کو جی نہین ہوتا تھا۔ زاہدان عبادت گذار و عابدان شب زندہ دار تک بستر سے مفارقت کرتے کچیاتے تھے۔ پھر بھلا ہم ایسے شقی القلب و سراپا آلودہ معصیت و بیگانگان عبادت کا تو کیا پوچھنا کہ جنھون نے کبھی سجدہ کی جگہہ قبلہ کی طرف اکٹر کر گرنے کی بھی کوشش نہین کی۔

خدا خدا کر کے آفتاب نے گوشہ مشرق سے سر نکالا۔ ادھر ہم یاران سرپل نے بھی یکے بعد دیگرے دو دو چار چار منٹ کے وقفے سے اپنا اپنا نرم بستر چھوڑا۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر میرے دونون دوست تو مدرسہ کا کام کرنے کے لیئے علٰحدہ کونون مین اپنی اپنی میزون کے قریب بیٹھہ گئے اور مین کہ جس نے اپنا کام رات ہی کو کر لیا تھا شمالی رُخ کے برآمدے مین آرام کرسی پر اپنی دونون ٹانگین اُسکے دونون بازوؤن پر پھیلا اور پائپ سلگا کر نیم دراز ہو گیا۔ مجھے اس حالت مین بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ میری نظر اس مکان کی ایک کھڑکی پر کہ جو ہمارے بنگلہ کے احاطہ کی دیوار کے متصل تھا پڑی۔ یہان میری ان نابکار آنکھون کو کچھہ

ایسا ایمان فریب جلوہ نظر آیا کہ جسنے آگے چلکر میرے گناہوں کی فہرست مین ایک اور بڑا جرم بڑہا دیا۔

شیطان کمبخت شیطان جو ایسے موقعوں کی تاک ہی مین رہتا ہے آن موجود ہوا اور اُدہر اُس کر اور ادہر میرے دل مین ایک ہی سے جذبات کا محرک ہوگیا۔

چونکہ میرے والدین کو میری دنیوی بہبودی کا میری دینی منفعت سے زیادہ خیال تہا اِسلیئے اُنہون نے اپنی تمام کوششین صرف میری دنیوی تعلیم پر صرف کردین اور مجھے دینی تعلیم سے قطعاً محروم رکہا۔ جس کا یہہ نتیجہ ہوا کہ دل مین سوائے خالی عقیدت کے اور کچہہ نہ تہا۔ اگر مین خدا اور خدا کے رسول کا قائل تہا تو صرف اس وجہہ سے کہ مین نے اون لوگون کو اِن کے نام کی تقدیس کرتے دیکہا تہا کہ جن کی عظمت میرے دل مین تہی اور جنہون نے مجھہ کو پال پوس کر بڑا کیا تہا ورنہ بذاتہ میرے دل مین مذہب کی کوئی وقعت نہ تہی۔ یون دنیا دکہلاوے کو مین چاہے جو کچہہ بہی کہتا تہا۔ اور حقیقت مذہب پر بحث کرتے ہوے مین نے اپنے خیالات کا اظہار خواکیسی ہی مدلل اور موقر طریقہ پر کیون نہ کیا ہو مگر اِس کی حقیقت ضرب المثل والے ڈہول سے زیادہ نہ تہی۔

شباب کا عالم جوانی کی ترنگ۔ طالب علمی کا زمانہ بیفکری کے دن۔ عشق ہوا ہی چاہے۔ اب کیا تہا ہم بہی لہو لگا کر شہیدون مین مل گئے اور عشاق نامدار کی فہرست مین اپنا نام لکہوالیا۔ دن رات کسی کے پیارے تصور سے جی بہلانے اور حسب حال اشعار پڑہ پڑہ کر عشق کے جن پر افسون پہونکتے تہے۔

اُدہر دوپہر کی توپ دغی ادہر کہڑکی باب اجابت کی طرح کہلی اور کسی کی بالاخانہ پر کوہ طور کا سمان نظر آنے لگا اور ہم بہی کلیم وار ارنی ارنی کہتے کمرے سے نکل پڑے

اشاروں کی تار برقی کے ذریعہ سے باہم گفتگو ہونے لگی۔ کسی کا کبھی لجانا۔ کبھی مسکرانا کبھی شرما کر مونہہ پھیر لینا۔ کبھی ترچھی نگاہوں سے دیکھنا۔ کبھی چین بر ابرو ہوجانا ہمارے دل پر بجلیاں گراتا تھا۔ اور یہہ حالت تھی کہ کبھی ہاتھہ جوڑتے کبھی سر پھوڑاتے کبھی گڑگڑاتے کبھی دل پر ہاتھہ رکھ کر قلب کی بے چینی ظاہر کرتے۔ کبھی آہ سرد کھینچ کر دل کی اُلجھنوں کے پتے بتاتے کبھی قلم تراش دکھا کر خودکشی کی دھمکی دیتے۔

یار دوست کالج مین پروفیسر کے لکچر سُنتے تھے اور ہم یہان گھر بیٹھے عشق کا درس لیتے اور حسن کے قصاید و غزل کا حاشیہ دیکھتے تھے۔ یاران ہم طریق حیران و سرگردان کہ ہم مدرسے کیون نہین جاتے یہان کوئی حیلہ قابل تصنیف ہو تو تراشین۔ ناچار بیماری کا جھوٹا بہانہ بنایا اور یون بات کو ٹالنا چاہا۔ مگر عشق اور مشک کبھی نہین چھپتی۔ آخر ایک دوست کو ہماری محبت کا حال معلوم ہوگیا۔

اگرچہ یہہ بھی اپنی وضع مین ایک بامذاق اور قلندر طبیعت شخص تھے مگر دل کے کمزور اور اخلاقی جرأت سے بے نصیب۔ ہماری خوشامد مین آگئے اور رازداری کا وعدہ کر لیا۔ مگر قسمت مین رسوائی بدی تھی۔ آخر دوسرے دوست پر بھی یہہ راز منکشف ہوگیا۔ یہہ حضرت مزاج کے وارستہ عقل کے دشمن طبیعت کے ضدی مگر با این ہمہ نیک نفس تھے۔ انہون نے اول ڈانٹا۔ ڈرایا۔ دھمکایا پھر بہلایا پھسلایا اور سمجھایا۔ غرض جب ان کی کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو حضرت نے مذاق اوڑانا ہم کو بنانا چٹکیون مین اُڑانا فقرے کسنا پھبتی کہنا شروع کیا۔

لیکن ہم نے ان حضرت کو بھی پٹی پڑھائی اور بصد منت و لجاجت ان کو بھی آمادہ مددگاری کر لیا۔ جب ہر طرف سے اطمینان اور سب انتظام ہوگیا تو عین کریال مین غُلہ لگا یعنی ہماری محبتون کا راز افشا ہوگیا۔ ہمارے عشق کا فسانہ ہر جگہہ پھیل گیا۔ میری معشوقہ

کے رشتہ دارون نے میری گہات مین آدمی بٹہائے - ناتجربہ کاری نے دام مین پہنسا دیا مگر خیر یہ گذری کہ عین وقت پر مجہے اپنی سلامتی کی ایک تدبیر سوجہہ گئی ورنہ وہ بے بہاؤ کی پڑتین کہ چہٹی کا دودہ یاد آجاتا۔ اتفاق سے میرے دونون دوست ایک محفل رقص سرود مین گئے ہوئے تہے اگر کہین وہ اس وقت موجود ہوتے تو ہنگامہ ہوجاتا بلوہ تک نوبت پہنچتی اور خدا جانے کیا کیا فضیحتے ہوتی۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

اس ناشدنی واقعہ کے بعد میرے دل پر کچہہ ایسا خوف طاری ہوا کہ بار دیگر محبت کے سلام و پیام کی ہمت یا راز و نیاز کی باتین کرنے کی جرارت نہ پڑی۔

بارہا اُس ستمگر کے اشارے اپنے ساتہہ دیکہے۔ اوس کو اپنے روبرو ہاتہہ جوڑتے پایا۔ اسکی میگون آنکہون کو پُرنم دیکہا مگر دل بیٹہہ چکا تہا اور عشق کی پہلی ہی منزل مین میری ہمتون اور حوصلون کا خاتمہ ہوچکا تہا۔

میری طرف سے جب اُس نے یہہ اغماض اور استغنا پایا اور ایسی دل شکن بے اعتنائی اور بے پروائی دیکہی تو ایک روز ایک مشاطہ کی معرفت میرے نام ایک رنگین اور معطر کاغذ پر اپنے اظہار حال مین ایک خط لکہا۔ اپنی بے تابی۔ بے قراری۔ بے چینی۔ پریشانی۔ دل کی جلن۔ سینے کی سوزش۔ جگر کی کاوش آنکہون کی جوننابہ فشانی کا حال تحریر کیا۔ خدا اور اوس کے رسول کا واسطہ اور اپنے سر کی قسم دی اور یہہ بہی رقم فرمایا کہ "اگر کوئی ہمارا کہنا نہ مانے تو ہماری بہتی ہی کہائے۔ ہم کو ہے ہے کرے ہمارہ جنارہ ہی دیکہے ہم کو ہی پیٹے" خاتمہ خط پر بجائے نام یہہ شعر لکہا۔

میرے دل کو یون مٹایا کہ نشان تک نہ رکہا
مین لپٹ کے روتی جو کہین مزار ہوتا

مرد خاص کر اس بارہ مین نہایت سادہ لوح اور بیوقوف واقع ہوا ہے۔ کتنا ہی دانا وفرزانہ کیون نہ ہو جہان کسی پیاری اور من موہنی صورت والی نے اشارتاً کنایتاً یا ساناً کہدیا کہ مین تم پر جان دیتی ہون جی وارتی ہون توبس یہہ حضرت سب کچھہ بھول جاتے ہین۔ نہ فرزانگی باقی رہتی ہے نہ دانائی نہ عقل باقی رہتی ہے نہ بینائی۔ اب یہہ جو کچھہ دیکھتا ہے تو اسی مہ طلعت اور قمر لقا محبوب کی آنکھہ سے اور جو کچھہ سُنتا ہے تو اسی شیرین ادا کے ترانہ سنج کانون سے اور جو کچھہ بولتا ہے تو اُسی غنچہ دہن کے مونہہ سے۔ مین پھر دوبارہ اس زاہد فریب ایمان کش حسین عورت کے طلسمی خط کے اثر سے اِسکے دام زلف مین گرفتار ہو گیا۔ اب کیا تھا اس کے خط نے نامہ وپیام کی راہ کھول دی۔ اب تو بات بات پر کاغذی گھوڑے دوڑتے تھے۔ روزانہ خطوط کے ذریعہ سے گفتگو ہوا کرتی تھی۔

جب ہمارے تعلقات کی ابتدائی حالتون مین مضبوطی پیدا ہوگئی اور گرد وپیش کے واقعات ہماری ناجائز تمناؤن کے برلانے کے کفیل ہوگئے تو شیطان نے نفس امارہ بن کر ہم کو ارتکاب معصیت پر آمادہ کیا اور ہم دونون کو قعر ضلالت مین دھکیل دیا۔

جھوٹ کے پانون نہین ہوتے۔ چندے لطف صحبت رہا۔ مگر تا بکے۔ آخر ہماری محبتون کا راز افشا ہو گیا۔ لوگون مین اس کے چرچے ہونے لگے اور اُس کے عزیز وقریب میری پرخاش پر آمادہ اور میری تخریب پر تیار ہو گئے۔

معاملات اور واقعات کی یہہ صورت دیکھہ کر مین نے اس مقام کے ترک کرنے کا قصد کر لیا اور ایک دن اپنے دوستون کی مدد سے چپ وچاپ وہان سے روانہ ہو گیا۔

بجائے اس کے کہ میرے دل مین اس گناہ کا انفعال ہوتا مجھے اپنے کئے پر

پشیمانی ہوتی مین اپنے کردار بد سے پچتا کر ندامت کے آنسو بہاتا خدائے قہار
کی درگاہ مین ماتہا رگڑ رگڑ کر عفو تقصیر چاہتا مین اپنی بداعمالیون پر فخر کرتا تہا
اور ہم وطن احباب کے روبرو اس واقعہ کو فخر کے ساتہہ بیان کرتا اور اس کو اپنی
زندگی کی بڑی فتوحات مین سے سمجہتا تہا۔

میری ظاہری صورت بڑی دہوکا دینے والی تہی۔ میری سیدہی سادہی طرز
گفتگو مین بس ملا ہوا تہا۔ میری حرکات سکنات کے ظاہر انداز سے میری
نیکوکاری ٹپکتی تہی۔ اجنبی تو بہلا کیا جان سکتا تہا خود میرے بزرگ میرے
ہم عمر دوست تک اس امر سے ناواقف تہے کہ مین گرگٹ کی طرح رنگ بدل سکتا ہون
اور شعبدہ بازون کی طرح نظر کو دہوکا دے سکتا ہون۔

مین نشہ جوانی مین ایسا چور تہا کہ میرے دل مین بہولے سے بہی کبہی موت کا
خیال نہ گذرا تہا مین لوگون کو مرتے دیکہتا تہا اور اپنے آپ کو گویا لافانی سمجہتا تہا
مگر موت گہات لگائے بیٹہی تہی۔ آسمان میرے گہمنڈ پر ہنس رہا تہا۔

ابہی مین غفلت کی نیند سو ہی رہا تہا کہ یکایک ایک مہلک مرض مین گرفتار ہوا
اوّل اوّل تو مجہے اپنے مرنے کا وہم و گمان بہی نہ تہا مگر جون جون وقت گذرتا گیا یہہ
تکلیف زیادہ ہوتی گئی مجہے اپنی موت کا تیقن ہوتا گیا۔

اب میری آنکہین کہلین تو دیکہا کہ میری وہ ہستی جس پر مین اس قدر نازان
تہا کہ اپنے روبرو کسی کی کوئی حقیقت نہ سمجہتا تہا محض بے بود تہی اور اس کی تار و پود
کی وقعت تار عنکبوت سے زیادہ نہ تہی۔

میری عمر کی آخری گہڑیون مین میری تمام بدافعالیان میری آنکہون مین پہر رہی
تہین مجہے اپنے اوقات برباد رفتہ کا پچہتاوا آرہا تہا۔ مین رہ رہ کر اپنی غفلتون پر
پشیمان ہوتا اور اپنی معصیتون پر ندامت کے آنسو بہاتا تہا مگر کوئی آواز یہ کہتی ہوئی

سنائی دیتی تھی کہ او سراب زندگانی کے فریب خوردہ انسان اور اے دنیا کی عیش و عشرت مین پھنس کر خدا کو بھول جانے والے ناشکر بندے اب آنسو بہانے سے کیا فائدہ اب کہ تجھہ پر باب توبہ بند کر دئے گئے ہین توبہ کرنے سے کیا حاصل۔

اس وقت میری جان دو طرح کے غمون مین پھنسی ہوئی تھی۔ ایک تو بھری جوانی مین دنیا سے ناکام اُٹھہ جانے کا صدمہ عزیز و اقارب سے دائمی مفارقت کا قلق یار دوستون سے چھٹنے کا ملال۔ کالج کی زندگی کے لطف میلے تماشون کی بہارین اور ان کی یاد دل کو مسوس رہی تھی اور بار بار یہہ خیال آتا تھا کہ آہ اس صفحہ دنیا پر ہم نہون گے اور ہمارے ہم چشم ہمارے بعد بھی یون ہی گلچھرے اُڑائین گے جیسے ہماری موجودگی مین اُڑاتے تھے۔ دوسرا رنج اپنے کردار کا تھا کہ جو بار بار ہوک کی طرح اُٹھتا اور مجھے بے چین کر کر دیتا تھا۔ آہ آتش دوزخ کا نقشہ میری آنکھون مین پھر رہا تھا اور وہان کے مہیب مناظر کی تصور نے میری زندگی ہی مین مجھے پا در آتش کر دیا تھا۔

مین انہین متضاد خیالات مین پھنسا ہوا تھا کہ قابض ارواح نے میری روح کو میری بدن سے کھینچ لیا۔ اور میری اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

آہ سکرات موت اور عالم نزع کی تکلیف کا بیان میری قوت بیانہ سے باہر ہے دنیا کی کوئی اذیت اور تکلیف اس درد جانستان کی مثال مین پیش نہین کی جا سکتی۔

مین نے سنا ہے کہ خدا کے نیک بندے اور اس کے تابع فرمان انسان کہ جو اُس کے خوف سے ڈرتے رہے ہین وہ سکرات موت کی تکلیفون سے اس قدر نہین ستائے جاتے جسقدر کہ ایک گنہگار اور روسیاہ بندہ نافرمان ستایا جاتا ہے۔

(باقی آیندہ)

مستمط مخمس

درمدح جناب نواب محمد لطف الدین خان بهادر

درین زمان دلکشا بفیض نغز بهارها بساط سبزه منبسط میان کشت زارها
سحاب تیره روی گل بشسته از غبارها کنند شور هر طرف بشوق او هزارها
چو عاشقان خسته دل باشتیاق یارها

فگنده است بر زمین بساط تازه تابها دمن شده زمردین چمن شده است از زنگار
کشیده اند نخلها بسان شاهدان قطار صدای کبک و فاخته نوای قمری هزار
بلند شد ز چار سو بدشت و کوهسارها

بیا بباغ و کن نظر بجشن احتشام گل میان نرگس و سمن نظاره کن مقام گل
برنگ باده از مطر لبالب است جام گل ز شور بلبلان ببین بگلشن ابتسام گل
ز درد عاشقان نه شد اثر بگلعذارها

شمیم را ز گلستان نسیم میکشد عنان که تا رسد عبیر آن بمغز نازک بتان
چو طبلهای مشک ز معطر است بوستان چه توده های عنبر است روح از او توان
نثار او هزار چین فداش صد تتارها

بباغ بلبل مرغها بانشراح بالها بشوق طیر در هوا گشاده اند بالها
چو دلبران تند خو بشوخی دو دو لالها بدشت و کوه ز چار سو کنند رم غزالها
فرق فرق یگان یگان بجلوه رهگذارها

فضای مرغزار هم بکشت زارها نگر صفای کوثر جنان در آبشارها نگر

ترانه هزار ها بشاخسار ها نگر — مرا خموش و تفته دل در انتظار ها نگر

بسوز شمع قامتی بجان و دل شرار ها

پری رخا سمن برا بجنبش عشوه ناز منه — ز بندگان رام تو چه این چه آن که چه چه

براے کشتگان خود مکش کمان ناز زه — مکن خراب شهر و ده مزن بزلف خم و گره

که شد اسیر دام تو چو من دل هزار ها

به طاق نه کتاب دین که دین فن وش نسیتم — ز فرط مستی و خوشی بعقل و هوش نیستیم

اگرچه اندرین زمان بنای فن وش نسیتم — ز یاد ماه طلعتان گهی خموش نیستیم

باشتیاق رویها و زلفها و تار ها

درین بهار دلستان چمن شده است گل فشان — روان بباغ سرخوشان بصد نشاط دوستان

خورند می زنند دف بخرمی به بوستان — گرفته اند در چمن سمن بران نوجوان

بدستکی ایاغها بدستکی ستار ها

هوا خوش است و فصل خوش بیا بسوی بوستان — بکف ایاغ باده بر به صحبت سهی قدان

نشاط فرض عین شد درین زمان برای انس جان و — رسید عهد لطف دین که لطف ایزد جهان

چو لطف دین که از سلف گرفته صد فخار ها

ملاذ و ملجا جهان معاذ و مامن زمان — درش امان بیکسان چه پیر و کودک و جوان

[illegible] سروری ضیای جمله دودمان — سحاب رحمت و کرم خزانه بخش این و آن

همی دهد بهر دو زن ز بدره ها هزار ها

هژبر بیشه وغا نهنگ لجه وقف — سپهر عالم سخا فروغ دیده عطا

عماد شرع مصطفی قوام ملت هدا — محیط رفعت و علا امیر مملکت کشا

مدبر امور ها منظم دیار ها

بری وجود پاک او بهر از همه علل — که عقل نکته گیر هم نیابد اندرو خلل

بفضل خالق جهان بعقل و رای از ازل — منظم ملک بی مثل بفهم کار سبی بدل
بجاست گر دکن کند بذاتش افتخارها

زقدر اعتلای او فروغ دین ایزدی — زعز و مجد او قوی شریعت محمدی
وحید عصر آمده بهر هنر ز بخردی — نمانده در زمانه اش وجود ظلمت بدی
نموده پایگاه را چو مهر در نهارها

بحل و عقد رای او کشادگی و بستها — برتق و فتق نظم او درستی شکستها
کجا چو او ممیزی بهر فراز و پستها — مذل زیر دستها معز حق پرستها
زبینش و نوش او وجود بهر یادگارها

به از پدر بهر صفت ترا نمود کردگار — چه در فراست و هنر چه در متانت و وقار
زحد خویش برتری بجود علم و نظم کار — بیا فزید حق ترا بزرگتر بروزگار
چنانکه خسرو دکن میان شهریارها

شه دکن شنیدمی بعز و قدر آسمان — عیان زعز و جاه اش بود ضیا و فر کیان
گر کرم عطا کند خزانهای شایگان — بهند هر گهش بود ملا ذو کهف این و آن
ضمین قسمت بشر کفیل رزق خوارها

مغیث جمله مومنین غیاث جمله مسلمین — نظام ملک و مجد دین محب عالمین
روان بفضل اولین سپهر فر آخرین — یگانه سرور زمین منیر طارم برین
مطیع رب ذی المنن مطاع تاجدارها

زبیم خشم خنجری چو بر سر عدا کشد — بقا گریخته برخ حجاب از فنا کشد
بشکل کاه کوه را کمندش ار بهوا کشد — ملک ز چنبر فلک با فرین نوا کشد
کجا چو او بهمتی بوقت گیر و دارها

شهی که حکم او بود قدر اثر قضا نشان — بهمت بلند او مدار سقف آسمان

چو ابر دست جود او همیشه هست درفشان　بعمر مال او دهد خدا بقاے جاودان
سنین عمر او شود زیاده از شمار ها

حصول نور می کند ز نیر منیر شه　به ملک هست لطف دین امیر بے نظیر شه
تجلی سریر شه امین سر نصیر شه　محب شه مشیر شه معین شیخ ظهیر شه
بمنزد شه ازان شده مدار اعتبار ها

بهار خلد نکهتی ز باغ خلقهاے او　بود رگ عقل اولین طبیعت رسای او
رسد به چرخ چارمین لواے اعتلای او　ز طبع جادم کجا ادا شود ثنای او
بسم ز فخر این قدر گزیندم بکار ها

تلطفش بحال من چو عید با نوید من　عتاب او بلاے من عذاب من وعید من
بدست اوست درجهان سیاه من سفید من　نگاه اوست سوی من ز طالع سعید من
چو سروران قدر دان بسوی خاکسار ها

چو جد من کنون مرا اگرچه اقتدار نے　بقبضه من آن قدر متاع روزگار نے
خزانه نے شکوه نے پیاده نے سوار نے　خرابه نے دواب نے ضیاع نے عقار نے
بمال وجاه کمترم ز اسلاف کبار ها

براه لطف اگر شوی معین بو غمگسار من　رسد به گنبد فلک کلاه افتخار من
شود نصیب یاور و بود زمانه یار من　چو صبح عید بر شود ز جیب شام تار من
طلوع مهر خرمی بشوکت و وقار ها

بطول زندگی خود گهے نکرده ام دعا　مگر بعهد فرخت همیشه خواهم از خدا
نمیم به هر سالها و گیرم از تو مدعا　بگویم از زبان دعا نویسم از قلم ثنا
بقلب حاسدان رسد ز نشتران بخارها

زمانه تازه لب شود ز دجله عطای او　تحرک فلک بود موافق رضاے او

کند لذیذ کام مہا چو انگبین تنائے او　　چو خضر باد تا ابد درازی بقائے او
دعائے فاضل این بود بشرط اختصار ہا

قطب الدین محمود

غلاۃ شیعہ

بے نیازی سے فریب او بت عیار نہ دے　　ہم نہ مانین گے خدا صورت انسان ہوگا
آتش

غالیون مین پہلا شخص میری دانست مین

عبد اللہ بن سبا ہے علمائے شیعہ کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تہا اور حضرت یوشع بن نون وصی موسیٰ ع کی شان مین غلو رکہتا تہا جب مسلمان ہوا تو حضرت امیرع کی شان مین اوس نے غلو کیا۔ حضرت صادق ع فرماتے ہین خدا لعنت کرے عبد اللہ بن سبا پر کہ وہ امیر المومنین پر جان بوجہہ کر افترا کرتا تہا اور امام محمد باقر ع فرماتے ہین کہ عبد اللہ بن سبا نبوت کا مدعی تہا اور امیر المومنین کو خدا کہتا تہا یہ خبر حضرت کو پہنچی تو اوسے بلا کر پوچہا اوس نے اقرار کرلیا اور کہنے لگا تو وہی ہے مجہے الہام ہوا ہے کہ تو خدا ہے مین نبی ہون۔ تین دن تک حضرت اوسے توبہ کرنے کو فرماتے رہے جب اوس نے توبہ نہ کی تو حضرت نے اوسے آگ مین جلادیا اس کی نظیر فرقہ عیسائیہ مین موجود ہی جن لوگون نے مثل پولس وغیرہ کے الوہیت حضرت عیسیٰ ع کی تلقین کی اونہون نے اپنے تیئن اوکا نبی و رسول قرار دیا۔

اس شخص کو تو حضرت نے جلوا دیا مگر بہت لوگ اوس کے اتباع مین داخل ہوکر گمراہ ہوچکے تہے۔ صاحب فتح الباری بسند حسن روایت کرتے ہین کہ حضرت علی سے کسی نے کہا کہ مسجد کے دروازہ پر کچہہ لوگ آپ کو اپنا خدا کہہ رہے ہین حضرت نے

اُنھین بلا کر پوچھا کہ تم کیا بک رہے ہو اونہون نے کہا تو ہمارا رب اور خالق اور رازق ہے فرمایا لوگو خدا سے ڈرو اس کلمہ سے باز آو اُنہون نے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر آئے۔ قنبر نے آکر عرض کی کہ واللہ وہی کلمہ کہتے ہوئے وہ لوگ پھر آئے ہین فرمایا اندر بلالے غرضکہ آج بھی وہی کہا کیے جب تیسرا دن ہوا تو حضرت نے فرمایا اگر تم یہ کلمہ کہے جاوگے تو بری طرح تمھین قتل کرونگا۔ اونہون نے اپنی بات کے سوا کچھ نہ مانا۔ فرمایا قنبر مزدورون کو بلا تیشے لیکر آمین غرض مسجد اور قصر کے درمیان ایک نالی کھودی گئی اور کہا کہ زمین کو گہرا کھودو پھر لکڑیان لاے اور اُس نالی مین آگ اور لکڑیان ڈال دین۔ پھر اون لوگون سے فرمایا کہ تم باز نہ آوگے تو اسی مین تم سب کو ڈالدونگا غرضکہ اونہون نے نہ مانا اور حضرت نے اُن سب کو اُس نالی مین ڈال دیا۔ فتح الباری کی اس روایت کی تائید امام محمد باقرؑ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ قوم زط مین سے ستر شخص حضرت امیر کے پاس آے حضرت نے فرمایا مین بندہ خدا ہون مخلوق ہون اونہون نے نہ مانا اور کہا تو وہی ہے تو وہی ہے۔ حضرت نے فرمایا اگر تم توبہ نہ کروگے اور میرے باب مین جو کلمہ تم کہا اُس سے باز نہ آوگے تو مین تم سب کو قتل کرونگا اُن لوگون نے نہ مانا نہ توبہ کی نہ اپنی بات سے باز آے حضرت نے اُن کے لیے کنوئین کھدواے اور ایک کنوین سے دوسرے کنوین تک راستہ رکھا پھر اُن سب کو کنوون مین ڈال کر منہ کنوون کے بند کروا دئے اور ایک خالی کنوین مین جس مین کوئی شخص نہ تھا آگ سلگا دی۔ اس کنوین کا دھوان سب کنوؤن مین پہونچا اور وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے اس روایت کی شرح مین لکھتے ہین کہ قوم زط کے یہ لوگ سب ہنود تھے نہج ناقص مین یہ آتا ہے کہ کیا عجب ہے کہ جاٹ کا معرب زط ہو اس مین شک نہین

کہ یہ دونوں روایتیں ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں اُس میں نالی کا لفظ ہے
اور اس میں کنووں کا لفظ لیکن جب کنویں سے دوسرے کنویں تک راہ ہوئی
تو اوسے نالی بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان لوگوں کے قتل ہوجانے کے بعد بھی
اس ضلالت کا استیصال کلی نہ ہوا۔ آخر اسی فرقہ کے وہ لوگ تھے جو کہتے
تھے کہ امیرالمومنین قتل نہیں ہوئے ابر میں چلے گئے ہیں اور بجلی جو چمکتی ہے
یہ ذوالفقار ہے۔

مختار | جناب صادق فرماتے ہیں کہ حسین بن علی مختار کی افترا پردازی میں
مبتلا تھے۔ امام کے اس قول نے مختار کو دین و دنیا سے کھو دیا اُس کی تمام خوبیوں
پر پانی پھر گیا۔ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختار امام حسینؑ پر اتہام کیا کرتا تھا
اور روایتیں وضع کرکے حضرت کی طرف منسوب کردیتا تھا امام حسین کے بعد
محمد بن حنفیہ کی شان میں غلو رکھتا تھا اور فرقہ کیسانیہ کا بانی ہے۔ مگر تمام بنی ہاشم
کا جان نثار تھا۔ مسعودی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے تسلط کی زمانہ
میں بنی ہاشم کو ایک درہ کوہ میں بند کرکے لکڑیاں جمع کی تھیں اور سب کے
جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ عین وقت پر مختار ایک لشکر جرار لیکر پہونچا اور سب کو
بچالیا۔ فاطمہ بنت امیرالمومنین اس قدر اسپر شفقت کرتی تھیں کہ اپنے ہاتھ سے
اُس کے لیے بچھونا بچھاتی تھیں اس کے معتقدین سمجھتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ زندہ
ہیں اور کوہ رضوی میں غائب ہوگئے ہیں۔ تعجب یہ ہوتا ہے کہ جو خاندان رسالت
کے ساتھ ایسی ارادت رکھے وہ امام پر تہمت بھی کرے اور کذاب کہلائے مختار
کو مصعب بن زبیر نے قتل کیا۔

بیان | اس کا نام ہنان بھی بعض روایتوں میں ہے۔ تناسخ کا قائل تھا یہ شخص
امام زین العابدینؑ پر افترے کیا کرتا تھا اور اپنے اقوال موضوعہ کو اُن کی طرف

منسوب کر دیا کرتا تھا امام زین العابدین فرماتے ہین کچھ لوگ ہمارے شیعون
مین سے ہمارے ساتھ اس طرح کی محبت رکھتے ہین کہ یہود عزیر کے باب مین
اور نصاریٰ عیسیٰ بن مریمؑ کے باب مین جو عقیدہ رکھتے ہین وہی عقیدہ وہ
لوگ ہمارے ساتھ رکھتے ہین نہ وہ ہمارے اور نہ ہم اُنکے۔ صاحب۔ میزان
الاعتدال لکھتے ہین کہ بیان بن سمعان نہدی قبیلہ بنی تمیم سے سو برس کے
بعد عراق مین ظاہر ہوا وہ الوہیت حضرت علی کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ الوہیت
وانسانیت ان مین متحد ہو گئی ہے اور اُن کے بعد اُن کے بیٹے محمد بن حنفیہ
مین اُن کے بعد اُن کے بیٹے ابو ہاشم مین اُن کے بعد خود بیان مین
وہ الوہیت منتقل ہوئی ہے اِس نے امام محمد باقر کو ایک خط لکھا جس مین دعوے
تھا کہ مین نبی ہون اور آپ کو اپنی طرف دعوت کرتا ہون اِس زندیق کو خالد بن
عبد اللہ قسری نے قتل کیا اور آگ مین جلا دیا۔ انتہی۔ اس روایت سے یہ
نہین معلوم ہوتا کہ امام زین العابدین کی الوہیت کا یہ قائل تھا بلکہ روایات
کتب شیعہ سے یہ مضمون مستفاد ہوتا ہے اور حضرت صادق نے اسپر لعنت
کی ہے کہتا تھا آیہ ھذا بیان للناس میری شان مین اُترا ہے۔

مغیرہ بن سعید فرقہ مغیریہ کا بانی امام محمد باقرؑ پر افترے کرتا تھا جناب امیر کی نسبت غلو
رکھتا تھا۔ حضرت صادق فرماتے ہین خدا لعنت کرے مغیرہ بن سعید پر اور اس
یہود ن پر جس کے پاس جاکر وہ سحر و شعبدہ و افترا سیکھہ آیا کرتا تھا اس شخص نے
میرے باپ پر افترے کیے ہین۔ اس کا مذہب یہ تھا کہ خدا کی شکل آدمیون کی
سی ہے اس کے سر پر نورانی تاج ہے اور امام محمد باقر کے بعد محمد بن عبد اللہ
بن الحسن بن الحسن امام ہوئے۔ اور وہ زندۂ جاوید ہین اُن کے بعد اپنے تئین
پہلے امام کہتا تھا پھر نبی کہنے لگا۔ یہ بھی قتل کیا گیا۔

ابو الخطاب محمد بن ابی زینب مقلاص بڑا صاحب اثر شخص معلوم ہوتا ہے اس کے اتباع وانصار ودعاۃ بہت کثرت سے تھے امام محمد باقر اور حضرت صادق پر یہ شخص اتہام کیا کرتا تھا۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہین خدا لعنت کرے ابو الخطاب پر اور اوس کے اصحاب پر اور اُس پر جو اُس کے ملعون ہونے مین شک کرے یا توقف کرے اسکے بعد فرمایا خدا لعنت کرے ابو الغمر اور جعفر ابن واقد اور ہاشم بن ابی ہاشم پر انہون نے ہمارے نام سے لوگون کو لوٹ کھایا اور مذہب ابو الخطاب کے دعاۃ مین سے ہین۔ کوفہ عجب سرزمین تھی اس کی امت وہین سے پھیلنا شروع ہوئی۔ حضرت صادقؑ بھی اس شخص کے ہاتھ سے بہت نالان تھے۔ فرماتے ہین واللہ اہل کوفہ جو کچھ میرے باب مین کہتے ہین اگر اُسے مین گوارا کر لیتا تو زمین مجھے کھا لیتی مین ایک بندہ مملوک ہون مجھے کسی شے کے نفع وضرر پر قدرت نہین کہتے ہین ابو الخطاب مدعی نبوت ہونے کے پہلے راہ راست پر تھا اور شیعہ اُس کی روایت پر اعتبار کرتے تھے لیکن ابن الغضائری جو علماے رجال شیعہ مین سے ہین یہی کہتے ہین کہ میری راے یہ ہے کہ وہ روایتین بھی قابل ترک ہین۔ ابو الخطاب اپنے ستر اصحاب کے ساتھ قتل کیا گیا اس کے معتقدون مین یونس بن ظبیان ایک شخص تھا۔ نقل ہے کہ ابو الخطاب کی بیٹی مرگئی تو ابن ظبیان اُس کی قبر پر آکر کہتا ہے السلام علیک یا بنت رسول اللہ۔ ایک شخص نے امام رضا کے سامنے ذکر کیا کہ یونس بن ظبیان کہتا ہے کہ مین ایک شب طواف کر رہا تھا ناگاہ جبریل مجھ پر نازل ہوے۔ حضرت کو یہ سنکر تاب نہ رہی کہا نکل یہان سے خدا تجھ پر اور یونس بن ظبیان پر ہزار لعنت کرے کہ ہر لعنت قعر جہنم مین لیجاسکے ابو الخطاب کا خلیفہ بزیع تھا اُس نے معراج کا دعوی کیا اس پر بھی امام نے لعنت کی ہے۔

مفضل بن عمر — اہل بیت کو رازق عباد کہتا تھا اور ابو الخطاب کا مذہب رکھتا تھا
کہتا تھا ابو الخطاب کے ساتھ ستر پیغمبر قتل ہو گئے کہ اُن سب نے اپنے معبود
کو دیکھا تھا۔ مفضل حضرت صادق کے اصحاب میں تھا اس نے حضرت پر بہت
سے افترے کئے ہین کہتا ہے ہم سب بارہ آدمی مل کر حضرت صادق کی خدمت
مین گئے حضرت نے ایک ایک شخص کو ایک ایک پیغمبر کے نام سے سلام کیا۔
کسی کو کہا السلام علیک یا نوح کسی کو کہا السلام علیک یا ابراہیم آخر مین جو شخص
تھا اُسکو کہا السلام علیک یا یونس۔ مین کہتا ہون غنیمت یہ ہوا کسی کو السلام
علیک یا محمد نہین کہا۔ یحیی بن عبد الحمید حمانی کہتے ہین۔ مین نے شریک سے
پوچھا کہ بعض لوگ جعفر صادق کو ضعیف الحدیث سمجھتے ہین اونہون نے کہا مفضل
و بیان و عمر نبطی وغیرہ نے اُنکو بدنام کر دیا ہے اور اُن پر افترے کئے ہین جھوٹی
جھوٹی باتین بنا کر یہ لوگون کو لوٹا کرتے تھے۔ عوام الناس ان کی بات کا اعتبار
کرتے تھے اور ان کو مال و زر دیتے تھے اگر تو نے جعفر صادق کو دیکھا ہوتا
تو تجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ یکتائے زمانہ تھے۔ حضرت صادق نے مفضل پر
لعنت اور اُس سے برارت کی ہے اور حضرت کے اصحاب مین سے دو شخص روایت
کرتے ہین کہ ہم نے حضرت سے پوچھا کہ کیا ہم بھی مفضل پر لعنت اور اُس سے
برارت کرین تو آپ نے اجازت دی اور ہم نے بھی اُسپر لعنت کی۔ یہ شخص
رجال شیعہ مین داخل ہے مگر فساد عقیدہ کے سبب سے اس کی روایت کو
ضعیف سمجھتے ہین بعض روایتین بہت طولانی عالیۃ المضامین اس نے حضرت
صادق سے نقل کی ہین جو توحید مفضل و حدیث اہلیلج کے نام سے مشہور ہین
ناسخ نے توحید مفضل کا ترجمہ اردو مین نظم کیا ہے۔ مین کہتا ہون کہ جس طرح
ابن الغضائری نے ابو الخطاب کے تمام روایات کو قابل ترک کہا ہے اسی طرح

اس کے بھی تمام روایات اعتبار کے قابل نہین - یہ بھی ابوالخطاب سے کسی بات مین کم نہین رہا-

معلی بن خنیس | کوفہ کا بزاز حضرت صادقؑ کا غلام آزاد کردہ ہے پہلے اسنے مغیرہ بن سعید کا مذہب اختیار کیا پھر نفس زکیہ کے دعاۃ مین داخل ہوا غالیون نے اس سے بہت سی روایتین نقل کی ہین- آئمہ کو یہ پیغمبر سمجھتا تھا اس پر حضرت صادق نے فرمایا کہ جو لوگ ہمین انبیا سمجھتے ہین ہم اُن سے بری ہین تعجب ہے کہ اس کی روایت صحیح سمجھی جاتی ہے- اس شخص کو داؤد بن علی نے قتل کیا-

محمد بن بشیر | اہل کوفہ مین سے تھا امام موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب مین اس کا شمار ہے اُن کو خدا اور اپنے تئین اُن کا پیغمبر کہتا تھا اور ان کی طرف اپنی روایات موضوعہ کو منسوب کر دیتا تھا- امام موسیٰ کاظم فرماتے ہین ہم لوگون پر جس جس نے عمداً افترا کیا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا- علی بن الحسین پر بیان افترے کیا کرتا تھا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا- ابو جعفر باقر پر مغیرہ بن سعید افترے کیا کرتا تھا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا- میرے باپ پر ابو الخطاب افترے کیا کرتا تھا خدا نے اُسے تلوار کا مزہ چکھا دیا- ابن بشیر پر خدا لعنت کرے اور ذائقہ شمشیر اسے چکھائے یہ مجھ پر افترے کیا کرتا ہے خدا وندا اس نجس پلید ابن بشیر کے ہاتھ سے مجھے چھڑا اس کے معتقدین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ موسیٰ بن جعفر نہ مرے نہ قید ہوئے بلکہ غائب اور پوشیدہ ہو گئے ہین اور وہی امام قایم و مہدی ہین اپنی غیبت کے وقت محمد بن بشیر کو اپنا وصی و خلیفہ کر گئے ہین- یہ شخص بڑا حیلہ ساز و شعبدہ گر تھا ایک باریک ریشمی کپڑے پر اسنے امام موسیٰ کاظمؑ کی قد آدم روغنی تصویر کھینچی تھی کہ جب اُس مین سانس بھر دیتا تو وہ تصویر کھڑی ہو جاتی

تھی اور جب ہوا نکال ڈالتا تو اُسے لپیٹ کر چھپا رکھتا تھا لوگون سے کہتا تھا کہ موسیٰ کاظم میرے ساتھ ہین اور اکثر لوگون کو اندھیری کوٹھری مین تصویر کا شعبدہ دکھا کر گمراہ کرتا تھا۔ اور اس کے سوا اور بھی عجیب و غریب شعبدے اُسے آتے تھے۔ حضرت صادق اور موسیٰ بن جعفر دونون نے اسکو بددعا کی تھی انواع عذاب مین مبتلا ہو کر قتل کیا گیا۔

محمد بن فرات | یہ شخص امام رضا پر اتہام کیا کرتا تھا۔ حضرت فرماتے تھے خدا لعنت کرے ابن فرات پر اور اسکو تلوار کا ذائقہ چکھائے یہ شخص مجھ پر افترے کرتا ہے ایسی اذیت تو ابو الخطاب نے بھی حضرت صادق کو نہ دی ہوگی جو اس شخص کے ہاتھ سے مجھے پہنچ رہی ہے۔ ابن فرات اپنے تئین باب کہتا تھا۔ مین سمجھتا ہون کہ باب مدینۃ العلم کا مقابلہ اس لقب سے مقصود تھا شاید یہ پہلا شخص ہے جسنے باب ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے ساتھ ہی نبوت کا بھی ابراہیم بن مہدی نے اسکو قتل کیا۔ اسی طرح امام رضا کے اصحاب مین محمد بن سنان بھی غالی و کذاب کہلاتا ہے اور اس سے روایت کی جاتی ہے۔

سجادہ | اس کے ماتھے پر اتنا بڑا گھٹا تھا کہ نشان سجدہ اس کا نام ہی مشہور ہوگیا یہ بھی کوفی ہے۔ امام محمد تقی کے اصحاب مین تھا۔ علماے رجال لکھتے ہین خدا لعنت کرے سجادہ پر یہ ملعون ابو الخطاب کو رسول اللہ سے افضل سمجھتا تھا۔

محمد بن نصیر فہری نمیری | فرقہ نصیری اس کی طرف منسوب ہے کہتا تھا کہ امام علی نقیؑ خدا ہین اور مین ان کا رسول ہون اسی زمانہ مین ابو السمہری اور ابن ابی الزرقا بھی حضرت پر اور اُنکے پدر بزرگوار پر افترے کیا کرتا تھا ان کے علاوہ فارس بن حاتم قزوینی بھی مشہور افترا پردازون مین ہے۔ امام علی تقیؑ نے اپنے اصحاب مین سے جنید کو فارس کے قتل کرنے کا حکم دیا انھون نے

حسب ارشاد اُسے قتل کیا۔ پھر حضرت نے اسحاق کو کچھ اور غالیوں کے قتل کا حکم کیا جن مین ابو السمہری اور ابن ابی الزرقا بھی تھا لیکن یہ لوگ بچ گئے۔
علی بن حسکہ باب ہونے کا مدعی تھا اس کے بعد اس کا شاگرد یقطینی باب ہوا یہ خود اور اس کے تینون شاگرد قاسم شعرانی یقطینی اور ابن بابا اور محمد بن موسیٰ شریعی سب کے سب غالی و ملعون مشہور ہین ان لوگون کا قول تھا کہ قرآن مین حکم صلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ سے ولاے امام مراد ہے ؎

علی کسے کرکے بیعت فکر کس کو دین و دنیا کی
سمجھتے ہین اجی دست خدا پایا خدا پایا

اور اسی طرح معاصی مین بھی یہ لوگ تاویلین کرتے تھے ان کی راے یہ تھی کہ ولاے اہل بیت نجات کے لیے کافی ہے ترک معصیت و انہماک طاعت کی ضرورت نہین ؎

تکلیف یہ بے نیاز کیسی ؛
روزہ کیسا نماز کیسی

انہون نے اپنا مذہب جاری کرنے کے لیے امام علی نقی اور امام حسن عسکریؑ پر تہمتین کی ہین۔ امام علی نقی نے اپنے لبعض اصحاب کو لکھا کہ ابن حسکہ اور قاسم یقطینی کو شیطان نے بہکایا ہے مین اُن لوگون کے قول سے بری ہون اور تم لوگ بھی اُن سے ملنا چھوڑ دو خدا اُن پر لعنت کرے۔ اور ایک راوی نے امام حسن عسکری کو لکھا کہ کچھ لوگ ایسے ایسے اقوال آپ کی طرف اور آپ کے آباے کرام کی طرف منسوب کرتے ہین جس سے انزجار خاطر ہوتا ہے۔ اون لوگون مین علی بن حسکہ اور قاسم یقطینی بھی ہے اُن کے اقوال مین سے یہ بھی ہے کہ قرآن مین صلوٰۃ و زکواۃ سے ولاے امام مراد ہے اور اسی طرح معاصی مین بھی تاویلین کرتے ہین۔ حضرت نے جواب مین لکھا تو ان اقوال سے اجتناب کر ہمارا یہ مذہب نہین ہے۔

غلاۃ مین سے یہ سب وہ لوگ ہین جو داعی فریق و بانی طریق گزرے ہین
اور جو ان کے اتباع و مقلدین و معتقدین تھے اُن کا احصا دشوار ہے ظاہر
ان کا ایسا کہ الوہیت و نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اور لوگ مان لیتے تھے
علم اُن کا ایسا کہ اہل عرفان و اہل تفسیر و اہل حدیث مین ان کا شمار تھا۔
ان لوگون نے خطبہ بیان وضع کرکے جناب امیر پر اور سورۂ علی تصنیف
کرکے خدا پر افترا کیا۔ فضائل اہلبیتؑ مین شیعون کو بہت دھوکے دے ہین
اور رواۃ شیعہ مین داخل ہوگئے ہین۔ زیادہ دھوکا اس سبب سے ہوتا تھا۔
کہ اکثر ان مین کے امام کے اصحاب اور مخصوصین مین شامل ہوجایا کرتے تھے۔
محمد بن سنان وغیرہ کے بری کرنے کے لیے سید علی بن طاؤس لکھتے ہین کہ
ان لوگون کو عترت طاہرہ کے ساتھ جو زیادہ تر خصوصیت تھی اسی امر نے شیعون
کی نظر مین اُن کی قدر و منزلت کم کردی یہ لوگ زیادہ خصوصیت کے سبب سے
اہلبیت کے چھپے ہوئے اسرار سے واقف تھے وہ اسرار جب شیعون کے
سامنے بیان کرتے تھے تو شیعہ اُسکے سننے کے متحمل نہ ہوسکتے تھے اور اُنہین
غالی کہنے لگتے تھے۔ یہان شیعون کے متحمل نہ ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ
وہ سمجھ نہ سکتے تھے تو یہ قول بامعنی ہوسکتا ہے اور اگر یہ معنی ہین کہ شیعون کی
خلاف اصول وہ اسرار تھے تو ہرگز وہ امام کا قول نہین ہوسکتے۔ لامحالہ راوی
کے فاسد العقیدہ یا کاذب ہونے پر دلالت کرین گے اور مسلک احتیاط
یہ ہے کہ جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھین۔ محمد بن سنان و معلی بن خنیس و مفضل
و مختار وغیرہ پر جرح وارد ہوچکی پھر یہ قابل قبول کہان رہے۔ نصوص صریحہ
مین سے صاحب الزمان کا فرمان ہے جو محمد بن علی کے نام آیا تھا اُس مین یہ مضمون
ہے۔ اے محمد بن علی خدائے عز و جل اُس سے برتر ہے جیسا یہ لوگ کہتے ہین

اُس کے علم و قدرت مین ہم شریک نہین۔ اُس کے سوا کوئی عالم الغیب
نہین آیہ محکم مین ارشاد فرماتا ہے قل لا یعلم من فی السموات والارض
الغیب الا اللہ جہلاے شیعہ اور حمقاے شیعہ نے جن کا دین پریشہ سے
بھی کم ہے ہم کو اذیت پہنچا رکھی ہے میرا یہ فرمان تیری گردن پر اور جو اسے
سُنے اُس کی گردن پر امانت ہے کہ میرے دوستون اور شیعون سے اسے نہ
چھپاے۔ شاید خداے عزوجل اُن کے عقیدون کی تلافی کرے کہ دین حق
کی طرف رجوع کرین۔ اس فرمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اُس زمانے کے شیعون
مین بہت غلو پھیلا ہوا تھا یعنی حسب راے غلاۃ اہل بیت رسول اللہ کو عالم الغیب
اور خلق و رزق مین حق تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے۔ اسی زمانہ مین علماے فریقین
احادیث کی تدوین پر متوجہ ہوے ہین۔ رجال مین غلاۃ بھی ہین۔ خوارج بھی
ہین کچھ اوصیا پرست ہین کچھ اولیا پرست ہین حلولیہ و اتحادیہ و مجسمہ و مجبرہ و اباضیہ
و حروریہ و صفریہ و بکریہ و حشویہ و کرامیہ و مرجیہ و معتزلہ و اشاعرہ و قدریہ و جبریہ
وغیرہ کہ اگر سب گنے جائین تو بہتر سے کہین زیادہ ہین۔ بعض محدثین نے
یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہمین راوی کے مذہب سے کیا مطلب ہے وضاع و
کذاب نہ ہونا چاہیے۔ بعض نے اپنے تجربہ پر عمل کیا کہ جمیع اہل اہوا مین خوارج
صادق اللہجہ ہین۔ رجال صحیح بخاری کی فہرست مین صاحب فتح الباری نے
عکرمہ مروان۔ قیس۔ بجلی۔ ثور بن یزید۔ حمصی۔ عمران بن حطان۔ ثور بن زید
دیلی۔ داؤد بن الحسین مدنی۔ بہز بن اسد بصری۔ حصین بن نمیر واسطی۔ اسحاق
بن سوید عدوی۔ عبداللہ ابن سالم اشعری۔ جریر بن عثمان حمصی۔ ولید بن کثیر
مخزومی کو خوارج مین شمار کیا ہے۔ کسی کو لکھا ہے مذہب خوارج صفریہ رکھتا
تھا کسی کو لکھا ہے اباضی المذہب تھا کسی کو کہا ہے کہ راے خوارج رکھتا ہے

کسی کو لکھا ہے کہ ناصبیت مین بدنام تھا کسی کو متہم بہ ناصبیت کسی کو راے
خوارج سے منسوب کسی کو لکھا ہے کہ علی کو بُرا کہتا تھا کسی کو لکھا ہے کہ ناصبی
تھا اور علی کو بُرا کہتے ہوے سن لیتا تھا مگر خود بُرا نہین کہتا تھا اور اس کے
ساتھ یہ بھی کہ صحیح بخاری کی تخصیص نہین جماعت محدثین نے ان مین سے
اکثر کے ساتھ احتجاج کیا ہے - مین کہتا ہون اس مین شک نہین کہ غالی بدتر
ہے ناصبی سے جو مولاے مومنین کو بُرا کہتا ہے تو وہ اصل اصول اسلام یعنی
توحید ہی سے بے بہرہ ہے اس نے رسول اللہ کی آخری وصیت کو نہ مانا وہ ان
کی عمر بھر کی تلقین کو کھو بیٹھا - لیکن خوارج کے صادق اللہجہ ہونے کی کوئی وجہ
حسن ظن کے سوا معلوم نہین ہوتی - اسلیے کہ خوارج اہل اہوا مین ہین اور اہوا
داعیہ وضع - پھر ان کے قول سے احتجاج کیونکر صحیح ہوگا -

علی حیدر طباطبائی

غزل

کھینچے آپکا سینہ سے جو پیکان اپنا
پھر بچانا اُسے مشکل ہے گریبان اپنا

اُٹھ گئی کشتی مے بزم سے ہنگام سحر
دن چڑھا - تخت اوڑالی گئین پریان اپنا

فصل گل آئی ہے چلتی ہے جنون خیز ہوا
چاک از خود ہوا جاتا ہے گریبان اپنا

اُڑ کے جاتی ہے مری خاک اِدہر گاہ اُدہر
کچھ پتا دے نہ گئی عمر گریزان اپنا

حشر کے دن بھی مین ہر ایک کا منہ تکتا ہون
کوئی اب بھی نظر آتا نہین پرسان اپنا

ہون وہ شوریدہ - کہ موجون کی طرح پے در پے
چاک ہوتا ہے گریبان پہ گریبان اپنا

کہین ایسا تو نہو روز سیہ پیش آجائے
نہ کہین رنگ جما لے شب ہجران اپنا

کی جو اخگر کی طرح گرد کدورت پیدا
مل گیا خاک مین آخر دل سوزان اپنا

سر جدا ہو کے بھی یہان تعلق نہ چھٹا
ہو گیا کٹ کے گلا تکمل گریبان اپنا

بسکہ تحصیل ادب بے ادبون سے ہے مجھے
ہے خرابات زمانے مین دبستان اپنا

اپنے ہی پاؤن مین چبھتے ہین جو بوئے کانٹے
اپنے ہی سر پہ رہا کرتا ہے احسان اپنا

اُس نے سو مرتبہ شب بھر مین سنوارے گیسو
آئینہ اُس کا رہا دیدۂ حیران اپنا

روز محشر کی بھی ایذا مین اُٹھا لونگا - مگر
منہ دکھانا نہ مجھے لے شب ہجران اپنا

خوش ہون مین کنج قفس مین میری بہلائی کو
دل پر داغ دکھاتا ہے گلستان اپنا

ناخن پا سے نہو چاک تو مجبوری ہے
جادۂ دشت ہے اک بخیۂ دامان اپنا

اے جنون ہو چکے ہم پیر طریقت کے مرید
چڑھ چکا تربت مجنون پہ گریبان اپنا

جوش وحشت مین بھی پابند قناعت ہون نظم
اپنے دامن کو سمجھتا ہون بیابان اپنا

سید علی حیدر طباطبائی

بیکاری کے چند گھنٹے

(۲)

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو دکن ریویو بابت نومبر ۱۹۰۸ء

یہ چند[ف] وہ مغربی ہیرو ہین، جن کے کمال و شہرت کا دیباچہ زرین یہ ہے کہ اپنا وقت عزیز اونہون نے زر و جواہر کی طرح سمجھ بوجھ کر صرف کیا تھا جس کے بعد وہ خود جواہرات مین سُتلے،

لیکن ذیل کی فہرست مین ہم چند ایسے اولوالعزم، عالی حوصلہ، ارباب قلم کے نام درج کرتے ہین جنھون نے نام آوری و شہرت کا سبق چل پھر کرلیا ہے، نقشہ نمبر ۱ مین جن کے نام درج ہین، اُنھین جیسی زیادہ نہ سہی تو دو ہی گھڑیان خاطر جمعی کی ملجاتی تھین، جنھین خلوت مین بیٹھ کر فکر آیندہ کے نذر کرتے تھے۔ بخلاف اسکی ہمارے وہ قوی الارادہ ہیرو جن کے نام نقشہ نمبر ۲ مین آپ ملاحظہ فرمایئنگے ناسا عدت ایام نے کبھی اونھین ایک جگہ ٹھہر کر دو حرف نہ پڑھنے دیے بلکہ راستہ کی ٹھوکرین کھا کھا کر اونہون نے اپنے علمی حدود وسیع کیے جن سے آگے چل کر خراج مشقت وصول کیا۔ آفرین! صد آفرین! اونکی اون سخت سی سخت

ف ان مغربی مثالون سے ہمین یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ مشرق ایسے نمونے پیش کرنے سے عاجز ہے بلکہ ہمین جو طبعی موانست مغربی دنیا سے ہوگئی ہے اُس نے ان مثالون کے پیش کرنے کی سفارش کی ورنہ یہ واقعہ ہے کہ آسمان کمال پر مشرقی ہی باکمال مہر و ماہ بنکر چمکے ہین ؎

آسمان دریوزہ کرد و آفتابش کرد نام

نعل او آوارۂ گوسفش شب یلدا سے من

مشقتوں اور دل توڑ کوششوں پر جن کی عدیم الفرصتی کے کارنامے دیکھکر بڑے سے بڑا جفاکش ششدر و حیران رہ جاتا ہے اور اُسکے خیال مین اِن کی وقعت دوبالا ہو جاتی ہے ۔

نمبر شمار	نام	وقت تحصیل	غیر معمولی مشاغل	
۱	ڈاکٹر مازدن گوڈ	اثناء راہ آمد و رفت بغرض معائنہ مرضا		
۲	ڈاکٹر ڈاردن		اُسکے پاس تقسیم اوقات مین تصنیف و تالیف کے لئے بجز اس وقت کے کوئی وقت نہ تھا چنانچہ اُس کی بیشتر تالیفات اسی وقت مشقت کی ہین۔	
۳	ڈاکٹر برنی	موسیقی کی تعلیم دینے کے لیے جاتا تھا اور چند شاگردون کے یہان کی قلیل عرصہ آمد و رفت مین	فرنچ اور اٹالین زبانین سیکھین اور ان پر عبور حاصل کیا۔	
۴	کرک ہوایٹ	عدالت کے کام سے فراغت حاصل کر کے مدرسہ جاتے ہوے	یونانی زبان لیکر اُس مین مہارت تام حاصل کی۔	
۵	ڈکسو فرانسیسی فیلسوف	اوقات طعام مین لقمہ	کھانون کے اقسام بحث	

نمبر شمار	نام	وقت تحصیل	غیر معمولی مشاغل	
	شناس)	چباتے وقت۔	وغیرہ کے طریقے، اور اُن کے متعلق لطیف و لذیذ معلومات ایک ضخیم جلد مین نہایت شرح و بسط سے دکھلائے ہین۔ جو بذات خود ایک خوان پر الوان ہے اس شخص کی خوش مذاقی و ذکاوت قابل داد ہے کیونکہ وقت تصنیف اور موضوع تصنیف مین اُس نے کیسا دلچسپ تناسب پیدا کر دکھایا ہے	
٦	مڈام دی جنلی	ایک معزز لیڈی کو پڑھانے جاتا تھا، اُسکے کاشانہ عظمت پر پہونچکر انفاس چند بجائے انتظار کے ترتیب خیالات مین گذارا	اُسکی چند مبسوط تالیفات اسی وقت کی زیور ترتیب سے مرصع ہوئی ہین۔	
٧	یوبرٹ	پیشہ آہنگری کرتا تھا جب سودے کی خرید فروخت کیلیے گھر سے نکلتا اپنے شوق کا سودا گھر ہی سے خرید لیتا۔	اس اولوالعزم آہنگر نے ۳۸ زبانین (جدید و قدیم) حاصل کین جن مین سے ہر زبان مین کافی مشق رکھتا تھا۔	

ایک نوخیز تجربہ و عقل کا انسان ان خرق عادات سے انکار کر بیٹھے گا لیکن اس کے مقابل ان ہدایتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

(۱) لحظات کے تواتر سے گھنٹے اور گھنٹوں کے تواتر سے ایام بنتے ہین، بڑے بڑے سر بفلک پہاڑوں کی ترکیب ایسے ذرات سے ہے جو بمقدار، اور بغیر آلۂ مکرسکوپ نظر نہین آسکتے ہے،

(۲) اور یہ عظمت و بلندی اُنہین تدریجاً حاصل ہوتی ہے جس کا احساس نہین ہوتا۔

پس جو لوگ وقت فرصت کو قیمتی سمجھ کر حسب قرار داد سابق اُس سے سبق لیتے ہین، اُن کے استقبال مین ایک عجیب شان بے نیازی و دلکشی پیدا ہو کر اُنہین وہ جوہر ذات ودیعت کرتی ہے جو بذات خود اُن کو پارس بنا دیتی ہے۔ اس نایاب اور خوشنما اصول نے محض ناداروں اور مفلسوں ہی پر اعجاز مسیحائی نہین دکھلایا بلکہ اعلٰے فرایض انجام دینے والے ارباب نظر کو بھی اس نے اپنا مفتون بنایا، جس کے بعد اُنہین اُن مناصب سے علحدہ ہو کے بھی معراج ارتقا نصیب ہوئی۔ اُس سے زیادہ عیش اُٹھائے۔ اور باکمالوں کے زمرہ مین گنے گئے۔ اور جنھوں نے موجودہ خوشحالی پر اعتماد کیا، ترقی کا پیمانہ کیا، وہ سر بقدم ہو گئے۔

الغرض مضمون بالا سے ان مسائل پر پوری روشنی پڑ جاتی ہے کہ

ہم اپنی سخت سے سخت مصروفیت کے زمانہ مین بھی کسی مفید مشغلے کو جاری رکھہ سکتے ہین

دماغی تفریح کا کام بھی ہمین کسی ہنر باکمال سے لینا چاہیے جسکی خلاف ورزی مین بہت سی قباحتین، اور اس پر کاربند ہونے مین کامیابی کا راز پنہان ہے۔

ہم کسی کام کی طرف جھکین، ہمین عزم و ارادہ سے مدد مانگنی چاہیے جسکے ساتھ مزاولت شرط ہے ۔ و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ط

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار رکھ دے کوئی پیمانہ وصہبا مرے آگے

جواد علی خان حالی